مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونے والا دو ماہی
دینی و علمی مجلہ
زمزم
جلد ۱۱
شمارہ ۱
محرم، صفر ۱۴۲۹ھ
مدیر مسئول و مدیر التحریر
محمد ابوبکر غازی پوری
سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپیے
پاکستان اور بنگلادیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
پتہ
مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ غازی پور۔ یوپی
پن کوڈ۔ 233001
موبائیل نمبر 9453497685

فہرست مضامین

اداریہ

اسلامی اخلاق کے زوال اور پامال ہونے میں ان جیسے عالموں کا بھی حصہ ہے

ضلع سورت گجرات سے کچھ فاصلہ پر ضلع نوساری کا ایک چھوٹا سا دیہات کفلیتہ نام کا ہے، چند سال قبل جس کی مدت پندرہ سولہ سال سے زیادہ نہیں ہے، بعض باہمت نوجوانوں نے، جن کا تعلق ڈابھیل گاؤں سے تھا، قرأت و تجوید کی تعلیم کیلئے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جامعتہ القرأت اس کا نام رکھا، اللہ نے دینی کاموں کے لئے اہل گجرات کو بڑا دل دیا ہے انڈیا اور انڈیا سے باہر دنیا میں جہاں گجراتی مسلمان ہیں وہاں دین کی چہل پہل نظر آتی ہے۔ ان کی کمائی کا بہت بڑا حصہ اللہ کے واسطہ اور دین کے کاموں میں خرچ ہوتا ہے، لاکھوں اور کروڑوں روپے خرچ کرنے والے بھی مزید کا حوصلہ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صوبہ گجرات میں جہاں چلے جاؤ، جس بستی، جس قریہ میں جاؤ شاندار مساجد اور دینی و تعلیمی بڑے بڑے ادارے نظر آئیں گے، اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود بھی گجراتی مسلمانوں کا مزاج سادہ اور تکلف و تصنع سے پاک ہوتا ہے۔

دین اور دینی تعلیم سے اسی تعلق اور دلچسپی کا نتیجہ ہے کہ کفلیتہ کا چند سال کا چھوٹا سا تعلیمی پودا آج ایک تناور درخت کی شکل میں ہے، آدمی دیکھے اور حیران رہ جائے، اس کی لق ودق شاندار عمارت، نہایت کشادہ و وسیع جاذب نظر مسجد، ساڑھے چار سو

طلبہ کی تعداد، اس کے جواں سال باہمت مہتمم عزیزم قاری اسماعیل بسم اللہ سلمہ کی کاوش و بلند حوصلگی کی کہانی پیش کرتا ہے۔

جو مدرسہ کہ صرف قرأت و تجوید کی تعلیم کے لئے تھا اب اس میں عربی درس نظامی کی تعلیم کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے اور امسال پہلی دفعہ دورہ شریف کا آغاز ہوا ہے۔

گزشتہ ۱۲ نومبر کو اس جامعہ میں درس افتتاح بخاری کی تقریب تھی، جس میں مہمانِ خصوصی جن کو بخاری شریف کا افتتاح کرانا تھا، مولانا یونس صاحب تھے جو مظاہر العلوم جدید سہارنپور کے شیخ الحدیث ہیں، ان کے علاوہ اسکے مہتمم عزیزم قاری اسماعیل سلمہ نے ہندوستان کے مختلف مدارس کے اکابر و ذمہ داروں کو بھی مدعو کیا تھا، گجرات کے چھوٹے بڑے مدارس کے ذمہ داروں کی بہت بڑی تعداد آئی ہوئی تھی، عوام کا مجمع بہت بڑا تھا، بعض لوگوں کا اندازہ ہے کہ دس ہزار کا تھا۔

عزیزم قاری سلمہ نے مجھے بھی دعوت دی تھی، اتفاق سے میرے ایک عزیز شاگرد جو اسی گاؤں کفلیتہ کے رہنے والے ہیں اور اس وقت وہ امریکہ میں رہتے ہیں، انڈیا آئے ہوئے تھے، ان کا بھی اصرار رہا کہ اگر آپ شریک ہوں گے تو میری ملاقات بھی آپ سے ہو جائے گی۔

چنانچہ میں نے بھی سفر کیا اور اس میں شریک ہوا، جی ہاں شریک ہوا مگر اگر شریک نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں انڈیا اور انڈیا سے باہر بہت سے جلسے جلوسوں میں شرکت کی ہے مگر اتنی تکلیف کسی جلسہ میں شرکت سے نہیں پہونچی جتنی اس افتتاح بخاری شریف کے جلسہ میں شریک ہونے سے پہونچی، یہ تکلیف کیا تھی؟ اسلامی اخلاق کے زوال کا جو نقشہ میں نے جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث مولانا یونس میں دیکھا اس نے میری روح کو تڑپا دیا اور دل کو رلا دیا، آپ تصور کیجئے کہ افتتاح بخاری شریف کی مبارک تقریب ہے، اور گجرات کے معتمد علماء کی بہت بڑی تعداد موجود ہے، ہندوستان کے مختلف علاقے سے آئے ہوئے مہمان ہیں مولانا یونس کو بطور مہمان خصوصی یہاں بلایا گیا ہے۔ ان کو لینے کیلئے ایک آدمی سہارنپور جاتا ہے اور ہوائی جہاز سے لیکر آتا ہے، پھر ہوائی جہاز سے لیکر انکو سہارنپور

چھوڑنے جاتا ہے، انکی راحت وآرام کا مکمل بندوبست اور ضرورت سے زیادہ انتظام ہے
ان کی خاطرداری اور ناز برداری میں کوئی کمی نہیں۔ مگر مولانا یونس شیخ الحدیث مظاہرالعلوم
نے اپنے اخلاق وکردار کا کیسا نقش چھوڑا بس یہی سننے کی بات ہے، انھوں نے پورے
ڈیڑھ گھنٹے گجراتی قوم اور علمائے گجرات کی برائی بیان کرنے میں صرف کردیا، سامنے بخاری شریف
رکھی ہے، طلبا اپنے سامنے کتاب کھولے بیٹھے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب بخاری شریف
کے درس کا افتتاح کریں گے، اور وہ بتلائیں گے کہ بخاری شریف کا حدیث کی کتابوں میں کیا
مقام ہے، امام بخاری کی شخصیت اور ان کے علمی کمالات پر روشنی ڈالیں گے، بخاری شریف کی
پہلی حدیث کا باب سے ربط کیا ہے اس کو بیان کریں گے، امام بخاری کے علمی اسفار کی تفصیل بیان
کریں گے، امام بخاری کوفہ وبغداد کالاتعداد مرتبہ کیوں سفر کیا، امام بخاری کے اساتذہ میں کوفہ
والوں کی سب سے بڑی تعداد کیوں ہے، بخاری میں ثلاثیات کتنی ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے
شاگردوں سے امام بخاری کو کتنی ثلاثیات ملی ہیں، امام بخاری نے اپنی کتاب کی پہلی حدیث کو
کیوں ناقص ذکر کیا، بھول گئے تھے یا اس کی وجہ کچھ اور ہے، بخاری کی پہلی حدیث محدثین کی
اصطلاح میں کیا کہلائے گی، ضعیف یا صحیح؟ امام ترمذی نے اس حدیث پر غرابت کا حکم کیوں
لگایا ہے، امام بخاری کی پہلی حدیث ہی کی طرح ان کی کتاب کی آخری حدیث بھی روایۃ فرد عن الفرد
ہے جسے عام محدثین ضعیف بتلاتے ہیں، آخر امام بخاری نے پہلی اور آخری حدیث کو فرد عن الفرد
سند سے کیوں روایت کیا ہے۔ امام بخاری اس سے بتلانا کیا چاہتے ہیں، کیا بخاری شریف میں
تمام روایات صحیح ہیں یا اس میں کمزور اور ضعیف روایتیں بھی ہیں۔ طلبہ ہاتھ میں قلم اور کاپی
لئے منتظر تھے کہ شیخ صاحب آج کے درس افتتاح بخاری میں ان امور پر روشنی ڈالیں گے۔
مگر یہ کیا؟ شیخ صاحب آتے ہی نہ بسم اللہ، نہ الحمدللہ، گجرات اور اہل گجرات اور علمائے گجرات
کی ہجو اور بدگوئی میں لگ گئے، گجراتی احمق ہوتے ہیں، بے وقوف ہوتے ہیں، بخیل ہوتے ہیں،
مجمع حیران کہ آخر مولانا یونس کو کیا ہوگیا ہے، ہندوستان کے مختلف مدارس کے اکابر جلسہ
میں موجود ہیں، علمائے گجرات کا موقر طبقہ پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اور مولانا یونس بلا سانس لئے

ہوئے ہی کیے جاتے ہیں اور ہر دس پندرہ منٹ پر غازی پوری کا نام لے کر چند صلواتیں اس کو بھی سناتے ہیں، کیا سناتے ہیں غازی پوری کو تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، مگر اندازہ لگا کہ چونکہ مولانا یونس آجکل اباحیت پسندی کا شکار ہیں اور اس کی تبلیغ اپنے درس میں کرتے رہتے ہیں اور انھیں معلوم ہے کہ ابوبکر غازی پوری اس اباحیت پسندی کا سخت مخالف ہے اور وہ بھی اس جلسہ میں شریک ان کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے، اسلئے اسے بھی کچھ سناؤ، ڈیڑھ گھنٹہ پورا کا پورا اسی قسم کی بکواس میں گذار دیا، نہ کوئی پند نہ نصیحت، نہ وعظ نہ تذکیر، نہ طلبہ کو خطاب نہ عوام کو خطاب اور انداز ایسا کہ آپ سب سے بڑے ہیں آپ کے سامنے چاہے عمر اور علم میں آپ سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں سب بونے ہیں، لہجہ میں گجراتیوں کے لئے حقارت اور اپنی ذات کیلئے تعلی، جس کو ہر شخص محسوس کرلے، مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ گجرات کے علماء و عام مسلمان کیسے اس بیہودہ گوئی کو برداشت کر رہے ہیں، مگر گجرات کے لوگ بڑے متحمل مزاج ہوتے ہیں۔

ابوبکر غازی پوری کو مولانا یونس سے کبھی کوئی مناسبت نہیں رہی ہے، مجھے مکار اور ریاکار اور تواضع کا لبادہ اوڑھے متکبر لوگوں سے ہمیشہ سے نفرت رہی ہے، اور اباحیت پسند ولوں سے میرا کبھی کوئی تعلق ہی نہیں رہا ہے، دس سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہوا ہوگا کہ مولانا یونس سے میری دعا نہ سلام نہ ملنا نہ جلنا نہ خط و کتابت نہ آمنا سامنا، کبھی سہارنپور جانا بھی ہوا تو مولانا شاہد صاحب، مولانا سلمان صاحب، مولانا طلحہ صاحب اور اپنے استاذ حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی دامت برکاتہم سے مل کر چلا آیا، مولوی یونس سے ملنا بھی مجھے گوارا نہ ہوا، اس بے تعلقی اور عدم مناسبت کی وجہ مولانا یونس کی عیاری و مکاری اور ریاکاری ہی، ہوا یہ کہ آج سے بارہ چودہ سال قبل میں سہارنپور گیا ہوا تھا، اتفاق سے میری نظر مولانا یونس پر پڑگئی دیکھا کہ وہ اپنا درس ختم کرکے لڑکوں کی ایک بھیڑ کے ساتھ اپنے کمرہ میں جارہے ہیں، میں نے سوچا کہ ذرا چلو ان سے ملاقات کرلیں، جب ان کے کمرہ میں گیا تو انھوں نے اپنے پاس بلاکر بیٹھا، طلبہ جو ان کے ساتھ آئے تھے وہ بھی تھے۔ اور دیکھا کہ

مولانا یونس کبھی اپنا گلا دبا رہے ہیں، اور کالا جادو کالا جادو چلا رہے ہیں، کبھی اپنا دونوں ہاتھ اپنے دونوں جبڑوں پر رکھ کر چیخ رہے ہیں، دیکھو دیکھو یہاں آگیا یہاں آگیا اور اپنی گردن پیچھے کر لیتے ہیں گویا ہوش وحواس کھو بیٹھے، آدھا گھنٹہ تک طلبہ کے سامنے یہی ناٹک کرتے رہے، پھر لڑکوں سے کہا اچھا اب تم لوگ جاؤ، جب طلبہ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ اب مجھ سے عام انسانوں کی طرح بات کر رہے ہیں، نہ کالا جادو ہے نہ سفید، نہ گردن انکی کوئی دبا رہا ہے، نہ ان کا جبڑا کوئی چیر رہا ہے، ہنس ہنس کر مزہ لے لے کر مجھ سے بات کر رہے ہیں، میں نے ان سے کہا، مولانا آپ نے یہ کیا ناٹک کر رکھا تھا تو انھوں نے کہا کہ میاں چھوڑو ان باتوں کو پاؤں پھیلا کر آرام سے بیٹھو، اور پھر ہم دونوں نے وہیں بیٹھ کر ان کے دستر خوان پر پھل فروٹ کا ناشتہ کیا۔

ایک دفعہ کا اور اسی طرح کا تجربہ ہے کہ وہ مہمانوں کے سامنے ایسے بنے رہے کہ گویا بدن میں جان ہی نہیں، منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی اور جب مہمان چلے گئے تو بلبلوں کی طرح چہکنے لگے۔

ان دونوں تجربوں نے میرے اندر ان سے نفرت پیدا کر دی کہ شیخ الحدیث کے مقام پر پہونچ کر کے بھی یہ لوگ مکر وفریب کو سینہ سے لگائے رہتے ہیں اور خوامخواہ بزرگ بننے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے کو جتنا بیمار ظاہر کریں گے اتنا ہی لوگ مجھے بزرگ سمجھیں گے، اس کے بعد جب مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صاحب اباحیت پسندی کا داعی بھی بنتے جا رہے ہیں تو میں نے ان سے ملاقات کا کبھی تصور بھی نہیں کیا اور نہ دس سال کے عرصہ میں کبھی ان سے ملاقات کیا۔

مولانا یونس نے کفلیتہ جامعۃ القرأت کے جلسہ کو جس طرح خراب کیا اور علمائے گجرات اور اہل گجرات کی جس طرح کھلے عام ہجو کی یہ میرے لئے بالکل انہونی بات تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ ایک مہمان شخص اپنے میزبانوں کے ساتھ بداخلاقی اور بدزبانی کا ایسا مظاہرہ بھی کرسکتا ہے، میرے نزدیک یہ اسلامی اخلاق کے گراوٹ کی یہ انتہا ہے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے

جواں سال نہایت شریف متین کم گو مہتمم مولانا احمد بزرگ سے مولانا یونس کے بعض شاگردوں نے کہا کہ مولانا کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے لئے بھی دعوت دو اور اس پر اصرار کیا جب مولانا احمد دعوت دینے گئے تو ابھی کچھ کہنے بھی نہیں پائے تھے کہ مولانا یونس پر جنون سوار ہوا، اور اس شریف انسان کو متکبر، گھمنڈی اور ڈابھیل والے بڑے گھمنڈی ہوتے ہیں جیسے کلمات کی سوغات سے نوازنے لگے اور مہتمم صاحب کو الٹے پاؤں واپس ہونا پڑا۔ یہ ہے مولانا یونس کا اخلاق و کردار جو مظاہر العلوم سہارنپور میں بخاری کا درس دیتے ہیں۔

جب آج کی معروف درسگاہوں کے شیخ الحدیثوں کا یہ حال ہے تو عام مسلمانوں کی حالتِ زار پر ہمیں رونا کیوں آدے۔

بہر حال مدرسہ مظاہر العلوم کے ذمہ داروں کو اپنے اس شیخ الحدیث کے بارے میں کوئی حتمی وقطعی فیصلہ لینا چاہیئے، یہ وہ شخص ہے کہ جس سے ہمارے اکابر کی یہ قدیم علمی ودینی عالمی شہرت یافتہ درسگاہ بدنام ہو رہی ہے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ جب آدمی اکابر اسلاف کی راہ کو چھوڑ کر اباحیت پسند بن جاتا ہے تو اس کا اخلاقی معیار کیسا گدلا ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان کیسی بے لگام ہو جاتی ہے اور اس کا درس بخاری علم و ادب کے کیسے نوادرات پیش کرتا ہے۔

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

محمد اجمل مفتاحی مئو ناتھ بھنجن یوپی انڈیا

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے کچھ باتیں لکھ کر بھیجو جو تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، تو انھوں نے ان کو لکھا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے۔ قیل وقال۔ اضاعۃ المال وکثرۃ السوال۔ (مسلم شریف)

قیل وقال کا مطلب یہ ہے کہ بلاوجہ اور لایعنی باتوں میں پڑنا، مثلاً خواہ مخواہ لوگوں کے بارے میں تبصرہ کرنا، ان کے معاملات میں دخل دینا، جھوٹے قصے بیان کرنا۔

اور اضاعۃ مال کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً جہاں مال کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے وہاں مال خرچ کرنا خواہ وہ مال قدر قلیل کیوں نہ ہو۔

کثرتِ سوال کا مطلب تو یہ ہے کہ بلاوجہ کا سوال کرنا اور یہ کیوں ہوا، اور یہ کیسے ہوا، اگر یہ ہوتا تو مسئلہ کیا ہوتا اور وہ ہوتا تو مسئلہ کیا ہوتا، یعنی جن مسائل کی ضرورت نہیں ہے ان کے بارے میں فتویٰ پوچھنا اور سوال کرنا۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے پیسوں کا سوال کرنا اور اس پر اصرار کرنا۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے درپہ ہونا مثلاً فلاں کے گھر کیا پکا، کون آیا، اس کی کمائی کتنی ہے، اس کے لڑکے اور لڑکیاں کتنی ہیں، اور یہ اسلئے کہ انسان کو ان سوالات سے تنگی ہوتی ہے، وہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کے احوال اس پر کھلیں اور ظاہر ہوں،

میں نے کہیں امام مالک کا مقولہ پڑھا ہے کہ آدمی کو تین باتوں کا سوال نہیں کرنا چاہئے، اس کی عمر کے بارے میں اس کی اولاد کے بارے میں اور اس کی آمدنی وکمائی کے بارے میں۔

(۲) حضرت ہندہ بنت عتبہ زوجہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول میرے شوہر سفیان بہت ہاتھ دبا کر رہنے والے ہیں تو اگر میں انکے مال میں سے اپنے بچوں کے کھانے کھلانے پر (بلا انکی اجازت کے) خرچ کروں تو اس میں کوئی حرج ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا، الا بالمعروف نہیں، مگر مناسب طریقہ پر۔

(مسلم شریف)

لا الا بالمعروف، کا دو مطلب ہے، یعنی تم کو بلا ان کی اجازت کے ان کا مال خرچ کرنا اگرچہ اپنی اولاد ہی پر ہو جائز نہیں، ہاں اگر ضرورت شدیدہ ہو تو تم خرچ کرسکتی ہو مگر مناسب ڈھنگ سے یعنی جتنی ضرورت ہو بس اسی قدر۔

اور ایک مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان پر خرچ نہ کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے اولاد پر خرچ کرنا باپ کی ذمہ داری نہیں ہے ماں کی نہیں، لیکن اگر تم خرچ ہی کرنا چاہتی ہو تو بھلے ڈھنگ اور مناسب طریقہ پر خرچ کرو، بقدر ضرورت خرچ کرو، اسراف نہ کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کے مال میں بیوی مختار کل نہیں ہے، اور بلا شوہر کی اجازت کے اس کے مال میں سے خرچ کرنا بلا ضرورت شدیدہ کے جائز نہیں ہے۔ اور خرچ کرنے میں احتیاط ضروری ہے کہ جتنی ضرورت ہو بس اتنا ہی خرچ کرے۔

(۳) مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مطیع فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز جن کا نام عاصی تھا، ان لوگوں میں سے صرف میرے والد مطیع ایمان لائے، میرے والد کا نام بھی عاصی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر مطیع رکھ دیا۔

عاصی کے معنی نافرمان کے ہیں، اور مطیع کا معنی فرماں بردار کے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ناموں کو پسند نہیں کرتے تھے جن کا معنی خراب ہو، اسی وجہ سے عاصی نام کو مطیع سے بدل دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کا نام رکھنے میں بھی اچھے معنی کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور اگر ماں باپ کی غلطی کی وجہ سے برے معنی والا نام رکھا گیا ہو تو بڑے ہونے پر بھی اس کو بدلنے میں عار اور شرم محسوس نہیں کرنی چاہیئے، حضورؐ کی سنت یہی تھی۔

(۴) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے منبر پر فرماتے ہوئے سنا اے لوگو (اللہ کے راستہ میں جہاد کیلئے) اپنی وسعت بھر تیاری کرو، اور آگاہ ہو جاؤ کہ قوت تیر چلانا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ قوت تیر چلانا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ قوت تیر چلانا ہے۔ (مسلم شریف)

اللہ کا دین بلند رہے اس کے لئے دین دشمن طاقتوں سے جہاد کرنا فرض ہے اور اس کے لئے ہر مسلمان کو تیاری کرنا اور جہاد کیلئے تیار رہنا ضروری ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جہاد کے اسلحے مختلف تھے، مگر تیر اندازی سب سے آسان اور سہل طریقہ تھا، نیز اس میں خرچ بھی کم تھا، تیر اندازی سے دشمن کو دور سے بھی روکا جا سکتا تھا، اور ہر جگہ اس کا استعمال ممکن تھا، اسلئے آپ نے اس زمانہ کے لحاظ سے تیر اندازی سیکھنے کی تاکید فرمائی، اور اس کو اصل قوت قرار دیا، اب زمانہ بدل چکا ہے، اسلئے اس زمانہ کے لحاظ سے اب مسلمانوں کو تیاری کی ضرورت ہے، موجودہ زمانہ میں دشمنوں نے جس طرح کے ہتھیار کئے ہیں، ان کے مقابل کا ہتھیار تیار کرنا عام مسلمانوں کے بس کی بات نہیں ہے، اسلئے اب یہ ذمہ داری مسلمان حکومتوں کی ہے کہ وہ جہاد کے لئے اس قسم کا ہتھیار تیار کریں جو فی زمانہ کارآمد ہو اور ان سے دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عام مسلمانوں سے جہاد کی تیاری کا حکم ساقط ہو چکا ہے، ہر شخص اپنے اعتبار سے تیار رہے اور مسلمان حکومتیں اپنی ذمہ داری کو پورا کریں۔

مگر آج کل جہاد کے نام پر جو خونریزی کا سلسلہ جاری ہے وہ قطعاً شرعی جہاد نہیں ہے، جہاد وہی ہوگا جو خالص اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے ہو، اور جس میں

بقیہ ص ۳۳ پر

محمد اجمل مفتاحی

قسط ۱۲

محمد ابوبکر غازی پوری

مقام صحابہؓ کتاب وسنت کی روشنی میں

اور مولانا مودودی

حضرت عمرؓ کا صحابیٔ رسول کے ساتھ طرزِ عمل

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا حضرت عمرؓ کے دل میں کتنا احترام تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگتا ہے۔

قصہ یہ ہے کہ ایک بدوی نے انصار کی ہجو کی اسے حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا مگر آپ نے صحابیت کے احترام کی وجہ سے کوئی سزا اس کو نہیں دی اور آپ نے لوگوں سے کہا:

لولا ان له صحبة من رسول الله صلی الله علیه وسلم ما ادری ما نال فیما لکفیتکموه لکن له صحبة من رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (الاصابة ص۱۲/۱۰)

اگر آنحضورؐ کی صحبت کا اسے شرف حاصل نہ ہوتا جس صحبت کے بارے میں میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے کون سا مقام حاصل کیا ہے تو میں (اسے سزا دیتا) اور تمہاری کفایت کرتا لیکن اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے

یہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ایک عام صحابی کا مقام کہ محض شرفِ صحابیت کے احترام میں حضرت عمرؓ جیسا انسان خلیفۂ وقت اور جلیل القدر صحابی بھی کسی قومی سبب کے بغیر ایک معمولی صحابی کے بارے میں بھی کوئی سخت قدم اٹھانے سے

خوف کھاتا تھا۔

علی بن جعد حضرت عمرؓ کے اس فعل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وقد توقف عمر رضی اللہ عنہ عن معاقبتہ فضلا عن معاقبتہ لکونہ علم انہ لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اصابۃ ص۱۲ ج۱)

حضرت عمرؓ نے سزا دینا تو الگ رہا اسکو ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے بھی توقف کیا اسلئے کہ انھیں معلوم تھا کہ اس نے آنحضورؐ سے ملاقات کی تھی۔

اور ابن حجر حضرت عمرؓ کے اس فعل کو سامنے رکھ کر فرماتے ہیں :

فی ذلک بین شاهد علی انهم کانوا یعتقدون ان شان الصحبۃ لا یعدلہ شئ۔

یعنی حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل میں کھلی دلیل ہے کہ صحابہ کرام اس کا یقین رکھتے تھے کہ صحابی رسول ہونے کے برابر کوئی چیز نہیں۔

ہمیں کہنا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جیسا جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی رسولؐ ایک بدوی کو اس کے شرف صحابیت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا ہے اور اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے خوف کھاتا ہے لیکن آج چودہ صدی گذرنے کے بعد ایک جماعت نے یہ کمر کس رکھی ہے کہ وہ ایک ایک صحابی کی زندگی کو کھنگالے گی اور تاریخ کے طومار سے اسے جو کچھ بھی حاصل ہوگا اس کو علم و تحقیق کے نام پر بلا نقد و نظر اور بلا روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھے ہوئے لوگوں کے سامنے پیش کرے گی اور اسے اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ اس کا یہ عمل اسلام کی تاریخ کو بدنما کر رہا ہے، اس کا یہ کارنامہ امت مسلمہ اور نسل حاضر کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ سب اسلام کا نام لے کر اور دین کی خدمت کا ڈھنڈورہ پیٹ کر کیا جا رہا ہے، آج بھی اور اس سے پہلے بھی اسلام کے دشمنوں نے یہ کام بڑی جانکاہی سے کیا ہے اور اس باب میں آپ دراصل انھیں کے خوشہ چیں ہیں لیکن انھوں نے اسلام کی آڑ میں نہیں بلکہ اسلام کے سامنے اور مدمقابل آکر یہ کام کیا ہے آپ بھی اسلام کا پردہ ہٹا کر سامنے آجائیے ہم آپ کو کچھ نہیں کہیں گے اور مسلمان سمجھ لیں گے کہ یہ چہرے

کس کے ہیں ؟

بہرحال آپ دیکھ رہے ہیں کہ صحابہ کرام کا امت میں کیا مقام ہے اور اکابر امت صحابہ کرام کے بارے میں کتنے محتاط ہیں اور ان پر طعن و تشنیع یا ان کی حرمت کو پامال کرنے والوں کے بارے میں ان کا کیا فیصلہ ہے۔ علمائے امت تو اس باب میں اس قدر سخت ہیں کہ انھوں نے اس شخص کے بارے میں جو صحابہ کرام کو ملعون کرے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ وہ ملحد ہے اور اسلام کو خیرباد کہنے والا ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں :

فمن طعن فیهم فهو ملحد منابذ للاسلام دوائه السیف ان لم یتب۔ (اصول سرخسی ص ۱۳۴/۲)

صحابہ کرام کے بارے میں طعن کرنے والا ملحد ہے اسلام کا مدمقابل ہے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا علاج تلوار ہے۔

حافظ ذہبی اپنی کتاب "الکبائر" میں ایک فصل خاص سب صحابہ کے حکم کے بیان میں قائم کی ہے اور اس سلسلہ میں ایک طویل گفتگو کے بعد فرماتے ہیں۔

فمن طعن فیهم اوسبهم فقد خرج من الدین ومرق من ملة المسلمین۔

یعنی صحابہ کو جس نے ملعون کیا یا انھیں اس نے برا بھلا کہا وہ دین اسلام سے نکل گیا اور مسلمانوں کی ملت سے الگ ہوگیا۔

اور پھر انھوں نے اس خروج من الدین والمروق من ملت المسلمین کی وجہ بیان کی ہے، ان کی بات بہت زیادہ قابل غور ہے۔ فرماتے ہیں۔

لان الطعن لا یکون الا عن اعتقاد مساویهم واضمار الحقد فیهم وانکار ما ذکرہ اللہ تعالیٰ فی کتابه من ثنائه علیهم وما لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من ثنائه علیهم وفضائلهم ومناقبهم وحبهم۔

اسلئے کہ یہ طعن کرنا اس وقت ہوگا جب وہ انکی برائیوں کا اعتقاد رکھے اور اپنے دل میں ان سے کینہ رکھے اور جو اللہ نے اپنی کتاب میں اور رسول نے اپنی احادیث میں ان کی مدح و ثنا کی ہے اور انکے فضائل و مناقب اور اپنی محبت کو بیان کیا ہے اس کا انکار کرے۔

ولا نعم ارضی الوسائل من
الماثور والوسائط من المنقول والطعن
فی الوسائط طعن فی الاصل فلانه
الان دراء بالناقل ازدراء بالمنقول۔

. . . .

هذا ظاهر لمن تدبره وسلم من
النفاق ومن الزندقة والالحاد۔

(ص ۲۳۸)

نیز یہ کہ صحابہ کرام ماثور و منقول (یعنی دین و شریعت اور کتاب و سنت) کے باب میں سب سے پسندیدہ واسطہ ہیں اور وسائط میں طعن کرنے کا مطلب خود اصل میں طعن کرنا ہوتا ہے اور ناقل کی حیثیت کم کرنا خود منقول کی قیمت گھٹاتا ہے۔

اور یہ اس کیلئے جو نفاق سے سالم اور زندقہ والحاد سے محفوظ اور غور و فکر کرنے والا ہو بالکل کھلی حقیقت ہے۔

اسی کتاب میں ذہبی فرماتے ہیں

من ذم اصحاب رسول اللہ صلی
اللہ علیه وسلم بشیء وتتبع عثراتهم
وذكر عيبا واضافه اليهم كان
منافقا بل الواجب على المسلم
حب الله وحب رسوله وحب
ما جاء به وحب من يقوم
بامره وحب من ياخذ بهديه
ويعمل بسنته وحب اصحابه
وازواجه واولاده وغلمانه
وحب من يحبهم ويبغض
من يبغضهم۔

(ص ۲۳۹)

یعنی جس نے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی کسی طرح کی مذمت کی اور انکی لغزشوں کے پیچھے پڑا رہا اور کوئی عیب ذکر کر کے اس کی نسبت ان کی طرف کر دی تو وہ منافق ہے بلکہ مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول اور اللہ کا رسول جو دین و شریعت لے کر کے آیا ہے اور جو رسول کے احکام کو قائم کرنے والا ہے اور جو آپ کے طور و طریقہ کو اختیار کرتا ہے اور آپ کی سنت پر عمل کرتا ہے اس سے محبت رکھے، نیز صحابہ کرام، ازواج مطہرات آپ کی اولاد، آپ کے غلام ان سب سے محبت رکھے اور جو ان سے محبت رکھے ان سے وہ محبت رکھے اور جو ان سے دشمنی رکھے ان سے وہ دشمنی رکھے۔

اور اسی کتاب میں حضرت ایوب سختیانی کا یہ کلام نقل کیا ہے :

من احب ابابکر فقد اقام منار الدین ومن احب عمر فقد اوضح السبیل ومن احب عثمان فقد استنار بنور اللہ ومن احب علیا فقد استمسك بالعروة الوثقی ومن قال الخیر فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد بریٔ من النفاق (ص ۲۳۹)	جس نے حضرت ابوبکرؓ سے محبت کی اس نے دین کے مینارہ کو قائم کیا جس نے حضرت عمرؓ سے محبت کی اس نے راستہ واضح کر دیا، جس نے حضرت عثمانؓ سے محبت کی اس نے اللہ کے نور سے روشنی حاصل کی اور جس نے حضرت علیؓ سے محبت کی اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا اور جس نے صحابہ کرام کے بارے میں کلمات خیر کہے وہ نفاق سے بری ہو گیا۔

حضرت سعید بن زید فرماتے ہیں :

واللہ لمشھد شھدہ رجل یغبر فیه وجھه مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من احدکم ولو عمر عمر نوحؑ۔ (مسند احمد بن حنبل ص ۱۸۷ ج ۱)	خدا کی قسم وہ ایک غزوہ جس میں کسی آدمی نے شریک ہو کر اپنے چہرہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گرد آلود کیا تم میں سے کسی کے بھی عمل سے بہتر ہے اگرچہ اس کی عمر حضرت نوحؑ کے برابر ہو۔

صحابہ کرام کی توقیر درحقیقت آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور آپ کا احترام ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں :

ومن توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم توقیر اصحابه وبرھم ومعرفة حقھم والاقتداءبھم وحسن الثناء علیھم والاستغفار لھم والامساك	یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر میں سے یہ ہے کہ آپ کے اصحاب کی توقیر کی جائے ان کے ساتھ نیک سلوک ہو ان کے حق کو جانا جائے ان کی اقتدا کی جائے۔ ان کی مدح وثنا کی جائے

عما شجر بينهم ومعاداة من عاداهم والاضراب عن اخبار المؤرخين وجهلة الرواة۔ (الاساليب البديعه ص ۵)

ان کیلئے استغفار کیا جائے ان کے ما بین جو اختلاف رہا ہے اس کے ذکر سے رکا جائے ان کے دشمنوں سے دشمنی کی جائے۔ اور جاہل راویوں اور مورخین کی روایتوں سے صرف نظر کیا جائے۔

. . . . . .

امام رازی " والذین اتبعوهم باحسان " کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں۔

او يقال ان المراد ان يتبعوهم باحسان فی القول وهو ان لا يقولوا فيهم سوءً وان لا يوجهوا الطعن فيما اقدموا عليه۔

(ص ۴۹۴ ج ۴)

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ صحابۂ کرام کی اتباع احسان فی القول میں کرتے ہیں اور احسان فی القول کا مطلب یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام کے بارے میں کوئی بری بات نہیں کہتے اور انکے کسی اقدام پر ان کو مطعون نہیں کرتے۔

پھر اس کے بعد ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں؛

فوجب ان من لم يحسن القول فی المهاجرين والانصار لا يكون مستحقاً للرضوان من الله تعالىٰ وان لا يكون من اهل الثواب لهذا السبب فان اهل الدين يبالغون فی تعظيم اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يطلقون السنتهم فی اغتيابهم وذكرهم بما لا ينبغی۔ (ص ۴۹۲ ج ۴)

اس سے یہ بات ضرور ثابت ہوئی کہ جو مہاجرین و انصار کے بارے میں حسن قول اختیار نہیں کرے گا وہ اللہ کی رضا کا مستحق نہیں قرار پائیگا اور ثواب والوں میں سے نہیں ہوگا۔ اسلئے اہل دین اصحاب رسول کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں اور ان کی بدگوئی میں زبان نہیں چلاتے اور ان کا ذکر نامناسب باتوں سے نہیں کرتے۔

الملل والنحل میں شہرستانی متعدد آیات قرآنیہ سے صحابہ کرام کے مناقب وفضائل

بیان کرنے کے بعد اور صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے والے کا رد بلیغ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وفی ذالك دليل على عظم قدرهم عند الله وكرامتهم ودرجتهم عند الرسول فليت شعرى كيف يستجيز خودين الطعن فيهم ونسبة الكفر اليهم ۔ (الملل والنحل تحت الفصل الملل والنحل لابن حزام ص ۳ ج ۲)

یعنی ان آیات کریمہ میں صحابہ کرام کی عظمت وشان پر جو اللہ کے یہاں انھیں حاصل ہے اور ان کے مقام ومرتبہ پر جو اللہ کے رسول کے یہاں ان کا ہے بڑی دلیل ہے پھر میں نہیں جانتا کہ کیسے کوئی دین والا صحابہ کرام کی طعن وتشنیع کو جائز رکھتا ہے اور ان کی طرف کفر کی نسبت کرتا ہے۔

امام ابن تیمیہ عقیدہ واسطیہ میں لکھتے ہیں :

ومن اصول اهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم والسنتهم لاصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كما وصفهم الله تعالى فى قوله والذين جاءوا من بعدهم الآية (شرح العقيده الواسطيه ص ۴۰۳)

اہل سنت کے اصول عقائد میں سے یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ کے بارے میں صاف رکھے جیسا کہ آیت میں بیان فرمایا والذین جاءوا من بعدهم الخ

ابن حزم فرماتے ہیں :

ثم نقطع على ان كل من صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم بنية صادقة ولو ساعة فانه من اهل الجنة لا يدخل النار (الفصل لابن حزم ص ۱۱۶ ج ۴)

پھر ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ جو بھی آنحضورؐ کی صحبت سے سچی نیت کے ساتھ مشرف ہوا اگرچہ ایک ساعت ہی کے لئے کیوں نہیں وہ جنتیوں میں سے ہے۔ جہنم میں نہیں جائے گا۔

نیز فرماتے ہیں۔

لاسبیل الیٰ ان یلحق اقلہ درجۃ احدمن اھل الارض (الیقاظ ص ۱۱/۴۲)

کوئی شکل نہیں ہے کہ صحابۂ کرام میں سے اقل درجہ والے کو بھی کوئی دوسرا فرد بشر پہونچ سکے۔

میں نے ائمہ دین اور اکابر امت کے اقوال و نصوص پیش کرنے میں ذرا درازنفسی سے کام لیا ہے اس لئے کہ موضوع ذرا نازک اور عقیدہ سے متعلق ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مسئلہ ہر پہلو سے نکھر کر سامنے آجائے اور دل میں ذرا بھی اس باب میں کوئی دغدغہ نہ رہے۔

ائمہ دین اور سلف کے یہ ارشادات و بیانات جو آپ کے سامنے ذکر ہوئے ہیں ان سے یہ بات بڑے واضح طریقہ سے معلوم ہوگئی کہ صحابۂ کرام کی عظمت و شان بڑی بلند و بالا ہے، ان کو برا بھلا کہنا، ان کی عیب جوئی اور خوردہ گیری کرنا، ان کے بارے میں کلمۂ تنقیص کہنا یا ایسی بات کہنا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو یہ سب حرام، ناجائز اور غیر مشروع اور اسلام و ایمان کے تقاضہ کے بالکل خلاف ہے، کسی بھی مسلمان کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ وہ صحابۂ کرام کو نقد کا نشانہ بنائے، یہ تو وہی کرے گا جو منافق ہو اور جس کا قلب نور ایمان سے خالی ہو، خواہ صحابہ کرام کی ذات پر تبصرہ اور نقد علم و تحقیق کے نام پر ہی کیوں نہ ہو اور خواہ اس کیلئے تاریخ کا سہارا ہی کیوں نہ لیا گیا ہو اور خواہ اسے کتنی بھی خوبصورت اور مزرکش شکل میں پیش نہ کیا گیا ہو۔

صحابہ کرام ہی سے دین ملا، کتاب و سنت کو انھیں کے واسطہ اور ذریعہ سے ہم نے پایا، ان کی ذات کو مطعون بنانے کے بعد ہمیں پھر ان روحانی چشموں سے بھی دست بردار ہوجانا پڑے گا اور ہماری روحانی اور دینی کشت زار کو کہیں سے آب حیات نہیں ملے گا۔

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری

قسط ۸

بریلوی مذہب پر ایک نظر

دیوبندی ہونے کا معنیٰ ہیں شیطان کے بندے

صوفی اللہ دتہ لکھتے ہیں :

" عبدالمصطفےٰ ہونے سے بیزاری اللہ ہونے سے بیزاری ہے، جو عبدالمصطفےٰ نہیں وہ عبداللہ نہیں عبدالشیطان ہے اور دیوبندی ہونے کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ یہ شیطان کے بندے " (ایضاً ص ۱۵۷)

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ بریلوی حضرات کے دو معبود ایک تو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اللہ اور دیوبندی کا صرف ایک معبود یعنی اللہ، اب صوفی صاحب جو بھی کہیں اہل توحید دیوبندی ہیں اور لا الٰہ الا اللہ انہی کا کلمہ ہے۔

بریلوی حضرات کے یہاں اللہ کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والا کافر نہیں ہے

اعلیٰحضرت نے متعدد وجوہ سے ثابت کیا ہے کہ اسمٰعیل شہید دہلوی نے اللہ کی شان میں گستاخی کی ہے لیکن اعلیٰ حضرت ان کو کافر نہیں کہتے، چنانچہ فرماتے ہیں سبحٰن السبوح میں بدلائل قاہرہ دہلوی مذکور اور اس کے اتباع پر بکثرت وجوہ سے لزوم کفر ثابت کرکے صفحہ ۹۰ پر حکم آخر یہی لکھا علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے۔ ہو الجواب، وبہ یفتی، وعلیہ الفتویٰ وہو المذہب، وعلیہ الاعتماد، وفیہ السلامۃ وفیہ السداد

یعنی یہی جواب ہے اور اس پر فتویٰ ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پر اعتماد ہے اور اسی میں سلامتی اور اسی میں استقامت۔ (تمہید ایمان)

فائدہ :۔ خان صاحب کی اس عبارت سے کئی بات معلوم ہوئی (۱) وہ اسمٰعیل شہید دہلوی اور ان کے اتباع کو کافر نہیں سمجھتے (۲) ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر نہیں (۳) ایسے شخص کو کافر نہ کہنا یہی ان کا مذہب ہے اور ان کی سلامتی اسی میں ہے۔

بریلوی حضرات کے یہاں برے پھنسے ہیں اسلئے کہ اعلیٰ حضرت نے تصریح کی ہے کہ جو کافر کو کافر نہ کہے اور ان کے کفر میں شک بھی کرے وہ خود کافر ہے (۱) اسلئے اعلیٰ حضرت خود کافر ہو گئے۔ اور اگر بریلوی حضرات نے اعلیٰ حضرت کے کفر میں شک بھی کیا تو وہ بھی کافر ہوئے۔ نیز اب بریلوی حضرات کو منہ نہیں ہے کہ اسمٰعیل شہید یا ان کے اتباع کو کافر کہیں اسلئے کہ اعلیٰ حضرت نے تصریح کی ہے کہ وہ کافر نہیں ہیں اور جب کافر نہیں ہیں تو وہ مسلمان ہیں اور مسلمان کو کافر کہنا خود کفر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بریلوی حضرات اس دلدل سے کیسے نکلتے ہیں اور اپنے اعلیٰ حضرت علیہ ما علیہ کو کیسے نکال لیتے ہیں۔

عورت کو قبرستان جانا معصیت ہے

مولانا خاں صاحب لکھتے ہیں :

"اب ذرا عقائد اہلسنت پیش نظر رکھتے ہوئے نگاہ انصاف درکار عورتوں کا قبرستان جانا غایت درجہ ہے تو معصیت ہے"

(شمول الاسلام ص ۷)

فائدہ :۔ دیکھئے خاں صاحب عورتوں کے قبرستان جانے کو معصیت بتلا رہے ہیں، ہم بھی کہتے ہیں کہ عورتوں کا قبرستان جانا بہت بڑا گناہ ہے۔

عبادت وہی سچی ہے جس کی تعلیم حق تعالیٰ کی طرف سے ہو

مفتی یار احمد خانصاحب لکھتے ہیں :

عبادت وہی سچی ہے جس کی تعلیم حق تعالیٰ کی طرف سے نبیوں کے ذریعہ دی گئی ہو، اپنی عقل سے تجویز کی ہوئی کوئی عبادت عبادت نہیں۔ (تفسیر نعیمی ص۵۲)

فائدہ :- بریلوی حضرات نے بہت سی عبادتیں اپنی طرف سے گڑھی ہیں مثلاً صلوٰۃ غوثیہ، مزارات کا عرس، چہلم، فاتحہ، بارہویں شریف، گیارہویں شریف وغیرہ۔ ان سب کا ذکر نہ قرآن میں نہ حدیث میں اسلئے ان سب کا کوئی اعتبار نہیں۔

بدعت وہ مضر ہے جو امور دین میں ہو

احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں اس تحقیق میں کہ تمباکو حلال ہے۔ رہا اس کا بدعت ہونا تو یہ کچھ باعثِ ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ کہ امور دین میں تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے۔

(احکام شریعت ج ۳ ص ۱۶۸)

فائدہ :- اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ بدعت وہی مضر اور حرام ہے جس کا تعلق دین سے ہو، اب بریلوی حضرات سوچیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم فلاں کام دین سمجھ کر کرتے ہو اور وہ بدعت ہے تو وہ فوراً جواب میں کہتے ہیں کہ ہوائی جہاز، موٹر کار وغیرہ یہ سب بدعت ہے، دیوبندیوں کو اس پر سوار نہ ہونا چاہیئے، حالانکہ اعلیٰ حضرت کی تحقیق نے بتلادیا کہ یہ استدلال غلط ہے اسلئے کہ ان چیزوں کا تعلق دین سے نہیں ہے، بدعت وہی بری ہے جو دین سمجھ کر کیا جائے اور اس کا ثبوت عہد نبوی عہد صحابہ میں نہ ہو اور نہ قرآن و حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہو۔

چادر چڑھانا باجے وغیرہ ساتھ قبر پر لے جانا

اس کے بارے میں اعلیٰحضرت لکھتے ہیں
باجے ناجائز ہیں اور جب چادر موجود ہو اور وہ ہنوز پرانی اور خراب نہ ہو کہ بدلنے کی حاجت ہو تو بیکار چادر چڑھانا فضول ہے۔ (احکام شریعت ص۴۲/۱)
فائدہ :۔ اجی حضرت فضول کہاں آپ کے لوگوں نے تو اسی کو اصل دین قرار دے رکھا ہے۔ ایک قبر پر کئی کئی چادر رہتی ہے۔

وہ نام جن کا رکھنا جائز نہیں

مولانا احمد رضا فرماتے ہیں :
یٰسٓ وطٰہٰ نام رکھنا منع ہے۔ وہ اسمائے الٰہیہ واسمائے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے نام ہیں جن کے معنیٰ معلوم نہیں۔ (احکام شریعت ص۴۵/۱)
نظام الدین، محی الدین، تاج الدین اور اسی طرح وہ نام جن میں مسمّٰی کا معظم فی الدین بلکہ معظم علی الدین ہونا نکلے جیسے شمس الدین، بدر الدین، نور الدین، فخر الدین، شمس الاسلام، محی الاسلام، بدر الاسلام سب کو علمائے کرام نے سخت ناپسند رکھا اور مکروہ وممنوع لکھا۔ (ایضاً ص۴۷/۱)
فائدہ :۔ بریلوی حضرات اعلیٰ حضرت کے اس فتویٰ پر عمل کریں اور جن کا نام اس طرح کے ہوں وہ جلد اپنا نام بدلیں، بریلوی حضرات کے یہاں تو اولیاء اللہ پر چودہ طبق روشن ہیں ان کو ذرہ ذرہ کا علم ہے اور اعلیٰحضرت طٰہٰ ویٰسین وغیرہ کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ ان کا معنیٰ کسی کو معلوم نہیں حالانکہ یہ نام تو قرآن میں آئے ہوئے ہیں۔

اعلیٰحضرت کے یہاں ایمان کی تعریف

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ ایمان کامل کس کو کہتے ہیں، ارشاد ہوا
محمد رسول اللہ کو ہر بات میں سچا جاننا حضور کی حقانیت کو صدق دل سے ماننا
ایمان ہے۔ (الیضاً ص ۱۲،۶۷)

فائدہ :- حدیث جبریل مشہور حدیث ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ایمان کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت اقامت صلوٰۃ، زکوٰۃ کی ادائیگی، صوم رمضان اور صاحب استطاعت کیلئے حج کرنا۔ بریلوی حضرات کو اختیار ہے چاہے آنحضور اکرمؐ کی بات کو ایمان کی تعریف صحیح جانیں چاہے اعلیٰ حضرت کی۔ سوال یہ نہیں ہے کہ اعلیٰحضرت کی بات اپنی جگہ صحیح ہے یا غلط اور آنحضور کو سچا جاننا ایمان کا تقاضا ہے یا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ ایمان کی اعلیٰحضرت نے جو تعریف کی ہے وہ حدیث کے خلاف ہے یا اس کے موافق۔

دیوبندی وہابی سب سے بدتر کافر ہیں

اعلیٰحضرت بریلوی علیہ ما علیہ سے سوال کیا گیا۔
کفار کے قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے اور صحبت کون سے کفار کی سب سے زیادہ مضر ہے۔ اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ نے جواب دیا۔
کافر کی دو قسم ہے، اصلی و مرتد، مرتدوں میں سب سے بدتر منافق ہے۔ یہی ہے وہ کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھلاتا ہے، خصوصاً وہابیہ دیوبندیہ۔ (احکام شریعت ص ۱۲،۷۷)

فائدہ :- اعلیٰ حضرت علیہ ما علیہ کے یہاں منافق وہ ہوتا ہے جو مرتد ہو حالانکہ شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ آنحضورؐ کے زمانہ میں منافق تھے

لیکن آپ نے ان کو قتل نہ کیا گویا اعلیٰحضرت آنحضور پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ آپ نے منافقین پر جو بقول اعلیٰحضرت مرتد تھے حکم شرع جاری نہ کیا۔

دوسری بات جو قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ اعلیٰحضرت کو باوجود اعلیٰحضرت ہونے کے یہ پتہ ہی نہیں کہ منافق کا فر اصلی کی قسم میں سے ہے، قرآن کہتا ہے۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الآخر وماھم بمؤمنین۔

جب اعلیٰ حضرت کو اتنی سی بات بھی نہیں معلوم تو اب ان کے بارے میں کوئی کیا رائے قائم کرے، رہا اعلیٰحضرت کا یہ فرمانا کہ وہابیہ دیوبندیہ سب سے بدتر کافر ہیں۔ تو یہ اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ کی خاص غذائے روحانی ہے اس سے ان کی قوت باطنیہ میں ترقی ہوتی ہے، اور ان کی روح کو عروج حاصل ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ان کا تزکیہ باطن اسی سب وشتم سے ہوا کرتا تھا۔

اگر وہابی دیوبندی پڑوسی ہے تو اس کا کوئی حق نہیں

اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ سے سوال کیا گیا۔

مسلمان پڑوسی کا کیا حق ہے اگر کافر رافضی وہابی کسی مسلمان پڑوسی کے ہوں تو ان کا بھی وہی حق ہوگا جو مسلمان کا ہے، اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ نے جواب دیا۔

مسلمان پڑوسی کے بہت حق ہیں، رافضی وہابی کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ مرتد ہیں نہ کسی کافر ذمی کا اور یہاں کے سب کفار ایسے ہی ہیں۔ (احکام شریعت ص ۸۴/۱۷۰)

فائدہ ۷ :۔ معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰحضرت دیوبندی کا نام آتے ہی بیرون از جامہ ہو جاتے ہیں اور انھیں ہوش بھی نہیں رہتا ہے کہ وہ جو کہہ رہے ہیں وہ صریح قرآن وحدیث کیخلاف ہے، قرآن وحدیث میں تو صاف ارشاد ہے کہ پڑوسی مسلم ہو کہ کافر سب کا حق ادا کرنا ہے اور اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ کافر پڑوسی کا کوئی حق ہی نہیں اگر اعلیٰحضرت کی یہ بات غیر مسلم سنیں تو وہ اسلام کے بارے میں کیا رائے

قائم کریں گے لیکن اعلیٰحضرت کو اگر اتنی ہی سمجھ ہوتی تو پھر وہ اعلیٰحضرت کیوں ہوتے۔

وہابی دیوبندی، یہودی ونصرانی سے بھی بدتر

اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

احکام دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے اور مرتدوں میں سب سے خبیث تر مرتد منافق ہے۔ رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری (یعنی سرسید خان کو ماننے والے) کہ کلمہ پڑھتے ہیں، اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں نماز وغیرہ افعال اسلام بظاہر بجالاتے ہیں — بایں ہمہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں یا ضروریاتِ دین میں سے کسی شئی کا انکار کرتے ہیں، ان کی اس کلمہ گوئی، وادعاء اسلام اور افعال واقوال میں مسلمانوں کی نقل اتارتے ہی نے ان کو اخبث وا ضر اور ہر کافر اصل یہودی ونصرانی وبت پرست مجوسی سب سے بدتر کر دیا۔ (احکام شریعت ج۱ ص۱۶۲)

فائدہ:- اعلیٰ حضرت نے ماشاء اللہ کیسی اچھی زبان استعمال کی خدا انھیں مبارک کرے اور مزید کی توفیق دے، یہ زبان سوائے معلم خاص کی تعلیم وتلقین کے کسی کو آ ہی نہیں سکتی کہاں سے اور اعلیٰحضرت کا اس معلم خاص سے استفادہ تو اعلیٰحضرت کی پوری زندگی ہی کا مشغلہ رہا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

آیتِ کریمہ
یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
کا صحیح مطلب

فاضل گرامی حضرت مدیر زمزم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جناب والا کی تحریروں سے ہم لوگ بہت متأثر ہیں، ہم نے کافی نفع اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں۔ جناب والا، سورہ نساء کی آیت ۵۹ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا کسی شرعی مسئلہ میں اختلاف ہو تو صرف کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کو قبول کرنا واجب ہے، کسی دوسرے کا قول قبول نہ ہوگا سعودیہ والے قرآن پاک میں لکھا ہے

تیسری شخصیت کی اطاعت واجب نہیں جس طرح کہ تقلید شخصی یا تقلید معین کے قائلین نے ایک تیسری طاعت کو بھی واجب قرار دے رکھا ہے، اور اسی تیسری طاعت نے جو قرآن کے مخالف ہے الخ۔

براہ کرم اس بارے میں جو صحیح بات ہو آپ تحریر فرمائیں۔ والسلام

اکرام الدین انصاری
امبیڈکر نگر۔ یوپی

نوٹ: مسلم!

آپ ہوں یا ہم ہوں یا کوئی اور ہو قرآن پاک کی باتوں کو سمجھنے کے لئے مفسرین قرآن اور ماہرین علوم شرعیہ جو لوگ ہیں ان کے محتاج ہیں، قرآن پاک کو جو خود سے سمجھنا چاہے گا تو وہ اس کو ایسا ہی سمجھے گا جیسا سعودیہ والے قرآن پاک کی تفسیر کرنے والا پاکستانی غیر مقلد مفسر نے اس آیت کریمہ کا مطلب سمجھا ہے، غور فرمائیں کہ جب خود قرآن اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ اولوالامر کی اطاعت کو اس آیت کریمہ میں جو آپ نے نقل کیا ہے واجب قرار دے رہا ہے تو کتنی بڑی جہالت اور زبردستی اور جرأت کی بات ہے کہ کوئی یہ کہے کہ قرآن صرف خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کو واجب قرار دیتا ہے۔ یہ آیت کریمہ تو صاف بتلا رہی ہے کہ خدا کی بھی اطاعت واجب ہے اور رسول کی اطاعت بھی واجب ہے، اور اولوالامر یعنی امراء، خلفاء، سلاطین قضاۃ حکام، علماء و فقہاء (اولوالامر میں یہ سب داخل ہیں) ان سب کی اطاعت واجب ہے، اور ظاہر بات ہے کہ گناہ کا کام کرنے میں تو کسی کی اطاعت کا سوال ہی نہیں ہے، اطاعت تو موافق شریعت امور ہی میں ہوگی۔ اب اگر کوئی مفتی یا فقیہ کوئی مسئلہ بتلاتا ہے جس کا بیان قرآن و سنت میں نہیں ہے یا اس کا بیان تو ہے لیکن عام لوگوں کو اس کا پتہ نہیں ہے مگر مفتی اور فقیہ قابل اعتماد دینی بزرگ ہیں تو اس کا حکم ماننا از روئے شریعت واجب ہے، جیسا کہ قرآن کی یہی آیت جس کو آپ نے نقل کیا ہے بتلا رہی ہے اور اس کے علاوہ قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی اس کا بیان ہے جن میں واضح تر آیت فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو جو مسائل شرعیہ کا علم نہیں رکھتے حکم دے رہا ہے کہ جو لوگ ان مسائل سے واقف ہوں ان سے پوچھو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما شفاء العی السوال یعنی ناواقفوں کو مسائل دینیہ میں سوال کر کے اطمینان قلب حاصل کرنا چاہئے۔ ہم اور آپ تو دور نبوت سے بہت دور ہیں، خود صحابہ کرام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ایک دوسرے سے مسائل دینیہ میں سوال کیا کرتے تھے، تو ماہرین شریعت سے اگر سوال نہیں کیا جائے گا اور

ان کے بتلائے ہوئے نقوش راہ کو اختیار نہیں کیا جائے گا اور عوام بھی علماء کا کردار ادا کرنے لگیں گے تو دین کا تو تماشہ بن جائے گا، جیسا آج کے اس دور میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ علماء و فقہاء سے بے نیاز ہو کر غیر مقلدین اور انگریزی داں طبقے کا ایک گروہ نے دین کا تماشا بنا لیا ہے اگر صرف قرآن و حدیث ہی کی اتباع ہر حال میں ضروری ہوتی تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کا مطلب کیا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ہے میرے بعد میرے دونوں صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرو اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر ۔

بلاشبہ جس مسئلہ میں قرآن و حدیث کا حکم منصوص ہوگا اس وقت تو قرآن و حدیث ہی کی پیروی واجب ہوگی، لیکن وہ سیکڑوں مسائل جن کا قرآن و حدیث میں حکم صاف صاف موجود نہیں ان مسائل میں تو فقہاء، و مجتہدین اور ماہرین شریعت کی پیروی کے علاوہ چارہ کیا ہے؟ بلکہ اولوالامر کا اضافہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلانے کیلئے کیا ہے کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں حکم نہ موجود ہو تو مجتہدین امت کی اتباع ضروری ہے۔ یعنی اس آیت کریمہ میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کو جس طرح دین میں حجت قطعیہ بتلایا گیا ہے مجتہدین کو بھی اسی طرح حجت شرعیہ بتلایا گیا ہے۔ جس طرح کتاب و سنت کا منکر اہل سنت سے خارج ہے اسی طرح تقلید فقہاء کا منکر بھی اہل سنت سے خارج ہے، بلکہ علماء نے تو اس آیت کریمہ سے اجماع کو واجب الاتباع بتلایا ہے(۱)۔

---

(۱) چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں اعلم ان قولہ تعالیٰ (واولی الامر منکم) یدل عندنا علی اجماع الامۃ حجۃ، والدلیل علی ذلک ان اللہ امر بطاعۃ اولی الامر علی سبیل الجزم من ھذہ الآیۃ ومن امر اللہ بطاعتہ علی سبیل الجزم والقطع لابد ان یکون معصوما من الخطأ، ص ۱۴۹/۵، یعنی اللہ تعالیٰ کا قول اولی الامر منکم میں دلیل ہے کہ اجماع امت حجت ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم بطور جزم و قطع کے دیا ہے اور جس کی اطاعت کو قطعی قرار دیا جائے اس کا غلطی سے معصوم ہونا ضروری ہوگا، اسلئے اس کی اطاعت قطعی طور پر واجب ہوگی)

غیر مقلدین کا اللہ بھلا کرے، ہمیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی عقلوں کو اللہ نے پلٹ دیا ہے اسلئے ان کو سیدھی اور صحیح بات سمجھ میں آتی ہی نہیں ہے اور جو باتیں بالکل بدیہی ہوتی ہیں اس بات کو بھی وہ معمہ بنا کر پیش کرتے ہیں، آپ غور فرمائیں کہ مسائل کا سلسلہ تو لامتناہی ہے ان سب کا ذکر کتاب وسنت میں کہاں مذکور ہے؟ تو ان مسائل کا حکم معلوم کرنے کیلئے فقہاء ومجتہدین اور علماء شریعت کا آدمی کو پابند ہونا ہی پڑے گا۔ ورنہ جیسا کہ میں نے عرض کیا اللہ کا دین کھیل وتماشہ بن جائے گا۔

آپ نے جو آیت کریمہ پیش کی ہے اس کے آخری حصہ میں یعنی فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول میں اسی بات کو ذکر کیا گیا ہے جو میں کہہ رہا ہوں یعنی اس حصہ میں غیر منصوص مسائل میں اولوالامر یعنی فقہاء ومجتہدین کی تقلید اور قیاس شرعی کا حکم دیا جارہا ہے، اور غیر مقلدین یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس میں تقلید کا اور قیاس کا انکار ہے یعنی من در چہ خیالم وفلک در چہ خیال ست

میں نے جو یہ کہا ہے کہ آیت کریمہ کے آخری حصہ میں تقلید ائمہ وقیاس شرعی کا بیان ہے اس کے لئے تفاسیر کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول یہ فرمان الٰہی بتلاتا ہے کہ قیاس حجت ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو اختلاف اور تنازع کی شکل میں کتاب وسنت اور اجماع سے حکم نہ معلوم ہو تو اس مسئلہ کی اصل کتاب وسنت میں ڈھونڈھ کر پیش آمدہ مسئلہ کو اس اصل پر پیش کرکے جو حکم اصل کا ہے اس مسئلہ میں بھی وہی حکم اس سے حاصل کرو، اور اسی کا نام قیاس ہے۔ وذلک ھو القیاس فثبت ان الآیۃ دالۃ علی الامر بالقیاس۔ یعنی معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں قیاس کا حکم ہے۔ (ایضاً ص ۱۵۲/ج۵)

اور ظاہر بات ہے کہ کتاب وسنت سے مسئلہ کی اصل اس کا مشابہ معلوم کرنا اور مشترک علت تلاش کرنا اور پھر اس کا حکم شرعی مستنبط کرنا یہ عوام کا کام نہیں ہے

یہ کام فقہاء اور مجتہدین کا ہے اس لئے ان کی تقلید واجب اور ضروری ہو گی۔

بہرحال امام رازی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس آیتِ کریمہ میں کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ، اجماع اور قیاس چاروں کا ذکر ہے، انھیں چار کو اہل سنت اصول شرعیہ قرار دیتے ہیں اور یہ اہل سنت کے نزدیک ان اصول اربعہ میں سے کسی ایک کا بھی منکر اہل سنت والجماعت سے خارج ہے، یہ تو امام رازی کی تحقیق کا ذکر ہوا، علامہ قرطبی تفسیر قرطبی میں کیا فرماتے ہیں اسے بھی سن لیں، فرماتے ہیں:

فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول فامر تعالیٰ برد المتنازع فیہ الی کتاب اللہ وسنت نبیہ ولیس لغیر العلماء معرفۃ کیفیۃ الرد الی الکتاب والسنۃ ویدل ھذا علی صحۃ کون سوال العلماء واجبًا وامتثال فتواھم لازمًا (ص ۱۸۱ ج ۳)

یعنی آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مختلف فیہ امر میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی طرف رد کرنے کا حکم دیا ہے، اور کتاب وسنت کی طرف رد کرنے کی کیفیت کو علماء ہی جانتے ہیں دوسرے نہیں، اسلئے علماء سے سوال کرنا واجب ہے، اور ان کے فتوی کی پیروی کرنا لازم ہے۔

اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب وسنت کا حکم منصوص نہ ہوگا، علماء سے سوال کرکے اس کا حکم معلوم کرنا ضروری ہے اور وہ جو فتویٰ دیں اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

امام قرطبی ایک بہت خاص بات سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں، سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ جب تک لوگ علماء، اور سلاطین کی تعظیم کرتے رہیں گے خیر پر رہیں گے اور ان کی دنیا وآخرت درست رہے گی، اور جب لوگ علماء اور سلاطین کی باتوں کو ہلکا سمجھیں گے ان کی دنیا وآخرت برباد رہے گی۔

یہ بڑی زریں نصیحت ہے ہمیں اس کو دانت سے تھام لینا چاہئے، اور علماء دین وفقہائے ملت سے بغض وعناد رکھ کر اور ان کے اجتہادی مسائل سے روگردانی کرکے اپنی عاقبت

برباد کرنے سے باز رہنا چاہیئے۔

علامہ ابوبکر جصاص نے بھی احکام القرآن میں یہی بات لکھی ہے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کی نص موجود نہ ہو وہاں ردالی اللہ والی الرسول کا یہی مطلب ہے کہ امور متشابہ کی طرف رجوع کرکے اس کا حکم معلوم کیا جائے گا اور اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

(احکام القرآن ص۲۱۲ ج۲)

اور تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت لکھا ہے، اولی الامر سے مراد فقہاء اور علماء اور مشائخ بھی ہیں یعنی ان کی اطاعت بھی واجب ہے بلکہ یہ حکام وغیرہ سے زیادہ اولی الامر ہونے کے مستحق ہیں اس لئے کہ علماء وفقہاء علوم نبوت کے وارث ہوتے ہیں پس انکی اطاعت واجب ہوگی۔

اور فردوہ الی اللہ والرسول کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ والاجماع والقیاس فیما لا نص فیہ راجعان الی الکتاب والسنۃ یعنی جہاں کتاب وسنت کی نص نہ ہو تو وہاں اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرما رہے ہیں کہ کتاب وسنت میں اگر نص نہ ہو تو کتاب وسنت پر قیاس کرنا یہ ردالی اللہ والی الرسول ہوگا۔[1] (الرسالہ ص۳۶)

---

(۱) ومن تنازع ممن بعد رسول اللہ رد الامر الی قضاء اللہ ثم قضاء رسولہ فان لم یکن فیما یتنازعون فیہ قضاء نصا فیھما ولا فی واحد منھما ردوہ قیاسا علی احدھما۔ ص۳۶

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جو دینی مسائل میں اختلاف کرے اس کو اللہ اور اسکے رسول کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اگر اس مسئلہ میں اللہ ورسول کا کوئی منصوص فیصلہ نہ ہو تو کتاب وسنت کی روشنی میں قیاس کرنا چاہیئے۔

غرض یہ تمام اکابر اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت کریمہ میں کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ اجماع، قیاس اور تقلید ائمہ کا بھی ذکر ہے اور کتاب وسنت میں مسئلہ منصوص نہ ہونے کی شکل میں اجماع اور قیاس پر بھی عمل کرنا ازروئے فرمان خداوندی واجب ہے، اور قیاس کرنا مجتہدین کا کام ہے اسلئے مسائل قیاسیہ میں انکی تقلید واجب ہوگی۔

اس آیت کریمہ میں صاف اشارہ موجود ہے کہ مسائل شرعیہ میں دخل دینا ہر کس و ناکس کو حرام ہے، اس کیلئے اللہ نے جن کو پیدا کیا ہے اور جن میں اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت رکھی ہے بس انھیں کا یہ میدان ہے۔

امید ہے کہ میری ان معروضات کو جو بڑی روا روی میں لکھی گئی ہیں، توجہ سے پڑھیں گے تو آیت کریمہ کا صحیح مفہوم و مدلول آپ کو سمجھ میں آجائے گا۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

بقیہ۔ نبوی ہدایات:

شریعت نے اور فقہائے اسلام نے جو شرعی حدود مقرر کئے ہیں ان کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ بلاوجہ کسی کافر کو مارنا جہاد نہیں فساد ہے، اور کسی ایسے عمل کا ارتکاب کرنا جس سے مسلمانوں کی اور بلا قصوروں کی جان جائے قطعی حرام ہے، افسوس آج دنیا میں بعض مسلم تنظیمیں جہاد کے نام پر یہی غیر اسلامی کارنامہ انجام دے رہی ہیں جس سے اسلام بدنام ہو رہا ہے، اور مسلمان ذلیل و رسوا ہو رہا ہے، اور یہ مجاہدین جہاد کے نام پر خودکشی کی موت مر رہے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابو بکر غازی پوری

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کے بارے میں

مکرمی حضرت مولانا زاد لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ زمزم پابندی سے مل رہا ہے، اور اس سے ہماری معلومات میں بیش قیمت اضافہ ہوا ہے، اگر ہمارے علماء احناف نے فتنۂ غیر مقلدیت کی طرف پہلے سے توجہ کی ہوتی تو آج یہ فتنہ عالمی نہ بنتا، سوالات کے جوابات پڑھ کر مزہ آجاتا ہے، غیر مقلدین حضرات عوام کو ورغلانے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام اعظم کی کوئی تصنیف نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ براہ کرم اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

والسلام

عزیز الحق میرٹھی ۹/۲/۲۰۰۷

ناصحا م ! برادرم آپ کا خط بڑا طویل تھا، کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا مناسب نہیں ہے، زمزم سے آپ کو یا دوسروں کو جو فائدہ ہو رہا ہے اس پر بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہوں، اور آپ سے واقعی عرض کرتا ہوں کہ میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ سب اکابر کی ہی تحقیقات ہوتی ہیں، میں صرف ان کا ناقل ہوتا ہوں، اسلئے میرا کوئی

کارنامہ نہیں ہے، میں نے آپ کے خط کو مختصر کر دیا ہے۔

رہا آپ کے سوال کا جواب تو اس پر محققانہ گفتگو مولانا عبدالرشید نعمانی نے اپنی مایہ ناز کتاب ما تمس الیہ الحاجۃ عربی اور ابن ماجہ اور علم حدیث اردو میں کی ہے، اسی طرح مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی نے اپنی بے نظیر کتاب امام اعظم اور علم حدیث میں کی ہے، اگر یہ کتابیں آپ کو کہیں سے دستیاب ہو جائیں تو اس کا ضرور مطالعہ کرلیں۔

کسی دور میں بھی کتاب کا لکھنا ہی صاحب کمال ہونے کی دلیل نہیں رہا ہے، دیکھئے صحابہ کرام میں سے کس کی کوئی تصنیف ہے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ وغیرہ صحابہ کرام کا علم حدیث وفقہ میں جو مقام ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے، مگر انکی کتابیں اگر آپ تلاش کریں گے تو ان کا وجود نہیں ملے گا، امام زہری، امام شعبی، امام مکحول امام ابراہیم نخعی اور ان کے علاوہ بہت سے وہ بزرگ حضرات ہیں جن کا حدیثی وفقہی مقام اتنا بلند ہے کہ اس کی طرف نظر نہیں اٹھائی جا سکتی مگر کیا آج دنیا کے کسی کتب خانہ میں ان کی کتابوں کا کوئی وجود ہے۔

کتابوں کے لکھنے لکھانے کا کام تو زور وشور سے دوسری صدی میں شروع ہوا ہے، ورنہ اس سے پہلے عام طور پر زبانی احادیث کے بیان کرنے کا رواج تھا، اور اساتذہ کے شاگرد اپنی یادداشت کے لئے کبھی اپنے شیوخ سے جو سنتے اس کو سینہ میں محفوظ کر لیتے، اور پھر وہ کتابیں جو اصلاً شیوخ کا سرمایہ ہوتا انکے شاگردوں کی طرف منسوب ہو جاتیں۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کم از کم چالیس ہزار احادیث کا سرمایہ تھا، انھیں میں سے ان کے شاگردوں نے جو احادیث کا مجموعہ مرتب کیا، وہ آج ہمارے سامنے کتاب الآثار کے نام سے موجود ہے، اس میں سب سے مشہور نسخہ حضرت

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، دوسرا نسخہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور تیسرا نسخہ حضرت امام زفر کا ہے، چوتھا نسخہ حضرت حسن بن زیاد کا ہے، یہ چاروں نسخے اور احادیث کے مجموعے اگرچہ منسوب حضرت امام اعظم کے شاگردوں کی طرف ہیں، مگر اس میں جو روایتیں ہیں وہ حضرت امام ابو حنیفہ کی ہیں۔ حضرت امام اعظم کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کا وہ طریقہ رائج نہیں تھا جس کا مشاہدہ ہم آج کرتے ہیں یا جو دوسری صدی کے بعد رائج ہوا۔

کتاب الآثار للامام محمد کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

والموجود من حدیث ابی حنیفة مفردا انما هو کتاب الاثار التی رواها محمد بن الحسن عنه۔ (تعجیل المنفعة ص۹)

یعنی حضرت امام ابو حنیفہ کی جو احادیث موجود ہیں وہ کتاب الآثار میں ہیں جن کو امام ابو حنیفہ سے امام محمد نے روایت کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف والے نسخے کے متعلق شیخ ابو زہرہ لکھتے ہیں

یہ کتاب علمی طور پر تین وجہ سے قیمتی ہے، اول یہ کہ امام ابو حنیفہ کی مرویات کا ذخیرہ ہے اور اس کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے استخراج مسائل میں احادیث کو کیسے دلائل کے طور پر استعمال کیا ہے، دوم یہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ امام موصوف کے یہاں مواقع استدلال میں فتاوی صحابہ اور احادیث مرسلہ کا کیا مقام تھا سوم یہ کہ اس کتاب کے ذریعہ تابعین فقہائے کوفہ کے خصوصاً اور فقہائے عراق کے عموماً فتاوی تک ہماری رسائی ہو جاتی ہے"[1] (ابو حنیفہ ص۲۰۰)

حضرت امام زفر والے نسخہ کو مشہور امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں امام ابو حنیفہ کی کتاب کہا ہے، اس سے ان کی مراد یہی ہے کہ اس کتاب کو حضرت

---

(۱) امام اعظم اور علم حدیث ص ۳۵۵۔

امام زفر نے امام سے روایت کیا ہے، محمد بن نصر کے الفاظ یہ ہیں۔ زعم النعمان فی کتابہ، یعنی امام ابو حنیفہ نے اپنی کتاب میں یہ کہا ہے۔ (۱)

امام حسن بن زیاد کی کتاب والآثار کا ذکر حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں محمد بن ابراہیم بن جیش بغوی کے حالات میں کیا ہے۔ (۲)

اگر امام اعظم کی کوئی کتاب نہ ہوتی تو تاریخ کے حوالہ سے یہ کیوں ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت امام مالک حضرت امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

عبدالعزیز الدراوردی فرماتے ہیں۔

کان مالک ینظر فی کتب ابی حنیفۃ و ینتفع بھا۔ یعنی امام مالک حضرت امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اوران سے نفع اٹھاتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو امام ابو حنیفہ کی کتاب نہیں، کتابوں سے اپنے زمانہ میں فائدہ اٹھائیں اوران سے نفع حاصل کریں، اور آج کے اصحاب خرد فرمائیں کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی کتاب نہیں تھی۔

تبییض الصحیفہ میں حافظ سیوطی لکھتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے مناقب میں سے جن میں ان کا کوئی شریک نہیں یہ ہے کہ وہی مسائل شرعیہ کے سب سے پہلے مدون اور مرتب ہیں، ان مسائل شرعیہ کو الگ باب میں ذکر کرنے کا کارنامہ سب سے پہلے حضرت امام ہی نے انجام دیا ہے[۳]۔ پھر انکی اتباع امام مالک نے کی ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ ان مسائل شرعیہ کی ترتیب کہاں ہوئی ہوگی جس جگہ ہوئی ہوگی اسی کو عرف عام میں کتاب کہتے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان عام طور پر مناقب کی کتابوں میں نظر آتا ہے

---

(۱) ایضاً ص (۲) ایضاً ص ۳۵۰ (۳) ایضاً ص ۷۶

کہ من لم ینظر فی کتب ابی حنیفۃ لم یتبحر فی الفقہ یعنی جو امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرے گا فقہ میں وہ ماہر نہیں ہو سکے گا۔

تو یہاں کتب ابی حنیفۃ سے کیا مراد ہے؟ اگر امام شافعی کے پاس حضرت حضرت امام اعظم کی کتابیں نہ ہوتیں تو ان کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا، یہاں بھی حضرت امام شافعی امام کی ایک کتاب کا نہیں بلکہ کتابوں کا ذکر کر رہے ہیں، اور ہمارے کرم فرما لوگ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی کتاب ہی نہیں تھی۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت سفیان ثوری جو امام شافعی سے متقدم ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ کے معاصر ہیں، ان کے بارے میں علی بن مسہر کا بیان ہے کہ امام سفیان میرے پاس عشاء کے بعد آئے اور مجھ سے امام اعظم کی کتابیں عاریۃً لے گئے

(تذکرۃ الحفاظ جلد دوم ص۱۹۳)

ہمارے مہربان لوگ بتلائیں کہ اگر امام ابوحنیفہ کی کتابیں نہیں تھیں تو یہ سفیان ثوری علی بن مسہر سے عاریۃً کیا لے گئے تھے۔

تاریخ الخلفاء ص۲۶۳ میں حافظ سیوطی کتب حدیث وفقہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وصنف ابوحنیفۃ الفقہ والرای، یعنی حضرت امام ابوحنیفہ نے فقہ اور قیاس میں کتابیں تصنیف کیں، کیا اس بیان سے معلوم نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ صاحب تصانیف تھے۔

فقہ کے موضوع پر حضرت امام اعظم کی قدیم ترین املائی کتاب کتاب السیر ہے اسی کا رد امام اوزاعی نے لکھا تھا جس کا جواب الرد علی سیر الاوزاعی کے نام سے امام ابوحنیفہ کے قابل ترین شاگرد امام ابو یوسف نے لکھا، یہ کتاب مصر سے شائع شدہ ہے۔ (۱)

---

(۱) امام اعظم اور علم حدیث ص ۴۱۹۔

محمد اجمل مفتاحی

افاداتِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

قیاس واجتہاد کا اہل کون؟

مجتہدین زمانہ کیلئے لمحۂ فکریہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں رکھا ہے کہ وہ دینی وشرعی مسائل میں بلا علم زبان کھولے، اور علم کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے بعد اجماع ہے اور آثار کا علم ہے، پھر قیاس ہے، اور قیاس کا اہل وہی ہوگا جو درج ذیل امور کا واقف کار ہو، اسے کتاب اللہ کے احکام کا علم ہونا چاہئیے یعنی اللہ کی کتاب میں فرض کیا ہے، مستحب کیا ہے، ناسخ اور منسوخ کیا ہے، عام اور خاص کیا ہے، جن امور میں تاویل کا احتمال ہو رسول اللہ کی سنتوں سے ان میں رہنمائی حاصل کرے وہ سنت سے استدلال کرنے کا اہل ہو، اگر سنت میں اس کا حکم نہیں ہے تو اجماع سے استدلال کرے اگر اجماع سے بھی دلیل نہ ملے تو قیاس کرے۔

قیاس کرنا اسی کو جائز ہے جو گزشتہ سنتوں کا عالم ہو، نیز سلف کے اقوال کا جانکار ہو، اجماعی مسائل کا اسے علم ہو، نیز علماء کا اس بارے میں جو اختلاف ہے اس کا جاننے والا ہو اور ان سب کے ساتھ عربی زبان کا ماہر اور عربی اسلوب سے واقف ہو۔

قیاس کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صحیح العقل ہو، تاکہ ایک جیسے امور کے درمیان وہ فرق کر سکے، نیز منہ سے بات نکالنے میں جلد باز نہ ہو پہلے سوچے

غور وفکر کرے پھر قیاس کرے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مخالف کی بات کو غور وفکر سے سنے تاکہ غور وفکر کرنے میں آسانی ہو، اور جس چیز کو وہ درست سمجھ رہا ہے اس کا پورا یقین ہو، قیاس کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ غور وفکر میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرے اور جو چیز، جو بات اس کے نزدیک واقعی درست ہو وہی کہے، نیز اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا ماخذ استدلال کیا ہے، فلاں چیز کو اس نے مقیس علیہ کیوں بنایا ہے اور فلاں بات اس نے کیوں چھوڑا ہے۔

اگر کسی کی عقل کامل ہو مگر مذکورہ امور کا اسے علم نہ ہو تو اس کیلئے قیاس کرنا حلال نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ اسے اس کا پتہ ہی نہیں ہے کہ اصل میں مقیس علیہ کیا ہے۔ اس کی مثال اسی طرح کی ہے کہ کوئی فقیہ اور عالم تو ہے مگر اس کو بازار کے معاملات سے واقفیت نہیں، فلاں چیز کا دام کیا ہے، اور فلاں کا کیا ہے اس کا اس کو پتہ نہیں ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے بازار کے معاملات میں بھی دخل دے، اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن وسنت کا حافظ تو ہے مگر قیاس کرنے کیلئے جس علم ومعرفت کی ضرورت ہے اس سے وہ متصف نہیں ہے تو اس کے لئے بھی قیاس کرنا واجتہاد کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو اس نے حفظ کر رکھا ہے اس کے معنی پر اس کی گرفت نہ ہو اسی طرح کتاب وسنت کا حافظ تو ہے مگر کوتاہ عقل ہو یا عربی زبان کا واقف کار کم ہے یا اس کو پتہ نہیں ہے کہ قیاس کے لئے کون کون سے علوم میں مہارت ضروری ہے تو ایسے شخص کے لئے بھی قیاس کرنا حرام ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو صرف دوسروں کی اتباع اور تقلید کرنا چاہئے قیاس کرنا واجتہاد کرنا اس کا کام نہیں ہے۔

(الرسالۃ ص ۲۲۷)

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری قسط ۲

اعیان العباد
یعنی
اللہ والے

وہب بن منبہ

وہب بن منبہ بن کامل اپنے وقت کے مشہور امام، علامہ اور صاحب اخبار تھے۔ یہ چار بھائی تھے، ہمام بن منبہ، معقل بن منبہ، غیلان بن منبہ اور وہب بن منبہ اور چاروں ہی بھائی باکمال اور صاحب علم و فضل تھے۔

وہب بن منبہ کی پیدائش ۳۴ھ میں ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، حضرت ابن عباس، حضرت ابو سعید خدری، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بھی حدیثیں سنی تھیں۔

ان کے شاگردوں میں ان کے دونوں صاحبزادہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے علاوہ عمرو بن دینار، سماک بن فضل، عاصم بن رجاء، یزید بن نجید ہمام بن نافع منذر

بن نعمان وغیرہ بہت سے ائمہ حدیث وفقہ ہیں، عام طور پر اسرائیلی روایات کے یہ ماہر تھے اور اہل کتاب کے صحیفوں سے روایت کرنے میں مشہور تھے، ان کے خاندان کا لقب "ذی" تھا۔ "ذی" فارس کے ملک میں شریف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا تھا کہ فلان له "ذی" وفلان له لا ذی، یعنی فلاں شریف ہے اور فلاں شریف نہیں ہے۔

امام عجلی فرماتے ہیں کہ یہ تابعی تھے اور ثقہ تھے، امام ابو زرعہ اور امام نسائیؒ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

وہب بن منبہ عبادت وریاضت میں معروف تھے اور اس صفت میں بڑا امتیازی مقام رکھتے تھے، زبان پر کنٹرول کا حال یہ تھا کہ مثنی بن صباح کہتے ہیں کہ وہب نے چالیس سال تک کسی ایسی چیز کو برا بھلا نہیں کہا جو ذی روح رہی ہو، بیس سال تک اس حال میں صبح کیا کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے، مسلم بن فرجی کہتے ہیں کہ چالیس سال وہب نے اس طرح گذارا کہ بستر پر ان کا پہلو نہیں لگا اور بیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

جعد بن درہم کہتے ہیں کہ وہب کے سوا جس سے میں نے علم کے بارے میں گفتگو کی اسے غصہ آیا مگر وہب غصہ نہیں کرتے تھے۔

وہب کہتے تھے کہ علم مومن کا دوست ہے، حلم اور بردباری اس کا وزیر ہے عقل اس کی راہ نما ہے، عمل اس کو سنبھالنے والا ہے اور صبر اس کے لشکر کا امیر ہے اور رفق اس کا باپ ہے اور نرمی اس کا بھائی ہے۔

وہب فرماتے تھے کہ مومن غور وفکر کرتا ہے تاکہ جانے، اور بات کرتا ہے تاکہ سمجھے اور خاموش رہتا ہے تاکہ برائی سے محفوظ رہے اور تنہائی میں ہوتا ہے تاکہ اللہ کی رغبت حاصل کرے۔

نیز فرماتے تھے کہ ایمان کو ایسا سمجھو کہ وہ ایک برہنہ شئی ہے، جس کا لباس تقویٰ ہے

اور جس کی زینت حیاء ہے اور جس کا مال فقہ ہے ۔

نیز فرماتے تھے کہ جس میں تین چیزیں ہوں اور اس نے نیکی کو پالیا، سخاوت تکلیف پر صبر، اور اچھی گفتگو ۔

فرماتے تھے کہ تین باتوں سے دور رہو، خواہش نفس کی اتباع مت کرو، اپنا دوست برے آدمی کو مت بناؤ، اور خود پسند مت بنو ۔

ان کی ایک کرامت بیان کی جاتی ہے کہ ایک سفر میں ایک صاحب کے یہاں رکے رات میں جب یہ سوئے تو جس کے یہاں مہمان تھے اس کی لڑکی ان کے کمرہ میں گئی تو اس نے دیکھا کہ سورج کی طرح کی روشنی ہے اور وہب بن منبہ کا دونوں پاؤں اس روشنی میں ڈوبا ہوا ہے، اس نے اپنے والد کو جگا کر یہ منظر دکھلایا، صبح میزبان نے وہب سے کہا کہ میں نے رات کو یہ منظر دیکھا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا ذکر کسی سے مت کرنا ۔

کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی، کچھ لوگوں نے دوسرا سال وفات ذکر کیا ہے ۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۱۰ ج ۵)

سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

سالم بن عبداللہ، امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتا ہیں، اور حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادہ ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، بڑے ہی نیک، صالح، عابد وزاہد، دنیا سے منقطع، سادہ زندگی گذارنے والے اور معمولی غذا و لباس والے تھے، مگر علم و فقہ میں امامت کے درجہ پر فائز تھے، مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے زمانہ ہی میں فتویٰ دیا کرتے تھے ۔

حضرت عائشہ اپنے والد حضرت عبداللہ، حضرت ابوہریرہ، زید بن الخطاب العدوی حضرت ابولبابہ، حضرت ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، سعید بن مسیب وغیرہ سے حدیثیں سنیں، ان کے شاگردوں میں کبار تابعین کا نام آتا ہے۔ مثلاً ابن ابی جعد، عمرو بن

دینار، محمد بن واسع، یحییٰ بن اسحٰق، ابوبکر بن حزم، عاصم بن عبداللہ، محمد بن حرملہ، عبیداللہ بن عمر وغیرہ ایک جماعت کثیرہ کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

ابن مسیب فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عمر کے لڑکوں میں حضرت عمر سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے، اور عبداللہ بن عمر کے لڑکوں میں سالم اپنے باپ عبداللہ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے سالم کو دیکھا کہ وہ صوف یعنی اُن کا لباس پہنتے تھے، اور اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔

یحییٰ بن بکر کہتے ہیں کہ مصر والوں کی ایک جماعت مدینہ منورہ حضرت سالم سے علم حاصل کرنے اور ان سے ملاقات کیلئے آئی، جب ان کے دروازہ پر پہونچی تو اونٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی، تھوڑی دیر کے بعد آنے والوں نے دیکھا کہ گھر میں سے ایک آدمی سخت گندمی رنگ والا سینہ تک اون کا تہبند باندھے نکلا، انھوں نے آنے والے کو سالم کا غلام سمجھا، تو اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے مالک گھر کے اندر ہیں؟ تو اس نے کہا کہ آپ کو کس سے ملاقات کرنی ہے؟ تو انھوں نے کہا سالم بن عبداللہ سے تو اس آدمی نے کہا کہ سالم میں ہوں، اور تمہارے سامنے ہوں، کیسے آپ حضرات کا آنا ہوا ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا ہم آپ سے کچھ حاصل کرنے آئے ہیں، تو انھوں نے کہا جو چاہو پوچھو اور جس حال میں تھے، ہاتھ خون اور اونٹ کی غلاظت سے بھرا ہوا تھا، اسی حال میں بیٹھ گئے اور ان کے سوال کا جواب دیتے رہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سالم کے زمانہ میں صالحین سے مشابہت رکھنے والا ان سے زیادہ کوئی نہیں تھا، ان کی زندگی زہد، قلت معاش، فضل و کمال میں صالحین کی زندگی تھی، کپڑا دو درہم کا پہنتے تھے، روٹی اور تیل سے پیٹ بھرتے، میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ان کے گھر میں گیا تو گھر میں جتنا سامان تھا اس کی قیمت لگائی تو ایک سو درہم سے زیادہ کا نہیں تھا، اور دوسری مرتبہ جب گیا تو گھر کے سارے سامان کی قیمت ایک قبا سے زیادہ نہیں تھی، پھر اس کے بعد جب بھی میں ان کے گھر گیا اس کا حال یہی رہا۔

امام مالک کا بیان ہے کہ حضرت سالم اپنے زمانہ کے سب سے فاضل انسان تھے مگر بازار سے جا کر خود اپنا سامان خریدا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت سالم خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں گئے اور حال یہ تھا کہ بدن پر موٹا جھوٹا پرانا کپڑا تھا۔ سلیمان نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھلایا۔ اس مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی تھے، اس مجلس کے ایک آدمی نے جس نے اچھا لباس پہن رکھا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ کیا آپ کے ماموں کے پاس کوئی اچھا لباس نہیں تھا جس کو وہ پہن کر دربار میں آتے تو انھوں نے اس کو جواب دیا کہ میرے ماموں کا جو لباس ہے اس نے ان کے مقام سے ان کو نیچا نہیں کیا اور تیرے بدن پر جو لباس ہے تجھ کو تیری جگہ سے بلند نہیں کیا۔

حضرت سالم کا انتقال نظر لگنے سے ہوا تھا، قصہ یہ ہوا کہ ہشام بن عبدالملک نے حج کیا، ان سے ملنے کیلئے سالم بن عبداللہ اس کے پاس گئے تو وہ ان کی شکل کا حسن و جمال اور ان کی تندرستی دیکھ کر اسے بڑا تعجب ہوا، تو ہشام نے ان سے پوچھا کہ آپ کی غذا کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا روٹی اور تیل، تو اس نے پوچھا کہ اگر کبھی اس کے کھانے کی طبیعت نہ چاہتی ہو تو آپ کیا کھاتے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ اس کو ڈھانک کر رکھ دیتا ہوں، جب طبیعت میں خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کو کھاتا ہوں، بس ہشام کی نظر ان کو لگ گئی، پھر یہ بیمار پڑ گئے اور اسی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

سالم کی جرأت و بہادری و حق شناسی اور خدا ترسی کا ایک عجیب واقعہ ہے معلوم ہے کہ حجاج بڑا ظالم آدمی تھا، اپنے حکم کی خلاف ورزی اسے برداشت نہیں تھی ویسے شخص کا علاج اس کے پاس صرف تلوار تھی، عطاء بن سائب کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حجاج نے سالم کے سپرد ایک آدمی کو کیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں، جب وہ آدمی ان کے سامنے لایا گیا تو حضرت سالم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو مسلمان ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہاں میں مسلمان ہوں، پھر حضرت سالم نے پوچھا کہ کیا تو نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے؟ تو اس

نے کہا کہ جی ہاں، صبح کا فریضہ ادا کر چکا ہوں، تو سالم نے اس آدمی کو حجاج کے پاس لوٹا دیا اور اپنی تلوار کو زمین پر ڈال دیا، اور حجاج کو لکھا کہ یہ کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور اس نے آج صبح نماز بھی پڑھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو صبح کی نماز پڑھتا ہے وہ اللہ کے ذمہ میں ہو جاتا ہے، پس میں ایسے آدمی کو جو اللہ کے ذمہ میں ہے قتل کرنے والا نہیں ہوں، تو حجاج نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو حضرت عثمان کے قتل میں قاتلوں کا مددگار تھا، تو حضرت سالم نے کہا کہ یہاں مجھ سے زیادہ اور تجھ سے زیادہ حضرت عثمان کے قریبی ہیں یہ حق انھیں کا ہے، جب یہ بات حضرت عبداللہ بن عمر کو معلوم ہوئی تو بہت خوش ہوئے، اور دو مرتبہ فرمایا بہت خوب، بہت خوب۔

حضرت سالم سے ایک روایت ہے۔ سالم عن ابیہ عن عمر قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدا یدیہ فی الدعاء لم یرسلھما حتی یمسح بھما وجھہ۔ یعنی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو چہرہ پہ پھیر ہی کر کے اس کو نیچے کرتے تھے۔

حضرت سالم کا انتقال ۱۰۶ھ میں ہوا، اور ہشام نے حج سے واپس ہو کر ان کا جنازہ پڑھا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج۴ ص ۴۶۷)

ابراہیم نخعی الکوفی

حضرت ابراہیم نخعی کوفہ کے رہنے والے اور اپنے وقت کے سب سے بڑے فقیہ تھے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا استاذ تھے، امام ذہبی ان کو الامام، الحافظ احد الاعلام اور فقیہ العراق جیسے بلند و بالا القاب سے یاد کرتے ہیں، امام مسروق کے یہ بھانجے تھے، تابعیت کا شرف حاصل تھا۔

ان کے اساتذہ اور تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، حضرت مسروق، حضرت علقمہ بن قیس سوید بن غفلہ قاضی شریح، شریح بن ارطاط اپنے ماموں عبدالرحمن بن زید اور ہام بن حارث وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، کبار فقہاء و ائمہ حدیث نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے، ان کے شاگردوں میں سے چند نام یہ ہیں۔

حکم بن عتیبہ، عمرو بن مرۃ، حماد بن سلیمان، سماک بن حرب، منصور بن المعتمر وغیرہ امام ذہبی نے ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد کو نام بنام ذکر کرکے لکھا ہے، وخلق سواھم یعنی ان کے سوا ایک بڑی مخلوق نے ان سے حدیث سنی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

ولم نجد له سماعاً من الصحابة المتأخرين الذين كانوا معه بالكوفة كالبراء وابي جحيفة وعمرو بن الحريث وقد دخل على ام المومنين عائشة وهو صبي ولم يثبت له منها سماع. على انه روايته عنها في كتب ابي داؤد والنسائي والقزويني۔

یعنی جو متاخرین صحابہ کوفہ میں ان کے زمانہ میں تھے جیسے حضرت براء بن عازب، حضرت ابو جحیفہ، حضرت عمرو بن حریث، ان سے ہمارے علم میں ابراہیم نخعی کا سماع نہیں، بچپن میں یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تھے مگر ان سے حدیث کا سماع ثابت نہیں ہے، حالانکہ ان کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی کتاب نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے۔

احمد بن عبداللہ عجلی سے امام ذہبی روایت کرتے ہیں کہ لم یحدث عن احد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وقد ادرك منهم جماعة ورأى عائشة، یعنی امام نخعی نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ہے، حالانکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا۔

لیکن یہ سب باتیں صحیح نہیں ہیں، حضرت ابراہیم کو متعدد صحابہ کرام سے حدیث سننے کا فخر حاصل ہے۔ محمد بن سعد کہتے ہیں۔ دخل ابراهيم على ام المؤمنين عائشة

وسمع زید بن ارقم والمغیرۃ بن شعبۃ وانس بن مالک۔ یعنی حضرت امام ابراہیم نخعی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری دینے کا شرف حاصل ہوا ہے، اور انھوں نے حضرت زید بن ارقم، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی ہیں۔

خود حضرت ابراہیم فرماتے ہیں۔ اذا قلت قال عبداللہ فقد سمعتہ من غیر واحد من الصحابۃ واذا قلت حدثنی فلان فحدثنی فلان یعنی جب میں یہ کہوں کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس حدیث کو متعدد صحابہ کرام سے سنا ہے، اور جب یوں کہوں کہ مجھ سے فلاں نے روایت کی ہے تو روایت کرنے والا بس وہی صحابی ہے۔

کوفہ میں ان جیسی عظمت و شان والا کوئی دوسرا عالم و فقیہ ان کے زمانہ میں نہیں تھا فقہ میں جو ان کا مقام تھا وہ تو اپنی جگہ ہے، حدیث کے بارے میں بھی یہ سند تھے اور اس علم میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ لوگ ان کو حدیث کا۔ صیرفی یعنی کھرا کھوٹا جاننے والا کہا کرتے تھے۔

حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ کان ابراھیم صیرفی الحدیث، یعنی حضرت ابراہیم حدیث کے کھرے کھوٹے پہچاننے کے ماہر تھے۔

اسماعیل بن خالد سے روایت ہے کہ کوفہ کی مسجد میں امام شعبی، حضرت ابراہیم اور ابوالضحیٰ اکٹھا ہو کر حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے، جب کوئی مسئلہ پیش آتا اور اس بارے میں کوئی حدیث نہ ہوتی تو سب کی نگاہیں ابراہیم کی طرف اٹھتیں۔

ان کے حافظہ کا عالم یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی بات لکھی نہیں، اور فرماتے تھے کہ جب آدمی لکھنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کا بھروسہ اسی پر ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی کی تربیت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ خاص حضرت حماد نے بیس سال کا عرصہ گزارا تھا، اور انکی وفات کے بعد حضرت حماد ان کے جانشین ہوئے تھے۔

ابراہیم نخعی جہاں حدیث و فقہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے وہیں زہد و اتقاء اور عبادت میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا، حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں۔

کان رجلا صالحًا، فقیہا، متوقیا قلیل التکلف۔ یعنی حضرت ابراہیم نیک صالح، شبہات سے بچنے والے اور بہت کم تکلف والے تھے۔

حضرت ابراہیم جب نماز پڑھ کر لوٹتے تھے تو چہرہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مریض ہیں، کچھ دیر تک بالکل گم صم ساکت بیٹھے رہتے، گویا آخرت کا تصور چھایا رہتا اور اللہ کے حضور حضوری کا احساس ان کو خوف زدہ بنا دیتا۔

حضرت ابراہیم کی وفات کا وقت جب قریب ہوا تو آپ پر بہت زیادہ گھبراہٹ طاری ہوئی لوگوں نے ان سے کہا کہ آخر اس قدر پریشانی کیوں ہے، تو فرمایا جس خطرہ میں میں ہوں اس سے بڑھ کر کیا خطرہ ہو سکتا ہے، اللہ کی طرف سے فرشتہ آنے والا ہے، اب میرا ٹھکانہ یا جنت ہے یا جہنم، خدا کی قسم میری خواہش ہے کہ میری روح میرے حلق میں قیامت تک پھنسی رہے۔

حضرت ابراہیم کی بیوی ہنیدہ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک روز ناغہ دیکر روزہ رکھتے، حضرت ابراہیم کو اللہ نے بڑا باہیبت بنایا تھا اور انکی مجلس بڑی باوقار ہوتی تھی، عام طور پر لوگ انکی مجلس میں بہت باادب ہوکر حاضر ہوتے، حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابراہیم سے اتنا ہی خوف کھاتے تھے جیسے امیر اور حاکم سے کوئی خوف کھاتا ہے۔

پچاس سے ساٹھ سال کی عمر میں حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا، جب انکی وفات ہوئی تو امام شعبی فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے بعد اپنے جیسا آدمی نہیں چھوڑا۔

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی کے علوم کے حاملین میں حضرت ابراہیم کا نام بہت نمایاں ہے، حضرت ابراہیم نے یہ علوم اپنے استاذ حضرت علقمہ سے حاصل کیا تھا، اور حضرت ابراہیم سے حضرت حماد نے اور حضرت حماد سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے، فقہ حنفی کی بنیاد میں حضرت ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علوم کا بہت بڑا دخل ہے۔ ان کا سال وفات لوگوں نے ۹۶ھ لکھا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج۵ ص۲۱۱)

محمد ابوبکر غازی پوری

واقعات

خلیفہ مستنصر باللہ کی حق پسندی اور قبول نصیحت

مستنصر باللہ مشہور عباسی خلیفہ تھا، اس کے دربار میں منذر بن سعید بلوطی کا آنا جانا تھا، منذر بن سعید علم وفضل میں کمال کے ساتھ ساتھ عابد وزاہد اور منکر کی نکیر پر حد درجہ جری تھے جابر بادشاہوں اور امراء کے سامنے اظہار حق میں انکو ذرا بھی باک نہیں تھا۔

ایک دفعہ خلیفہ نے قرطبہ کے محل زہراء میں سونے چاندی کا ایک قبہ بنوایا تھا، جس میں اس کی مجلس ہوا کرتی تھی، امراء سلطنت آتے اور بادشاہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے اور بادشاہ ان کی تعریف سے خوش ہوتا، ایک روز منذر بن سعید بھی اس جگہ پہونچے تو بادشاہ ان سے پوچھا کہ بتلاؤ کہ مجھ سے پہلے کسی بادشاہ نے اس طرح کی عمارت بنوائی ہے؟ خلیفہ کے اس سوال پر منذر کے آنکھ سے آنسو جاری ہونے لگا اور انھوں نے خلیفہ سے کہا کہ جناب میرا خیال نہیں تھا کہ شیطان آپ پر اتنا مسلط ہو جائے گا اور آپ کو کافروں کی جگہ لا کھڑا کر دے گا، تو خلیفہ مستنصر نے ان سے پوچھا یہ کیسے؟ تو منذر بن سعید نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتھم سقفا من فضۃ۔[1]

خلیفہ نے منذر کی جب یہ نصیحت سنی تو دیر تک اپنا سر اس نے جھکایا اور پھر کہا اللہ تم کو میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے بہترین بدلہ دے، تم نے حق بات کہی، پھر مستنصر نے قبہ کو گرا دینے کا حکم دیا۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۷۴ ج ۱۶)

(۱) ترجمہ: یعنی اگر لوگ ایک ہی طرح کے نہ ہو جاتے تو البتہ ہم بنا دیتے کافروں کے گھروں کی چھتیں چاندی کی۔

متنبی شاعر کا ذوقِ علم اور اس کی قوتِ حفظ

متنبی عربی کا مشہور شاعر ہے، اس کا شعری دیوان مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے اور عربی ادب کی کتابوں میں اس کو امتیازی مقام حاصل ہے۔

اس کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ ایک کتاب والے کی دوکان پر گیا وہاں سے اصمعی جو نحو کا مشہور امام ہے اس کی کوئی کتاب نظر آگئی اور متنبی دوکان پر بیٹھ کر اس کا مطالعہ کرنے لگا اور دیر تک اس کا مطالعہ کرتا رہا، جب بہت دیر ہوگئی تو دوکاندار نے زچ ہوکر کہا کیا تم اس کو زبانی یاد کرنا چاہتے ہو؟ تو متنبی نے کہا اگر میں نے اسکو یاد کرلیا ہو تو؟ تو دوکاندار نے کہا کہ میں تم کو یہ کتاب ہدیہ کردوں گا، تو متنبی نے اسکو پوری کتاب زبانی سنادی، یہ کتاب تیس ورق میں تھی، دوکاندار اس کی قوت حفظ پر حیرت زدہ رہ گیا اور وہ کتاب اسکو دے دی۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۲۵۵ ج ۱۲)

مناظر کو مناظرانہ جواب

ابن الباقلانی کا نام ابوبکر محمد بن طیب تھا، اپنے وقت کے بہترین مناظر تھے۔ علم وفضل میں امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پلہ تھے۔

ان کے بارے میں ہے کہ ستر ہزار ورق انھوں نے اپنے قلم سے لکھا تھا، ان کا دستور یہ تھا کہ روزانہ رات میں بیس ترویحہ نماز نفل پڑھ کر پینتیس ورق اپنی کسی تصنیف کا لکھا کرتے تھے، ایک دفعہ انکے درمیان اور ابوبکر سعید ہارونی کے درمیان مجلس مناظرہ منعقد ہوئی، ابوبکر ہارونی بھی اپنے وقت کے مشہور عالم ومناظر تھے، جب باقلانی نے گفتگو شروع کی تو اپنی بات کو بہت زیادہ پھیلا کر بیان کیا، پھر شرکاء مجلس سے کہا اگر ہارونی میری ان باتوں کو دہرادیں تو میں انکی بڑائی تسلیم کرلونگا اور جیت انکی ہوگی، تو ہارونی نے شرکاء مجلس سے کہا کہ اگر باقلانی خود اپنی بات کو دہرادیں تو میں اپنی ہار مان جاؤنگا۔ اس پر باقلانی دم بخود رہ گئے اور ہارونی کا پلہ بھاری رہا۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۱۴۳ ج ۱۳)

محمد اجمل مفتاحی

از مولانا عبداللہ صاحب کاپودری

ذرا اسے بھی پڑھئے

تصویر کا ایک رُخ

عمانی نوجوان کا حیران کن جواب

ایک مرتبہ جماعت والوں کے ساتھ ہم اردن گئے، عید کا دن تھا، میں نے دیکھا کہ سینما ہال کے باہر نوجوانوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، ہم کوئی چیز خریدنے کیلئے جارہے تھے، میں ان کے پاس تھوڑی دیر کے لئے کھڑا ہوگیا، اور میں نے ان سے کہا کہ تم اپنا پیسہ سینما کے اندر ڈال رہے ہو اور یہ اسرائیل تمہارے سینہ پر بیٹھا ہوا ہے، وہ وقت ۱۹۶۸ء کا تھا، میں نے کہا کہ وہاں بمباری ہورہی ہے، تمہارے خیمے جلائے جارہے ہیں اور تم سینما کی لائن میں کھڑے ہوئے ہو؟ انھوں نے مجھے جواب دیا۔ الیوم یوم العید وامرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نفرح بیوم العید۔ آج تو عید کا دن ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم عید کے دن خوشی منائیں۔

یہ ہے مسلمان کی زندگی، مجھے اس وقت احساس ہوا کہ یہ قوم بربادی کے گڑھے پر کھڑی ہے اور پھر ہم نے وہ خیمے دیکھے جن میں بیچارے فلسطینی اپنے گھروں کو چھوڑ کر آرہے تھے، خیمے پھٹے ہوئے ہیں، کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، کھانے کا ٹھکانا نہیں اور یہ سینما میں لگے ہوئے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ

ایک اسرائیلی افسر کا واقعہ

عمان کے اندر ایک مسجد کا نام ہے مسجد محطہ، اس مسجد میں ایک فلسطینی نے مجھے یہ قصہ سنایا کہ اسرائیل کے اندر نوجوانوں کی فوجی بھرتی ہو رہی تھی تو ایک مالدار آدمی نے جس کا اکلوتا بیٹا تھا، متعلقہ افسر کے پاس جاکر کہا، میرا ایک ہی لڑکا ہے آپ اس کو معاف کر دیجئے اور ایسا سرٹیفکٹ دے دیجئے کہ اسے ملٹری میں نہ جانا پڑے، اور ساتھ ہی اس نے یہ پیشکش کی کہ اتنی بڑی رقم آپ کو دوں گا، اس پر اس افسر نے کہا کہ اچھا کل بچے کو بھی لائیے اور پیسے بھی لائیے میں ذرا اسے دیکھ لوں، وہ پیسے لے کر گیا اور جاکر اس کے ڈیسک پر رکھ دیے اور بچے کو بھی دکھایا کہ یہ میرا بچہ ہے اس کو ملٹری میں بھرتی سے معاف کر دیا جائے، اس افسر نے ریوالور نکالا اور وہیں اس کو شوٹ کر دیا اور کہا کہ اگر اسرائیل کا ایک طبقہ اپنے بچوں کو پیسے دیکر بچا لے گا تو ہماری حفاظت ان عربوں سے کیسے ہوگی۔

از صدائے حق جلد اول

ص ۶۳ کا بقیہ :-

لیکن عالم عرب میں ان کی فتنہ طرازیاں جاری ہیں۔ اور یہ وہ گناہ ہے جو اشد من القتل ہے اللہ تعالیٰ نے اس فرعونیت کی خبر لینے کیلئے آپ کو موسیٰ بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ زمزم کی مالی حالت کو بہتر بنائے، تاکہ آپ اطمینان سے احقاق حق کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ والسلام خیر اندیش

تاج الدین اشعر

محمد اجمل مفتاحی

طنز شیرازی

خمار سلفیت

شیخ جمن نے کہا کبھی کبھی ہمارے علماء بھی سچ بول دیتے ہیں

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا ۔

بیٹا ۔ اباجی کچھ آپ نے سنا شیخ جمن حفظہ اللہ نے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا ترک کردیا ہے، اور اب وہ حنفیوں کی طرح زیرناف ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں ۔

باپ ۔ جی بیٹا، میرے کان میں بھی یہ آواز پڑ چکی ہے، مشکل یہ ہے کہ ان کو اپنی طرف واپس لانا ممکن نہیں معلوم ہوتا، جب ان سے بات کرو تو وہ بھڑک جاتے ہیں اور ہمارے علماء کو ایک کا دس سناتے ہیں ۔

بیٹا ۔ تو اباجی، کیا انھوں نے حنفیت اختیار کرلی ہے، اور مذہب اہلحدیث کو ترک کردیا ہے

باپ ۔ بیٹا، نہیں وہ اتنے بے شرم نہیں ہیں کہ وہ سلفیت کو خیرآباد کہہ دیں، ابھی جمعہ جمعہ آٹھ ہی روز کی بات ہے کہ ان کے لڑکے کو ہماری جماعت نے چندہ کرکے سعودیہ بھیجا ہے، اور ان کی لڑکی کا دو ماہ قبل رشتہ کردیا ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی تو پھر انھوں نے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا کیوں چھوڑ دیا ہے ؟

باپ ۔ وہ کہتے ہیں کبھی کبھی ہمارے علماء بھی سچ بول دیتے ہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی ۔ اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، کبھی کبھی ہمارے علماء بھی سچ بول دیتے ہیں ۔

اس کا سینہ پر ہاتھ نہ باندھنے سے کیا تعلق ہے۔

باپ ۔ بیٹا ہے، اور بہت بڑا تعلق ہے، اصل میں ان کے پاس حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول کا محقق نیا ایڈیشن آگیا ہے، اور فتاوی ثنائیہ کی جلدیں بھی مل گئی ہیں انھیں کتابوں سے ان پر یہ راز کھلا ہے۔

دیکھو ہمارے حکیم صاحب نے اس کتاب میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی یہ حدیث ذکر کی ہے، حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھے۔

مگر حکیم صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ یہ حدیث انتہائی درجہ ضعیف ہے، مگر محقق ایڈیشن کے مؤلف نے بتلایا کہ:

یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ اس کی (سند میں) مؤمل بن اسماعیل سیئ الحفظ ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تعریب ۲/۲۹۰ میں کہا ہے، ابوزرعہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے، امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، ذہبی نے کہا کہ یہ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔ (میزان ۴/۲۲۸)

بیٹا یہ حدیث دوسرے طرق سے بھی ثابت ہے مگر محقق موصوف سب کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ دیکھو ص۲۲۸ و ص۲۲۹

اب شیخ جمن کا کہنا ہے کہ حکیم صادق نے صادق ہوتے ہوئے بھی ہمیں دھوکہ دیا تھا مگر ہمارا ایک عالم سچ بول گیا۔

بیٹا ۔ اباجی حکیم صادق صاحب نے اتنا بڑا فراڈ کیا، ضعیف حدیث کو ایسا بیان کیا کہ گویا وہ صحیح ہے، استغفراللہ۔

باپ ۔ اسی وجہ سے شیخ جمن حفظہ اللہ ہمارے علماء سے ناراض ہیں، اور انھوں نے اس مسئلہ میں حنفیہ وحنابلہ کی اتباع کی ہے، اور نماز میں اب وہ اپنا ہاتھ زیر ناف رکھتے ہیں۔

بیٹا۔ ابا جی، تو ہمارا یہ نعرہ کہ ہم اہلحدیث لوگ صرف صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں غلط اور نرا پروپیگنڈہ ہوا ؟

باپ۔ جی بیٹا، یہ ہمارا نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے، اور غلط پروپیگنڈہ۔

بیٹا۔ ابا جی، جب یہی واضح اور کھلی حقیقت ہے تو ہمیں اس پروپیگنڈہ پر شرم کیوں نہیں آتی۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

"ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہوتی ہے" اس کی حقیقت سے ایک غیر مقلد عالم نے پردہ اٹھایا

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ ابا جی میرے سر میں شدید درد اٹھ رہا ہے

باپ۔ ہوا کیا بیٹا ؟

بیٹا۔ ابا جی، بیچ بازار میں ہنڈیا پھوٹی، اور لڈو کی جگہ پتھر نکلا۔

ابا جی، اب تک ہم کو یہی سمجھایا گیا تھا کہ کتاب وسنت سے یہی ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہوتی ہے، یہی مذہب حق ہے، اور اسلاف کا اسی پر عمل رہا ہے، صحابہ کے دور میں اسی پر فتویٰ دیا جاتا تھا۔

باپ۔ بیٹا، یہ بات بالکل صحیح ہے، ہمارے علامہ بحرانی نے اپنی کتاب تنویر الآفاق میں اس مسئلہ کو دو اور دو چار کی طرح صاف کر دیا ہے، کسی حنفی نے آج تک اس کتاب کا جواب لکھنے کی ہمت نہیں کی۔

بیٹا۔ ابا جی علامہ بحرانی جائیں چولہے بھاڑ میں، ان کی کتاب شریفوں کے پڑھنے کے لائق ہی نہیں ہے، کوئی حنفی اس کا جواب کیا دے گا، اس وقت بات ہے ان سے بڑے

عالم بیہقی زماں علامہ دوراں مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی کی ہے۔

باپ۔ کیا ان کی تحقیق طلاق کے مسئلہ میں علامہ بحرانی کی تحقیق سے الگ ہے؟

بیٹا۔ اباجی، بیہقی وقت نے مسئلہ کی حقیقت سے پردہ اٹھایا، اب ہمارا دل ٹھنڈا ہوگیا، شیخ جمن اور شیخ کلو حفظہما اللہ بھی بہت خوش نظر آرہے ہیں۔

باپ۔ بیٹا تم لوگوں کی خوشی کی وجہ کیا ہے؟

بیٹا۔ اباجی، بات یہ ہے کہ ہم کو یہ غم ستا رہا تھا کہ طلاق کے مسئلہ میں سارے اہلسنت ایک طرف ہیں اور ہم اکیلے تنہا ایک طرف، ہماری وہ عورتیں جن کو ان کے شوہروں نے تین طلاق دی تھی اور پھر وہ ہمارے علماء کا فتویٰ حاصل کر کے اپنے شوہروں کے نکاح میں رہ رہی ہیں وہ تمام اہلسنت کے نزدیک حرام کاری میں مبتلا ہیں، شوہر زنا کر رہا ہے اور بیوی زنا کرا رہی ہے اور بچے حرام پیدا ہو رہے ہیں، شیعوں کے سوا اہلسنت کا کوئی امام ہمارے ساتھ نہیں ہے، ائمہ اربعہ اور تمام محدثین کے فتویٰ کے مطابق ہم حرام کام میں مبتلا ہیں، یہ غم ہمیں ستا رہا تھا، اب بیہقی زماں اور علامہ دوراں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیا کہ طلاق والا یہ مسئلہ جس پر ہم عمل کر رہے ہیں نہ صحابہ کے زمانہ کا ہے اور نہ تابعین کے زمانہ کا اور نہ محدثین اور فقہاء کے زمانہ کا، خیر القرون میں اس کا وجود تھا یہ سات سو برس بعد کا ابن تیمیہ کے دور کا ایجاد کردہ ہے اور ہم اس بارے میں کتاب وسنت کی نہیں ابن تیمیہ کی پیروی کرنے والے ہیں، اور انھیں کی تقلید میں ہم نے تین طلاق کو ایک ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

باپ۔ بیٹا یہ تم کیا کہہ رہے ہو، مولانا ابو سعید شرف الدین بھلا ایسا کیوں کہیں گے؟

بیٹا۔ اباجی، دیکھئے یہ فتاویٰ ثنائیہ ہے، اس کی جلد دوم کے صفحہ ۲۱۷ پر بیہقی زماں جناب لکھتے ہیں۔

محدثین کی طرف مجلس واحد میں تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں کلام ہے۔ یہ سخت مغالطہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے لیکر سات سو

سال تک سلف صالحین، صحابہ و تابعین و محدثین سے تو تین طلاق کا ایک مجلس میں
واحد شمار کرنا تو ثابت نہیں من ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرهان و دونہ خرط القتاد
(یعنی جو اس کا مدعی ہے وہ دلیل لائے اور وہ دلیل نہیں لا سکتا۔)
اور صفحہ ۲۱۹ پر لکھتے ہیں:
(تین طلاق ایک مجلس کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہے)
یہ مسلک صحابہ و تابعین تبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے یہ مسلک
سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے، جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند ہیں اور
ان کے معتقد ہیں، یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے اخیر یا آٹھویں میں دیا تھا،
اس وقت کے علماء نے انکی سخت مخالفت کی تھی۔

باپ۔ بیٹا۔ یہ مولانا ابوسعید شرف الدین معمولی اہلحدیث عالم نہیں ہیں، علامہ بحرانی تو ان کے
سامنے طفل مکتب سے بھی کمتر ہیں، مگر یہ بتلاؤ تم لوگوں کی خوشی کی وجہ کیا ہے؟

بیٹا۔ اباجی، اب ہمارے دلوں سے غم کا بادل چھٹا، اب ہم اپنی عورتوں کو زنا کاری کی لعنت
سے بچالیں گے، اور اپنا مسلک بھی اہلسنت کے مسلک کے مطابق بنائیں گے۔
شیخ کلو اور شیخ حسن حفظہما اللہ کل اسی سلسلہ میں ایک بیٹھک کرنے والے ہیں۔

باپ۔ بیٹا بیہقی زماں اور علامہ دوراں نے تو تمام علماء اہلحدیث کو چیلنج بھی کر دیا ہے دیکھئے
ان کا کیا ردعمل سامنے آتا ہے۔

بیٹا۔ اباجی آج جی خوش ہو گیا کہ ہمارے علماء کبھی کبھی سچ بھی بول دیتے ہیں۔

باپ۔ جی بیٹا، ایسا واقعہ بھی گاہے گاہے پیش آجاتا ہے۔

بیٹا۔ اباجی مگر سوال یہ ہے کہ ہمارے علماء کبھی کبھی ہی کیوں سچ بولتے ہیں، ہمیشہ کیوں نہیں
سچ بولتے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

حلالہ[1] پر صوفی شاہ ببل کی تقریر اور شیخ جمن کا زبردست احتجاج

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی صوفی شاہ ببل کو جو تقریر علامہ بحرانی نے رٹوائی تھی اس پر شیخ جمن حفظہ اللہ نے زبردست احتجاج کیا اور ان کی تقریر ادھوری رہ گئی۔

باپ۔ بیٹا وہ تقریر تو بڑی زوردار تھی، جب وہ اپنی چھت پر رٹ رہے تھے تو میں نے خود سنا تھا حوالوں سے بھر پور تھی۔

بیٹا۔ اباجی مگر شیخ جمن حفظہ اللہ تو گرج رہے تھے کہ جو حلالہ کے خلاف زبان ہلاتا ہے وہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کا منکر ہے، حلالہ کا حکم قرآن اور صحیح حدیث میں ہے۔

باپ۔ بیٹا یہ تو ہمارے مذہب پر زبردست حملہ ہے اور شیخ جمن حفظہ اللہ نے اگر یہ عمل کیا ہے تو انھوں نے بہت برا کیا، اسی مسئلہ کو لیکر تو ہم نے کتنے حنفی نوجوانوں کو سلفی بنادیا ہے۔

بیٹا۔ اباجی، شیخ جمن حفظہ اللہ کو ان تمام حقائق کا علم ہے مگر وہ اس تقریر سے سخت برہم تھے، اور صوفی شاہ ببل دم بخود تھے ان کی بات کا کوئی جواب انکے پاس نہیں تھا۔

باپ۔ شیخ جمن حفظہ اللہ کا کہنا کیا تھا۔

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن کہہ رہے تھے کہ حلالہ کا صریح حکم کتاب اللہ میں ہے، قرآن کے دوسرے پارہ میں ہے۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره۔

---

(۱) حلالہ ایک شرعی وفقہی اصطلاح ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیا اور اس مطلقہ نے کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرلیا پھر اس دوسرے نے بھی اسکو طلاق دیدیا، تو اب اگر پہلا شوہر اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسی وقت اس سے نکاح کرسکتا ہے جبکہ دوسرے شوہر نے اس عورت سے صحبت صحیحہ کیا ہو۔

—یعنی اگر کسی نے بیوی کو تین طلاق دے دیا تو وہ شوہر کے لئے حلال اسی وقت ہوگی جب اس نے کسی اور سے نکاح کر لیا ہو۔

اور یہاں نکاح سے صرف عقد نکاح مراد نہیں ہے بلکہ نکاح کے بعد دوسرے سے صحبت صحیحہ بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے، بخاری شریف جلد ثانی صفحہ ۱۰۷ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیا تو اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، اس دوسرے نے بھی اس کو طلاق دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہے (یعنی وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے) تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے لطف اندوز نہ ہولے۔

شیخ جمن حفظہ اللہ کا کہنا تھا کہ اب جو حلالہ کو حرام بتلائے وہ کتاب وسنت کا منکر ہے۔

باپ۔ بیٹا شیخ جمن کی بات تو بڑی وزنی ہے، مگر حدیث میں یہ بھی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت کرتا ہے، اس کا جواب شیخ جمن کے پاس کیا ہوگا۔

بیٹا۔ اباجی، شیخ کلو حفظہ اللہ نے یہ بات اٹھائی تھی تو شیخ جمن حفظہ اللہ کا انداز اور تیکھا ہو گیا، وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے علماء ہمیشہ عوام کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں حضور نے تو اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو اس ارادہ سے شادی کرے، بلکہ مطلق حلالہ کو شریعت نے حرام کیا ہے، اور جس شخص کا مقصد شادی سے یہی ہو اس کا یہ فعل تو سب کے نزدیک گناہ اور باعث لعنت ہے، احناف کی کتابوں میں صاف صاف اس کی تصریح ہے۔

باپ۔ بیٹا یہ بات تو ہے، خود ہدایہ میں حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے کو حرام لکھا ہے۔

بیٹا۔ اباجی ہمارے علماء دلوں سے خدا کا خوف اور شریعت کا احترام اور کتاب وسنت

سا اکرام بالکل نکل گیا ہے، وہ قرآن وحدیث کی غلط تشریح کر کے کتاب وسنت سے
جائز مسئلہ کو ناجائز بتلاتے ہیں، اور فقہ حنفی کی کتابوں کی صحیح بات بیان نہیں کرتے۔
یا وہ فقہ حنفی اور کتاب وسنت کی صحیح سمجھ ہی سے محروم ہیں؟
باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

امام بخاری کا مایہ ناز حدیثی سرمایہ اور شاگردانِ امام ابوحنیفہ

بیٹا۔ اباجی
باپ۔ جی بیٹا
بیٹا۔ آپ نے معلوم کر لیا،
باپ۔ کون سی بات بیٹا؟
بیٹا۔ وہی جو شیخ جی حفظہ اللہ آپ سے پوچھ رہے تھے کہ بخاری شریف میں امام بخاری کا مایہ ناز حدیثی سرمایہ کیا ہے، تو آپ نے کہا تھا کہ مجھے معلوم نہیں، شیخ کلو حفظہ اللہ سے پوچھ کر بتلاؤں گا؟
باپ۔ جی ہاں بیٹا، کل میں ان کے گھر گیا تھا، ان سے میں نے یہ بات پوچھی تو پہلے تو وہ کچھ دیر بیٹھے سوچتے رہے، پھر بڑی دبی زبان سے فرمایا کہ وہ سرمایہ ان کی ثلاثیات ہیں [1] یعنی وہ احادیث جن میں امام بخاری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہیں۔
بیٹا۔ یہ احادیث امام بخاری کا قابل فخر سرمایہ کیوں کہلاتی ہیں؟
باپ۔ بیٹا، محدثین کے نزدیک علو سند کی بڑی اہمیت ہے یعنی جو حدیث جتنے کم واسطہ سے حضور تک پہونچتی ہے اس کی قیمت اتنی ہی اونچی ہوتی ہے، صحاح ستہ کے

---

(۱) ثلاثیات ان احادیث کو کہا جاتا ہے کہ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہوں۔

مصنفین میں سے تین واسطوں والی (یعنی ثلاثیات) حدیث سب سے زیادہ بخاری شریف میں ہیں، یعنی ۲۱ احادیث بخاری شریف میں ایسی ہیں

بیٹا - اباجی تو شیخ جن حفظہ اللہ کو اس کا اظہار کرنے میں تردد کیوں ہو رہا تھا، یہ تو امام بخاری کی تعریف تھی۔

باپ - بیٹا وہ بات ذرا گہری ہے، بات یہ ہے کہ امام بخاری کا جو یہ قابلِ فخر سرمایہ ہے جس کی کل تعداد اکیس ہے اس میں سے پندرہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے امام بخاری کو ملی ہیں، مکی بن ابراہیم امام ابوحنیفہ کے خاص شاگرد ہیں صرف ان سے امام بخاری کو گیارہ ثلاثیات حاصل ہوئی ہیں، اور ابوعاصم النبیل بھی امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمہما اللہ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں ان سے امام بخاری کو پانچ ثلاثیات ملی ہیں، اس طرح اکیس ثلاثیات میں سے سولہ صرف امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے واسطہ سے ہیں، بقیہ پانچ دوسرے محدثین کے واسطے سے ہیں، تو شیخ جن حفظہ اللہ گھبرا رہے تھے کہ کہیں میں ان ثلاثیات کی ان سے تفصیل نہ پوچھ دوں، وہ اس تفصیل کو چھپانا چاہتے تھے۔

بیٹا - تو اباجی آپ کو یہ تفصیل کہاں سے معلوم ہوئیں۔

باپ - بیٹا یہ تفصیل مجھے دیوبند کے ایک مولوی نے بتلائی تھی - اس نے بتلایا کہ بخاری شریف میں ان ثلاثیات کو حاشیہ پر نشان لگا کر واضح کر دیا گیا ہے جس کا جی چاہے دیکھ سکتا ہے۔

بیٹا - اباجی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاری پر شاگردانِ امام اعظم کا زبردست احسان ہے۔

باپ - جی بیٹا، مگر ہمارے علماء یہی کہتے ہیں کہ احناف کو حدیث سے واسطہ نہیں ہوتا،

بیٹا - اباجی، ہمارے علماء کو آفتاب پر دھول ڈالنے میں کیوں مزہ آتا ہے۔

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

ایک خط

بنام مدیر زمزم

مکتبہ اثریہ سے شائع ہونے والے رسالہ "کیا ابن تیمیہ اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟" کے بارے میں مشہور صحافی و ادیب جناب اشعر رام نگری کا اظہار تاثر ——— (ادارہ)

باسمہ تعالیٰ

تاج الدین اشعر
رام نگر وارانسی

مولانائے محترم سلام ورحمۃ

زمزم کا تازہ شمارہ کتاب کی شکل میں ہمدست ہوا۔ ایک ہی سانس میں پڑھ کر ختم کر دیا۔ بڑی معلومات آفریں اور چشم کشا کتاب ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کے مقام اور مرتبہ کی دھاک ساری دنیا پر بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے تذکرہ اور ان کی کتاب دعوت وعزیمت میں امام موصوف کی جو شان دیکھی ہے اس کا رعب اور اثر دل پر طاری ہے آپنے انکی عظمت و تبحر کے بخئے ادھیڑ دیئے ہیں، موجودہ غیر مقلد طبقہ کی ناروا روش اور دریدہ دہنی کا جواب دینے کیلئے یا انکو لاجواب کرنے کیلئے آپ کی حجتیں برحق ہیں، لیکن یہ جان کر امام موصوف کی قدر میں کچھ اضافہ بھی ہوا ہے کہ انھوں نے ان حقائق کو یوں کا توں تسلیم کیا ہے جو اکابر دیوبند کے مسلک حق کا جزء ہے، ویسے کہیں نہ کہیں تو امت کے ہر عظیم فرد کے قدم ڈگمگائے ہیں۔ یہ میرا اپنا تاثر ہے۔ آپ نے مجادلہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا ہے ٹھیک لکھا ہے، ایک قابل قدر کتاب وجود میں آگئی، جس میں مزید وسعت کی گنجائش تھی، کیونکہ آپ نے اس سلسلے میں ان کی تمام کتابوں کو ابھی نہیں کھنگالا ہے۔ محدث بنارس اور غالباً ترجمان تو ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔

بقیہ ص۶۵ پر

محمد اجمل مفتاحی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے

قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے (یعنی حق و باطل میں جدائی پیدا کرنے والا) جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں ہے بلکہ کہیں جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے، جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل (جوڑنے) کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل (توڑنے) کا حکم ہے۔

پس یہ سخت غلطی ہے جس میں لوگ آجکل مبتلا ہیں کہ جہاں دو جماعتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں دونوں کو مورد ملامت بنانے لگتے ہیں، کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ آپس میں اختلاف کرتے ہو اور دونوں کو باہم اتفاق پر مجبور کرتے ہیں، جس کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہے کہ دیندار کو دین چھوڑ کر بددین ہوجانا چاہئے اور صاحب حق، حق چھوڑ کر باطل طریقہ اختیار کرلے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے بلکہ مقتضائے عقل یہ ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون، جب حق متعین ہوجائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کا ساتھ دیا جائے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے، قرآن میں اس پر ایک جگہ نص ہے۔ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ (یعنی اس جماعت سے قتال کرو جو آمادہ بغاوت ہے تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

(از اشرف التفاسیر)

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونے والا دوماہی دینی و علمی مجلہ

ربیع الاول، ربیع الثانی
سنہ ۱۴۲۹ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر
محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ —— ۷۰/ روپے

پاکستان کیلئے
پاکستانی ایک سو پچاس روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ
غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ 233001

موبائیل نمبر: 9453497685

محمد اجمل مفتاحی مئو ناتھ بھنجن یوپی انڈیا

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

قصہ حضرت یونس کا

زمزم کے قارئین نے زمزم کے گزشتہ شمارے میں حضرت مولانا یونس صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے متعلق میرا ایک سخت اداریہ پڑھا ہوگا۔ یہاں بہت صفائی سے عرض کردوں کہ گجرات کے کفلیتہ مدرسہ کے جلسہ میں حضرت شیخ نے میرے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کا میرے اوپر قطعاً کوئی اثر نہ پہلے تھا نہ اب ہے، نہ اداریہ کسی انتقامی جذبہ سے لکھا گیا تھا، ابوبکر غازی پوری دسیوں سال سے غیر مقلدین سے پنجہ آزمائی کر رہا ہے، اور اس نے اس طویل مدت میں اپنے غیر مقلدین کرم فرماؤں سے نظم ونثر میں اتنا کچھ سن لیا ہے کہ اب اس کی ذات پر کسی کا بھی لعن وطعن اس کو متاثر نہیں کرتا، اس سخت وتند اداریہ لکھنے کی جو چیز محرک بنی تھی، وہ حضرت شیخ کا کفلیتہ کی ایک مجلس میں بلا کسی تقریب کا ایک بزرگ کا قصہ سناتے ہوئے یہ جملہ تھا، کہ وہ "اتنے بڑے بزرگ تھے کہ ابوحنیفہ بھی انکی مجلس میں آتے تو وہ انکو بھی پشش کر دیتے" یعنی دھکا مار کر نکال دیتے، حضرت شیخ کے بارے میں بتواتر یہ بات کانوں میں پہونچ رہی تھی کہ وہ اپنے درس میں فقہ حنفی کا رد کرتے ہیں اور امام اعظم کی شان میں نامناسب کلمات کا استعمال کرتے ہیں، اب جب کہ میں نے اپنے کانوں سے بھی حضرت کا امام اعظم کے بارے میں یہ ناشائستہ جملہ سنا تو یہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا، میں تو اس وقت اس مجلس سے اٹھ کر چلا آیا، پھر صبح کے جلسہ میں جو کچھ حضرت شیخ نے فرمایا اس کے اعادہ

کی ضرورت نہیں ہے، گزشتہ زمزم کے شمارہ میں اس کا تذکرہ ہوچکا ہے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا یونس صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور انھوں نے بذریعہ فون یہ اطلاع دی کہ جب سے انھوں نے میرا اداریہ پڑھا ہے وہ اللہ کے حضور رو رہے ہیں گڑگڑا رہے ہیں اور توبہ و استغفار کر رہے ہیں، اور حضرت نے اپنی وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے بھی معافی مانگ کر مجھے بے انتہا شرمندہ کیا۔ حضرت نے اپنی فونی گفتگو پر صاف صاف عرض کیا کہ ان کے دل میں حضرت امام اعظم سے کوئی بدگمانی نہیں ہے، البتہ کبھی کبھی تفریحاً کچھ جملے امام اعظم کے بارے میں تنشیط طبائع تلامیذ کے لئے وہ کہہ دیا کرتے ہیں، البتہ مسائل فقہ حنفیہ کے رد و ابطال کے بارے میں حضرت نے کوئی صاف بات نہیں کہی کہ اس بارے میں ان کا رویہ وہی رہے گا جو سابق میں رہ چکا ہے یا اس کے بارے میں حضرت کچھ سوچیں گے، فیصلہ تو حضرت کو کرنا ہے کہ وہ کریں گے کیا مگر ازراہ اخلاص ان سے ایک بات میں عرض کر دوں گا کہ حضرت جس مسند حدیث پر آپ کو سہارنپور کی درسگاہ میں بٹھلایا گیا ہے، وہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی جگہ ہے، وہ صاحب بذل المجہود حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کی جگہ ہے، یہ حضرات اکابر فقہ حنفی کے ترجمان تھے، اور امام اعظم کو اپنا مقتدیٰ اور اپنا امام مانتے تھے اور فقہ میں انہیں کے مقلد تھے، اگر کسی وجہ سے مسائل فقہیہ میں آپ کی تحقیقات ان اکابر کی تحقیقات سے الگ ہوگئی ہیں اور آپ مسلکاً فقہ حنفی سے توبہ کر چکے ہیں جیسا کہ بعض حضرات سے معلوم ہوا ہے تو پھر آپ کی دیانت کا تقاضا ہے کہ ذمہ داران مدرسہ کو آپ اس کی اطلاع دے دیں کہ میرا فقہی مسلک اب تبدیل ہوچکا ہے اگر آپ چاہیں تو مجھے میری جگہ پر باقی رکھیں اور چاہیں تو دوسرا کوئی انتظام کرلیں، اگر آپ کی اطلاع کے بعد بھی ذمہ داران مدرسہ آپ کو اس جگہ پر باقی رکھتے ہیں تو آپ عنداللہ بری ہیں، اور آپ کو پورا حق ہے کہ اپنی جدید فقہی تحقیقات کو اپنے درس میں بیان کریں، آپ کی امانت داری اور دیانت داری کا یہی تقاضا ہے، پھر آپ ہر الزام سے بری ہوں گے اور آپ کے درس میں آپ کی درسی تقریروں سے جو طلبہ کا ذہن بدل رہا ہے اس کی ساری ذمہ داری مدرسہ

مظاہر العلوم کے ذمہ داروں پر ہوگی ۔

بہرحال مولانا یونس صاحب نے اپنی کوتاہی کا اعتراف کرکے جس دریا دلی کا ثبوت دیا ہے وہ بڑی بات ہے اور بڑے ہی لوگوں سے وہ صادر ہوتی ہے ، اور اب مجھے بھی واقعی شرمندگی اور ندامت ہورہی ہے کہ میں نے حضرت مولانا یونس صاحب شیخ الحدیث کے بارے میں اپنے مضمون میں سخت جملے استعمال کئے ہیں ، وہ بالکل غیر مناسب اور نامعقول تھے ، اور شدت جذبات میں صادر ہوئے تھے ، امید ہے کہ مولانا ان سے صرف نظر فرماکر مجھے بھی معاف فرمائیں گے ۔

رہا اہل گجرات کے بارے میں آپ کے سخت جملوں کے استعمال کا یعنی گجراتی بڑے خبیث ہوتے ہیں ، گجراتی احمق ہوتے ہیں ، گجراتی بیوقوف قوم ہے ، گجراتی بڑے بخیل ہوتے ہیں ، تو ان جملوں کا استعمال افتتاح درس بخاری شریف کی مبارک تقریب کے موقع پر اس قوم کے بارے میں جس کے آپ مہمان تھے میری سمجھ سے بالکل باہر تھا ، خصوصًا جب کہ یہ جملے بلا استثنا زمان و مکان وشخصیات تھے ، یعنی تمام اہل گجرات اور پوری گجراتی قوم کے لئے آپ ان کا استعمال کر رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ گجرات کے اکابر علما ، جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان کو سخت تکدر ہو رہا تھا ، اسی بنا پر میں نے اپنے اداریہ میں اس ناگواری کا اظہار کیا تھا ، اور آپ کے بارے میں میرے قلم سے کچھ سخت جملے نکل گئے تھے ، مگر اب میں اپنے ان تمام جملوں کو واپس لیتا ہوں اور ہمارے ان جملوں سے آپ کو جو تکلیف پہونچی ہے تو آپ مجھے معاف فرمادیں ، یہ اسلئے عرض کر رہا ہوں کہ آپ کے شاگردوں کے ذریعہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ اہل گجرات کے حق میں ان جملوں کا استعمال بطور محبت کرتے ہیں ، اور ان جملوں کے استعمال سے اہل گجرات خوش ہوتے ہیں اور اس کو اہل گجرات سے آپ کے خصوصی تعلق کا مظہر جانتے ہیں ، جب میرے علم میں یہ بات آگئی ہے تو اب مجھے اہل گجرات کے حق میں ان جملوں کے استعمال پر ذرا بھی تعجب نہیں ہے ، اور نہ مجھے اس پر اب کوئی اعتراض ہے ، جب اہل گجرات ہی اس سے خوش ہیں تو پھر کسی کو کیا اعتراض ، بلکہ ایک صاحب تو آپ کے ان جملوں کے استعمال پر باقاعدہ قرآن شریف سے استدلال بھی کیا ، انھوں نے مجھ سے فون پر فرمایا کہ کیا آپ نے قرآن میں

سورہ عبس وتولیٰ نہیں پڑھی ہے، اور ان کے اس لطیف قرآنی استدلال پر مجھے عمار سلفیت والے شیخ جمن حفظہ اللہ یاد آگئے۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا ہری ہری گھانس چرا کرو، شاگردوں نے پوچھا حضرت کیوں ؟ تو فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں ہے کہ حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند تھا۔

یہی ماہر قرآنیات صاحب جو فون پر تڑپ کر اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے، میں نے جب ان سے کہا کہ حضرت آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں، مولانا یونس صاحب نے حضرت امام اعظم کے بارے میں جو فرمایا تھا اس سے توبہ کرلی ہے تو انھوں نے بڑی گرجدار آواز میں فرمایا، امام ابوحنیفہ کی ذات ایسی نہیں ہے کہ ان کے بارے میں کچھ کہا جائے تو اس سے توبہ کی جائے، میں آپ سے آکر اس بارے میں گفتگو کر سکتا ہوں، تو میں نے جلدی سے فون بند کر دیا اور کانپ کر رہ گیا کہ

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

بہرحال حضرت مولانا یونس صاحب سے معاملہ صاف ہو چکا ہے، اب ذمہ داری ذمہ داران مدرسہ مظاہر العلوم اور وہاں کی انتظامیہ اور ارکین شوریٰ کی ہے کہ مظاہر العلوم جو اکابر کی یادگار دارالعلوم دیوبند کے بعد دوسری دینی وعلمی درسگاہ ہے اس کی مسند شیخت سے امام اعظم اور فقہ حنفی کے خلاف خشت زنی کو برداشت کرتے رہیں گے یا اس کا کچھ مداویٰ بھی ان کے پاس ہے، فیصلہ اب ان کو کرنا ہے۔

ایک قابل تحسین اقدام

اور

قارئین زمزم سے گذارش

قارئین زمزم کو یہ معلوم ہے کہ ادارہ زمزم کے پاس مالی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں زمزم تنہا توفیق خداوندی کے بعد مدیر زمزم کی کاوش کوشش اور جذبہ خدمت دین حق ودفاع عن السلف واحقاق مذہب اہلسنت خاطر راہ کی ہر مشکلات کو نظرانداز کرتے ہوئے مسلسل دس سال سے بلا ناغہ و بلا انقطاع نکل رہا ہے، اس مدت دراز میں کئی دفعہ ایسا محسوس ہوا کہ اہل حق کا یہ سفینہ شاید اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے لیکن خدا تعالیٰ نے غیب سے دستگیری فرمائی اور سفر جاری رہا، ایک دفعہ زمزم تقریباً پچاس ساٹھ ہزار روپے کے قرض میں دب گیا، اس کی اطلاع جب میرے بعض عزیز شاگردوں کو ہوئی تو انھوں نے ایک بڑی رقم دیکر زمزم کو اس بوجھ سے نکالا۔

اب صورت پھر کچھ ایسی ہی ہو رہی ہے، پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے ادارہ کی کئی اہم کتابیں شائع نہیں ہو پا رہی ہیں، مسائل غیر مقلدین، سبیل الرسول پر ایک نظر، آئینہ غیر مقلدیت، مقام صحابہ کتاب وسنت اور تاریخ کی روشنی میں اور مولانا مودودی، بریلوی مذہب پر ایک نظر، محدثین کی قوت حفظ، تاریخ کی روشنی میں، ان کتابوں کے مصنف کے پاس بھی نسخے نہیں ہیں، احباب کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان کتابوں کو شائع کرو، مگر ادارہ کی مالی حالت نے ہمیں مجبور کر رکھا ہے۔ زمزم کے خریداروں کا چندہ ایک سال آتا ہے تو دو سال اس کا پتہ ہی نہیں چلتا، مجبوراً کئی سو خریداروں کا نام رجسٹر سے کاٹ دینا پڑا۔

ادارہ کی مالی حالت کا جب ہمارے کرم فرما اور دوست دیوبند کے فاضل اور عالم ڈاکٹر منظور احمد صاحب قاسمی بھیونڈی کو پتہ چلا تو ازراہ کرم ادارہ کی مساعدت کیلئے خود زمزم کے خریداروں کی تعداد بڑھانے کی طرف توجہ فرمائی اور تقریباً ۲۵ خریدار وہ بنا چکے ہیں، اگر یہ جذبۂ خیر دوسروں میں بھی پیدا ہوجائے تو زمزم کی گاڑی چلتی رہے اور اس کا سفر جاری رہے۔

اگر کوئی صاحب ادارہ زمزم کی کتابوں کو اپنی طرف شائع کرنا چاہیں، تو ادارہ اس کے لئے بھی تیار ہے، کسی بھی کتاب کے ایک ہزار نسخے پر ادارہ کو صرف ڈھائی سو نسخے دیدیں بقیہ ساڑھے سات سو نسخے ان کا ہوگا، وہ چاہے مفت تقسیم کریں چاہے فروخت کریں۔ ادارہ زمزم کو اس پر کچھ اعتراض نہ ہوگا، البتہ شرط یہ ہے کہ وہ کتاب ادارہ اپنی نگرانی میں طبع کرائے گا۔

امید ہے کہ قارئین زمزم میں ایسے اہل خیر ہوں گے جو اس کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ عام قارئین کرام سے زمزم کی اشاعت بڑھانے کی طرف توجہ کرنے کی درخواست ہے، ڈاکٹر منظور احمد صاحب کا قابلِ تحسین اقدام انکے لئے نقش راہ ہے۔

فقط

مدیر زمزم

محمد ابوبکر غازیپوری

محمد اجمل مفتاحی

ایک عالم ربانی کا حادثہ وفات

میں اپنے رب کریم کا کس زبان سے شکر ادا کروں اور وہ زبان کہاں سے لاؤں وہ قلم کہاں سے مجھے ملے کہ میرے رب کریم کی مجھ پر جو بے انتہا بندہ نوازیاں ہیں اس کا کچھ بھی ذکر کر سکوں، اللہ نے اس ظلوم و جہول کو کیسی کیسی نعمتوں اور کیسی کیسی سعادتوں سے نوازا، میں سوچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں، ایک بندہ ناہنجار، معاصی اور معائب سے پُر جس کا دامن گناہوں اور سیأات کے چھینٹوں سے آلودہ، اس کے باوجود اس بندہ حقیر و ذلیل پر اللہ کی رحمتوں اور اس کی نوازشوں کی مسلسل بارش۔

اللہ کی ان بے شمار نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت اللہ کے نیک و صالحین بندوں کی زیارت انکی صحبت اور انکی دعاؤں کا حاصل ہونا ہے۔

سال گزشتہ جو میرا پاکستان کا سفر ہوا تھا، تو مجھے ایک ولی کامل اور عالم ربانی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، یہ حضرت مولانا سید امین شاہ تھے، جو پاکستان میں حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے قدیم شاگرد تھے، دارالعلوم سے ان کا سن فراغت ۱۳۳۷ھ ہجری تھا۔

حضرت شاہ جی کا گزشتہ ۱۳ر شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۷ر اکتوبر ۲۰۰۷ء کو انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے بارے میں پاکستان کے اہل علم کی گواہی ہے کہ وہ قطب وقت تھے، صلحاء و علماء کے مخدوم تھے، جن کے پاکستان میں سیکڑوں تلامذہ ہزاروں مستفیدین

اور لاکھوں کی تعداد میں عقیدت مند تھے۔

میں اپنے میزبان مولانا محمد الیاس صاحب گھمن اور ان کے مدرسہ کے استاد مولانا محمود اکاڑوی کے ساتھ لودھراں جارہا تھا کہ مولانا محمد الیاس نے کہا کہ راستہ میں ایک جگہ مخدوم پور پڑتی ہے، وہاں ایک بزرگ سید امین شاہ صاحب ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے ہیں اور حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید ہیں، سو سے زاید ان کی عمر ہے، پاکستان میں ان کا وجود باعث برکت سمجھا جاتا ہے، عقیدہ و مسلک کے بارے میں حضرت مدنی کی یادگار ہیں، اس طرف سے جب اہل علم اور اہل دین گزرتے ہیں تو شاہ صاحب سے ملاقات کو اپنی بڑی سعادت سمجھتے ہیں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان سے ملتے ہوئے ہم لودھراں چلیں، میں نے ان سے کہا کہ یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہوگی، غالباً مولانا محمد الیاس صاحب اور مولانا محمود نے حضرت شاہ صاحب کو پہلے سے اطلاع کردی ہوگی اور بتلایا ہوگا کہ ہم دوپہر تک مخدوم پور حضرت کی خدمت میں پہونچیں گے، لیکن راستہ میں مختلف پروگرام سے نمٹتے نمٹاتے مغرب بعد کا وقت ہوگیا، جب ہم مخدوم پور پہونچے تو مغرب کی نماز ہوچکی تھی، ان کے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد معاویہ بڑی بے چینی سے ہم سب کا انتظار کر رہے تھے، جب ہم حضرت کے مکان کے قریب کی مسجد میں پہونچے تو مولانا معاویہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ لوگوں کا دوپہر سے انتظار کر رہے ہیں، اور بار بار آپ لوگوں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، دوپہر کا کھانا بھی حضرت نے آپ لوگوں کے لئے تیار کیا تھا اور مجھے بطور خاص حکم دیا تھا کہ ہندوستان سے فلاں صاحب آرہے ہیں ان کی ضیافت میں تم اپنے ہاتھ سے ایک بکرا ذبح کرو، پھر مولانا معاویہ نے فرمایا کہ کھانا تیار ہے پہلے آپ حضرات کھانا کھالیں، پھر حضرت سے ملاقات کریں، چنانچہ ہم لوگوں نے پہلے کھانے سے فراغت کی، کھانا کیا تھا پورا دسترخوان انواع و اقسام سے سجا تھا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مولانا معاویہ نے فرمایا کہ اب آپ لوگ حضرت سے مل لیں، جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ایک معمولی سی چارپائی پر نحیف جسم وجثہ کے ایک بزرگ آنکھ کی بینائی سے محروم تشریف فرما ہیں، ہم لوگوں نے ان سے سلام و مصافحہ کیا تو حضرت

نہایت پاٹ دار آواز میں گویا ہوئے کہ میں آپ لوگوں کا بارہ بجے سے انتظار کر رہا ہوں، آپ لوگ فوراً یہاں سے جائیے اور اپنا دوسرا پروگرام دیکھئے ان لوگوں کو بھی انتظار کی تکلیف ہو رہی ہوگی، فوراً جائیے اور پروگرام میں شرکت کیجئے اور ہم لوگوں کو اپنے پاس پانچ منٹ بھی بیٹھنے نہیں دیا، کھڑے کھڑے ہم لوگ واپس آنے لگے تو حضرت نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ذرا میری جیب دیکھو اس میں کچھ ہے تو خادم نے ایک جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے پانچ سو کا نوٹ نکلا تو فرمایا اس کو مولانا کو دو، پھر کہا کہ اور دیکھو اور کچھ ہے تو دوسرے جیب سے سو کا نوٹ نکلا تو فرمایا اسکو مولانا الیاس گھمن کو دو، پھر فرمایا اور دیکھو کچھ اور ہے تو ایک پچاس کا نوٹ نکلا تو کہا اس کو مولانا محمود کو دو، پھر فرمایا اچھا آپ لوگ جائیے جلدی جائیے دوسرے پروگرام والے آپ لوگوں کی انتظار میں پریشان ہو رہے ہوں گے، حضرت کی اس ادا ہی نے ہمیں ان کا گرویدہ بنالیا، اللہ اکبر اللہ والے ایسے ہوتے ہیں کہ دوسروں کی پریشانی ان سے برداشت نہیں ہوتی ہے، جب ہم لوگ گاڑی پر سوار ہونے لگے تو حضرت کے صاحبزادے مولانا معاویہ پلاسٹک کے کور میں دبا ہوا ایک کاغذ لے کر آئے اور کہا کہ حضرت نے صبح ہی سے اس کو آپ کے لئے تیار کر کے رکھا تھا، مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو دے دوں، میں نے اس کو دیکھا تو وہ حضرت کی طرف سے حدیث کا اجازت نامہ تھا حضرت سے پہلے سے میری کوئی دید و شنید نہیں تھی مگر بزرگوں کی باتوں کا ہم لوگ اندازہ نہیں کر سکتے، جی چاہتا ہے کہ حضرت کی طرف سے عطا کردہ اس عنایت نامہ کو یہاں نقل کر دوں، وہ اجازت نامہ یہ ہے :

۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

شہادت اجازت حدیث و سند خلعت خلافت سلسلہ عالیہ مدنیہ

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ الذین اوفوا عہدہ۔ اما بعد۔
بندہ مسکین حزیں سید محمد امین بن سید خلیل الرحمٰن مرحوم ساکن مخدوم پور پہوڑاں ضلع خانیوال پنجاب پاکستان تحریری طور پر عرض گزار ہے کہ اپنے

معزز مہمان فاضل صالح پاسبان مسلک حق وکیل اہل حق علماء دیوبند حبی الکریم مولانا محمد ابوبکر غازی پوری انڈیا حفظہ ربہ کو اپنے شیخ امیر المومنین فی الحدیث مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی طرف سے اجازت حدیث پاک کے تمام واسطوں میں اجازت حدیث دیتے ہوئے اپنے مرشد و مربی شیخ العرب والعجم مولانا السید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی روحانی امانت جو بواسطہ شیخ کامل کے خلیفہ اعظم مولانا سید پیر خورشید احمد ہمدانی رحمہ اللہ تعالیٰ ساکن قصبہ عبدالحکیم حال خانیوال سابق ملتان بندہ کے پاس ہے، بندہ سلسلہ عالیہ مدنیہ خورشیدیہ چشتیہ صابریہ میں مولانا موصوف کو اجازت و خلافت بیعت سلوک بھی دیتا ہے تاکہ مقبول و مبارک مدنی سلسلہ عالیہ کے فیوضات اور خورشیدیہ سلسلہ کے انوارات مولانا ممدوح سالکین و طالبین تک پہونچاتے ہوئے مشائخ عظام کی بلندی درجات اور ہم سب کیلئے کفارہ سیئات اور موجب حسنات و خیرات بنتے رہیں، اکابرین امت کثر اللہ سوادھم کی تحقیقات کو حرف آخر سمجھتے ہوئے اس کی امین و تربیت کرتے رہیں۔ وھو الموفق۔

ابو معاویہ سید امین شاہ غفر لہ ولوالدیہ۔ مدیر مدرسہ عربیہ مدنیہ جامع مسجد زکریا (رجسٹرڈ) مخدوم پور پہوڑاں تحصیل کبیر والہ خانیوال۔

بقلم ابن العجیز سید محمد معاویہ امجد شاہ عفی اللہ عنہ

۱۰ - ۵ - ۱۴۲۸ ھجر

میں نے مولانا محمد الیاس گھمن اور مولانا محمود صاحب سے عرض کیا کہ اجازت حدیث تک کی بات تو سمجھ میں آتی ہے مگر یہ جو دوسری اجازت ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ میں تصوف اور اہل تصوف کا حامی محامی اور مؤید تو ہوں اور اولیاء اللہ کی محبت و عقیدت کو سرمایہ آخرت سمجھتا ہوں مگر مجھے اس راہ سے عملی طور پر قطعاً مناسبت نہیں ہے، یہ حضرت نے کیسا

میرے اوپر بار ڈالا ہے تو ان حضرات نے فرمایا کہ حضرت صاحب کشف ہیں، انھوں نے یہ اجازت یوں ہی نہیں دی ہے اس کے پیچھے کچھ راز ہوں گے، بس تم چپ چاپ اس کو اپنی سعادت سمجھ کر قبول کرلو، حضرت کا یہ معاملہ بہت خاص لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

جب ہم لوگ حضرت کے پاس سے رخصت ہوکر بہت دور نکل گئے تو حضرت کا فون آیا کہ اس وقت تو دوسروں کی پریشانی کا خیال کر کے میں نے تم کو روانہ کر دیا تھا، اگر موقع ملے تو کسی دن دو ایک گھنٹہ کے لئے آجاؤ اور میرے پاس کچھ دیر رہو، میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو اس سفر میں یہ امکان نہیں ہے، میرے پاس وقت کم ہے اور مجھے کراچی کا سفر کرنا ہے انشاء اللہ دوسرے سفر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

مگر آہ کسے معلوم تھا کہ جب میرا دوسرا سفر ہوگا تو حضرت اس دنیا میں نہیں رہیں گے اور ہم ان کے دیدار کو ترس کر رہ جائیں گے۔

حضرت شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائی، آپ کی دینی خدمات کا دائرہ نوے سال کی طویل مدت کو محیط ہے، اور عمر شریف ایک سو دس سال ہوئی، بجوینی طور پر جو جگہ آپ کی تعلیم و تدریس اور ارشاد و ہدایت کیلئے منتخب ہوئی وہ عقیدہ و عمل کے لحاظ سے نہایت قابل توجہ تھی، پورا علاقہ رفض و بدعت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا، توحید جیسا بنیادی عقیدہ بھی سلامت نہیں تھا، لوگ علمائے دیوبند کے نام تک سے متعارف نہ تھے، ان ناموافق حالات میں اور اسباب کی نایابی کے باوجود حضرت شاہ صاحب اللہ کا نام لے کر اس بستی میں بیٹھ گئے۔ اور اپنے استاذ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے حکم "آپ مخدوم پورہ رہ کر خدمات انجام دیں" کو جی جان لگا کر ایسا پورا کر دکھایا کہ وہی بستی جو شرک و بدعات کی آماجگاہ تھی، آج اس بستی میں ہر طرف توحید و سنت کا چراغ روشن ہے، اور آپ کے وجود با مسعود سے یہ بستی اہل علم و معرفت کا مرکز بن گئی۔

حضرت شاہ صاحب کی ایک نمایاں خوبی جو اس دور میں کمیاب ہے اپنے اساتذہ اور اسلاف پر مکمل اعتماد تھا اور انکی دینی تعبیرات پر کامل اطمینان تھا، وہ جہاں ثنائیت و تواضع

اور بے نفسی و ایثار میں حضرت مدنی کی تصویر تھے، وہاں حق گوئی، اتباع سنت، صبر و استقامت اور زہد و ورع میں بھی ان کا عکس جمیل تھے، گمراہ فرقوں اور تحریکوں کے متعلق کسی رو رعایت کے بغیر کتاب و سنت اور علمائے حق کے موقف کو دوٹوک انداز میں بیان کرنے کے عادی تھے فرفع الله درجته فی علیین واکرم مثواه فیما بین المقربین وجزاه جزاء المحسنین۔

حضرت کے خاندان اور خصوصاً آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد معاویہ امجد دامت برکاتہم اللہ تعالیٰ صبر جمیل عنایت فرمائے اور حضرت کا جو مشن ہے اس کی تکمیل اور توسیع کا یہ حضرات ذریعہ بنیں۔

مجھے مولانا محمود اکاڑوی سلمہ نے بذریعہ فون یہ اطلاع دی کہ حضرت کی تدفین کے بعد آپ کی قبر مبارک سے خوشبو آتی رہی اور وہ حضرت کی قبر سے جو مٹی لیکر آئے تھے مہینہ بھر سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہ خوشبو دے رہی ہے، یہ بات حضرت کی کرامت بھی ہے اور ان کے مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کی بین دلیل بھی۔ ایک سو دس سال کی عمر ہونے کے باوجود آپ کا حافظہ اور آپ کا قلب پوری طرح بیدار تھا، آواز اتنی پاٹ دار کہ گویا ہمارے شیخ حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی آواز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابر کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عنایت فرمائے اور عقیدہ و مسلک و مذہب کے بارے میں ان کا مقلد اور ان کا ترجمان بنائے۔

والحمد للہ اولاً و آخراً، وصلی اللہ علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

ایک عارف باللہ کی رحلت

۴ر فروری ۲۰۰۸ء بعد مغرب میں گجرات کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کے مہمان خانہ میں تھا کہ میرے موبائیل کی گھنٹی بجی، میں نے فون کان میں لگایا تو معلوم ہوا کہ فون جدہ سے ہے، اور فون کرنے والے میرے بہت ہی کرم فرما پاکستان کے مشہور عالم دین اور مشہور مصنف وخطیب جدہ میں مقیم مشہور پاکستانی شخصیت صاحبزادہ قاری عبدالباسط دام ظلہ کا ہے، وہ مجھے اطلاع دے رہے تھے کہ پاکستان کے صاحب طریقت عارف باللہ عالمی شہرت یافتہ، عربی واردو کے خطاط، بلند پایہ ادیب وشاعر، خانقاہ رائے پور کی یادگار حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے ہند پاک میں آخری خلیفہ یعنی شاہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑی دیر قبل ہی اس دنیائے فانی سے عالم بقا کی طرف لاہور میں رحلت فرمائی ہے، اور حضرت قاری صاحب کو بھی ابھی ابھی اطلاع ملی ہے اور انھوں نے فوراً مجھے مطلع کیا ہے۔

یہ خبر تھی کہ صاعقہ آسمانی تھوڑی دیر کے لئے ہوش وحواس گم عالم خیال میں حضرت کا مسکراتا چہرہ ٹھہر ٹھہر کر دھیمی آواز میں بات کرنے کا انداز، حضرت کا ہر ایک سے پوری توجہ اور التفات سے بات کرنا، تواضع اس قدر کہ اپنی عظیم القدر، جلیل الشان اور پورے پاکستان کی سب سے زیادہ مقبول ومحبوب شخصیت ہونے کا ذرا احساس نہیں، چہرہ ایسا خوبصورت کہ آدمی دیکھے تو دیکھتا رہ جائے، عقیدہ ومسلک میں اتنے پختہ کہ اس بارے میں ذرا سی بھی لچک گوارا نہیں

عقیدہ و مسلک میں رواداروں کی رواداری کا آپ کے یہاں قطعاً گزر نہیں، پورے پاکستان میں آپ کا مرجع خلائق ہونا مسلم الثبوت حقیقت، للٰہیت اور فنائیت کا پیکر مجسم، پیشانی تسبیح وتحمید، ذکرواذکار اور عبادت کے نور سے منور، ضیافت و مہمانی گویا آپ پر ختم، خیال میں تھوڑی دیر تک انھیں باتوں کا تصور رہا، اور محسوس ہو رہا تھا کہ میں حضرت کی مجلس میں بیٹھا ہوں اور حضرت اپنی دلنواز مسکراہٹوں اور توجہات قلبی سے دل میں اترتے چلے جارہے ہیں، میں نے اپنی زندگی میں بہت سے بزرگوں سے ملاقات کی ہے مگر تین شخصیتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا، حضرت مولانا احمد پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ اور پاکستان میں حضرت شاہ نفیس رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت کا تذکرہ میں اپنے کرم فرما اور دوست نماز پیمبر کتاب کے مصنف مولانا محمد الیاس صاحب فیصل آبادی سے مدینہ منورہ میں سنا کرتا تھا، اور انھیں سے معلوم ہوا کہ حضرت غائبانہ میری کتابوں کے ذریعہ سے مجھ سے واقف ہیں اور اپنی دعاؤں میں مجھے یاد کرتے ہیں، انھیں کے ذریعہ حضرت تک اپنا سلام بھی پہونچاتا رہا، پھر دوسری مرتبہ پاکستان ۲۰۰۰ء میں جانا ہوا، یہ زمانہ نواز شریف کا تھا، اور افغانستان میں ابھی طالبان کی حکومت تھی، میرا قیام حضرت کی قیامگاہ سے بالکل قریب جامعہ مدنیہ لاہور میں تھا، جب مجھے معلوم ہوا کہ حضرت جامعہ سے بالکل قریب راوی روڈ پر رہتے ہیں تو مجھے فوری طور پر ملاقات کا اشتیاق ہوا، اور میں چند ساتھیوں کے ساتھ آپ کی قیامگاہ کی طرف چلا، ابھی جامعہ کے گیٹ سے باہر بھی نہیں ہوا تھا کہ دیکھا ایک طویل القامت پرنور چہرہ والے بزرگ چند لوگوں کے ساتھ جامعہ کے گیٹ میں داخل ہورہے ہیں، معلوم ہوا کہ یہی حضرت شاہ صاحب ہیں، سلام و معانقہ کے بعد حضرت نے فرمایا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ یہاں آئے ہوئے ہیں تو میں آپ سے ملنے ہی کیلئے آرہا تھا، میں نے کہا کہ حضرت میں تو خود ہی حاضر خدمت ہو رہا تھا، فرمایا نہیں آپ مہمان ہیں میرا فرض ہے کہ میں آپ کے پاس آؤں، اور میرے بہت اصرار کے بعد بھی حضرت اپنی قیامگاہ پر واپس نہیں گئے اور میرے ساتھ اس کمرہ میں تشریف لائے جہاں میرا قیام تھا، حضرت کی اس پہلی ہی ادا نے مجھے ان کا اسیر

بنا دیا، تقریباً پون گھنٹہ حضرت میرے پاس رہے، پھر انھوں نے فرمایا فجر بعد میرے یہاں فوراً چائے پی جاتی ہے، آپ جب تک رہیں گے صبح کی چائے میرے ساتھ پیئیں گے، چنانچہ تقریباً پندرہ روز جو میرے قیام کی مدت تھی میرا معمول یہی تھا کہ فجر کی نماز کے بعد میں حضرت ہی کے ساتھ انکی قیامگاہ جاتا اور چائے پیتا، چائے پینے کا تو نام تھا، وہاں با قاعدہ ناشتہ ہوتا، پھر روزانہ ہی تقریباً عصر بعد حضرت کی مجلس میں حاضری ہوتی جہاں لاہور کی ممتاز علمی شخصیتیں بھی موجود ہوتیں، مغرب بعد دو چار روز کا ناغہ کرکے حضرت بھی میری قیامگاہ پر تشریف لاتے، جس شب کی صبح میں دہلی میری واپسی تھی حضرت میری قیامگاہ پر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ طالبان کی سرپرستی فرماتے ہیں، اور آپ کا دو تین بار اسی سلسلہ میں افغانستان جانا بھی ہوا ہے، وہاں کے حالات کچھ سنا دیں، فرمایا کہ خلافت راشدہ کے بعد پہلی مرتبہ دنیائے اسلام میں ایسی حکومت قائم ہوئی ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت طالبان مجاہدین کا نام کان میں پڑتا رہتا ہے مجھے چند ایسے لوگوں سے ملوائیے جو خود معرکہ میں شریک ہوئے ہوں، تو انھوں نے کہا کہ اگر آپ پہلے کہتے تو میں بہت سے لوگوں سے ملوا دیتا پھر ایک آدمی کو بھیج کر چند لاہور کے نوجوانوں کو بلایا، ابھی یہ آئے ہی تھے کہ کسی صاحب نے ریڈیو لاکر خبر سنائی کہ نواز شریف کی حکومت جا چکی اور مشرف نے فوجی حکومت کا اعلان کر دیا ہے، اب روئے سخن طالبان سے نواز شریف اور جنرل مشرف کی طرف ہو گیا، خیال تھا کہ پاکستان میں حکومت کی تبدیلی سے بڑا ہنگامہ ہوگا، مجھے صبح واپس ہونا تھا، مجھے اپنے سفر کے بارے میں بڑی فکر تھی مگر حضرت مطمئن تھے فرمایا نواز شریف نے علمائے حق پر اتنا ظلم ڈھایا ہے اور پاکستان کے سرکاری خزانہ کو اتنا لوٹا ہے کہ عوام و خواص سب اس سے نالاں ہیں اسلئے کچھ نہیں ہوگا، اور واقعۃً ایسا ہی ہوا، جب پانچ بجے صبح میں اپنی قیامگاہ سے دہلی کے لئے روانہ ہوا تو پورا لاہور پُر سکون تھا، اور زندگی معمول کی تھی، سڑکوں پر فوج بھی برائے نام تھی۔

اس سفر میں میں نے دیکھا کہ حضرت پوری طرح چاق و چوبند ہیں، پانچوں وقت نماز میں حاضر ہوتے تھے، عصر بعد شاگردوں کو خطاطی کی مشق بھی کراتے تھے، اگرچہ ہاتھ میں کچھ

رہتا تھا، مگر کمال یہ تھا کہ ایک مرتبہ قلم اٹھاتے اور پورا حرف اس بے تکلفی سے کاغذ پر نقش کر دیتے کہ آدمی دیکھتا رہ جائے، یہ اس فن میں ان کے کمال کی انتہا تھی، حضرت نے عربی اور اردو کے مختلف طغرے لکھے ہیں وہ اس فن کے شاہکار ہیں، پاکستان کی بہت سی مساجد کے محرابوں میں اللہ کے ننانوے نام ٹائلس پر لکھے ہوئے لگے نظر آئیں گے، جو حسن کتابت کا شاہکار ہے، اور اس سے مساجد کی زینت دوبالا ہو جاتی ہے۔

۲۰۰۱ء کے بعد سال گزشتہ میرا پھر پاکستان کا سفر ہوا، اس دفعہ میرا قیام حضرت کی قیامگاہ سے کچھ دور تھا، اور میرا پروگرام بھی بہت معروف تھا، مگر اس دفعہ بھی حضرت اپنی بیماری اور کمزوری کے باوجود دو دفعہ میری قیامگاہ صفہ اکاڈمی تشریف لائے، میں جتنی مدت بھی لاہور میں رہا حضرت کے پاس بعد مغرب حاضر ہوتا، اس سفر میں آپ نے اپنی نئی تعمیر شدہ خانقاہ جو لاہور شہر سے بہت دور کھلی جگہ پر ہے، میری دعوت کا اہتمام فرمایا، اور اس سفر میں آپ نے اپنا شعری مجموعہ "برگ گل" عنایت کیا، نیز حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جنگی و سفری حالات جو آپ کے مسترشدین نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے جس کو نواب محمد وزیر خاں بہادر نواب ٹونک نے جن کو حضرت سید احمد شہید سے گہری عقیدت تھی جمع کرایا تھا اور جس کو وقائع سید احمد شہید کا نام دیا گیا، یہ مجموعہ ایک مخطوطہ کی شکل میں تھا، حضرت شاہ صاحب نے اس کو اصلی خط میں اس کا فوٹو لے کر نہایت قیمتی کاغذ پر چھپوایا، جس کے صفحات کی مجموعی تعداد دو ہزار چار سو ستہتر ہے، یہ مجموعہ حضرات شہیدین کے حالات میں لکھی گئی کتابوں میں سب سے معتبر سمجھا جاتا ہے، از راہ لطف و کرم حضرت نے بطور ہدیہ عنایت کیا، اور اس کے دو نسخے مجھے اور عنایت کیے کہ ایک حضرت مولانا رابع صاحب ندوی مدظلہ کو اور ایک نسخہ مولانا ارشد مدنی مدظلہ کو پہونچادوں، جب میں نے حضرت کو اطلاع دی کہ میں نے ان حضرات کو نسخے پہونچادیے ہیں تو حضرت نے مجھے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔

حضرت شاہ صاحب کو حضرت سید احمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت

سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے غایت درجہ تعلق تھا، ان بزرگوں کا جب تذکرہ کرتے تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی، انھوں نے لاہور میں سید احمد بریلوی کے نام پر کتابوں کا ایک مکتبہ بھی قائم کیا تھا جسے شاہ صاحب سے متعلق بعض لوگ چلاتے ہیں لاہور میں یہ مکتبہ اپنی شان کا ایک نرا عظیم الشان تجارتی مکتبہ ہے، نرالا اسلئے کہ اس میں حضرت سید احمد شہید کے بارے میں غالباً تمام کتابیں ملجاتی ہیں۔

اس سفر میں میں نے محسوس کیا کہ حضرت شاہ صاحب پہلے کی نسبت بہت کمزور ہو گئے ہیں غذا بھی برائے نام رہ گئی ہے، جب سفر سے ہندوستان واپس ہوا تو دوستوں سے فون کے ذریعہ حضرت کی طبیعت کے اتار چڑھاؤ کا پتہ چلتا رہا، ایک دن صفہ اکاڈمی کے ناظم مولانا عابد صاحب کا فون آیا کہ حضرت کی طبیعت بہت خراب چل رہی ہے، اور حضرت بار بار فرماتے ہیں کہ اب میرا آخری وقت ہے پھر معلوم ہوا کہ طبیعت کچھ سنبھل گئی ہے، اور اب ۴ر فروری کو اطلاع ملی کہ حضرت اس عالم سے انتقال فرما گئے ہیں۔

حضرت کے وصال سے جماعت دیوبند اور علمائے حق کی صف میں بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، اکابر کی ایک یادگار تھی جو رخصت ہو گئی، زہد و اتقاء کی عمارت ڈھ گئی، پاکستان میں دیوبندی عقیدہ و مسلک کی جو پاسبانی کیا کرتا تھا وہ چلا گیا، جماعت دیوبند کے لئے جس کی شخصیت ایک پناہ گاہ تھی، پاکستان میں جماعت اس سے محروم ہو گئی، اہل حق کی مسیحائی کرنے والا چلا گیا معرفت و طریقت کی دوکان پھیکی پڑ گئی، ایک عارف باللہ، شیخ کامل، عالم ربانی وقت کے جنید و شبلی کی صحبت سے ہم محروم ہو گئے، اور سب سے بڑی بات ہے کہ خانقاہ رائپور سے وابستہ آخری چشم و چراغ ہم سے رخصت ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

حضرت شاہ صاحب کا خاندانی نام الا حسین ہے، نفیس الحسینی قلمی نام تھا، سلسلہ نسب چودہ واسطوں سے سید احمد گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) تک پہونچتا ہے، آپ کی پیدائش ۱۲ر ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۱ر مارچ ۱۹۳۳ء ضلع سیالکوٹ کے ایک

گاؤں گھوڑیالہ میں ہوئی ، اس طرح آپ اس عالم ہست وبود میں ایک طویل سفر کر کے اپنے رب سے جا ملے، ہجری حساب سے آپ کی عمر ۷۰ سال ہوئی ۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس طرح فن خطاطی میں عالمی شہرت کے مالک تھے اور معرفت و طریقت کی دنیا میں آپ کا نام نامی نہایت روشن تھا، اللہ نے آپ کو ذوق شعری بھی بھرپور عنایت کیا تھا، شروع شروع میں تو آپ کو غزلیات سے زیادہ تعلق رہا مگر پھر طبیعت کا میلان نعت گوئی کی طرف زیادہ رہا، اور جب آپ کا تعلق حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری سے ہوا تو پھر تو آپ کی نعتوں کی اثر آفرینی اپنے شباب کو پہونچی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آپ کی نعتوں میں دیکھا جا سکتا ہے ۔

سنہ ۱۹۴۹ء میں آپ نے پہلا غائبانہ سلام حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، جس کے چند بند ملاحظہ ہوں :۔

سلام اے شمع روشن، چشم عبداللہ کی بینائی	زمانہ تجھ پہ قرباں ہے، فرشتے تیرے شیدائی
تری آمد سے رونق آگئی گلزار ہستی میں	عنادل چہچہا اٹھے، بہار آئی بہار آئی
ترے در سے کوئی سائل تہی دامن نہیں لوٹا	تری رحمت کے دامن کی ہے لامحدود پہنائی

بالکل ابتدائی زمانہ کے اشعار ہیں ، بعد میں اس راہ میں آپ نے جو ترقی کی اس کا اندازہ کرنے کیلئے ایک دوسرا سلام ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں :

الٰہی محبوب کل جہاں کو، دل و جگر کا سلام پہونچے	نفس نفس کا درود پہونچے، نظر نظر کا سلام پہونچے
بساط عالم کی وسعتوں سے جہان بالا کی رفعتوں تک	ملک ملک کا درود اترے، بشر بشر کا سلام پہونچے
حضور کی شام شام مہکے، حضور کی رات رات جاگے	ملائکہ کے حسین جلو میں سحر سحر کا سلام پہونچے
زبان فطرت ہے اس پہ ناطق، بیارگاہ نبی صادق	شجر شجر کا درود جائے، حجر حجر کا سلام پہونچے
رسول رحمت کا بار احساں، تمام خلقت کے دوش پر ہے،	تو ایسے محسن کو بستی بستی، نگر نگر کا سلام پہونچے
مرا قلم بھی ہے ان کا صدقہ، مرے ہنر پہ ہے انکا سایہ	حضور خواجہ میرے قلم کا، میرے ہنر کا سلام پہونچے

یہ التجا ہے کہ روزِ محشر، گناہ گاروں پہ بھی نظر ہو ۔۔۔ شفیعِ امت کو ہم غریبوں کی چشمِ تر کا سلام پہونچے
نفیس کی بس دعا یہی ہے، فقیر کی اب صدا یہی ہے ۔۔۔ سوادِ طیبہ میں رہنے والوں کو عمر بھر کا سلام پہونچے

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا جیسا کہ معلوم ہوا خاندانی شجرہ حضرت سید احمد گیسو دراز سے ملتا ہے، یہ خاندانی اثر ہی تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فطرت سلیمہ کسی ایسے پیر مینا کی تلاش میں رہی جو ان کو اپنی تربیت میں رکھ کر سلوک و معرفت کے مقامات طے کرائے، اللہ نے دستگیری فرمائی اور اپنے وقت کے قطب حضرت سیدنا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کے در سے ان کو ۱۳۷۷ھ میں جب حضرت رائے پوری کا قیام لاہور میں تھا وابستہ کر دیا، حضرت رائے پوری کی بھرپور توجہ آپ پر رہی اور صرف ایک سال کے عرصہ میں آپ نے انکو خلعت خلافت سے نواز دیا، ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۱ء تک جب تک حضرت رائے پوری باحیات رہے، اپنے شیخ کے قدموں سے وابستہ رہ کر راہ سلوک کی منزلیں طے کرتے رہے تا آنکہ اللہ نے آپ کو وہ مقام عنایت فرمایا کہ بالاتفاق پاکستان میں اپنے شیخ کے جانشین تسلیم کر لئے گئے، حضرت شاہ صاحب کو اپنے شیخ سے جو والہانہ عقیدت و محبت تھی اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اس کا اندازہ کچھ ان اشعار اور ان مرثیوں سے لگتا ہے جو شاہ صاحب نے اپنے شیخ کی شان میں کہے ہیں۔

حضرت رائے پوری کی وفات پر آپ کے قلم سے متعدد مرثیے نکلے مگر ایک مرثیہ تو غضب کا ہے، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے غمِ جاناں! اے غمِ جانم ۔۔۔ دل ہے پُرخوں آنکھیں پُرنم
تجھ سا دیکھا نہ تجھ سا پایا ۔۔۔ اتر، دکھن، پورب، پچھم
آہ ترا اندازِ محبت ۔۔۔ عشق میں شعلہ، حسن میں شبنم
آہ نفیس زار کی حالت ۔۔۔ بیکل بیکل، بے دم بے دم
سینہ بریاں، دیدہ گریاں ۔۔۔ آہ کہ اب کس حال میں ہیں ہم
آہ کہ تجھ بن چین نہیں ہے ۔۔۔ یاد ہے تیری پیہم پیہم

قطبِ زمانہ، غوثِ یگانہ　　رشکِ جنید و شبلی و ادھم
فانی فی اللہ، باقی باللہ
ختم انھیں پر، اس کا عالم

یہ پورا مرثیہ بس پڑھنے کے قابل ہے۔

حضرت شاہ صاحب کو اپنے اکابر دیوبند سے بڑا گہرا اور بڑا عقیدتمندانہ تعلق تھا، اور کیسا تعلق تھا اس کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے جو آپ نے اکابر کی شان میں لکھے ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری ہوئی، اس موقع سے جو آپ کے قلم سے اشعار نکلے ہیں ان سے حضرت گنگوہی سے آپ کی غایت درجہ عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ہے یہ کس کی خوابگہِ حسیں، یہ نفیس کس کا مزار ہے
کہ نفس نفس کو جو ہے سکوں، تو نظر نظر کو قرار ہے
یہ فرودگاہِ رشید ہے، یہ مقامِ فردِ فرید ہے
یہ مکان خلد نشان ہے، یہ مکین عرشِ وقار ہے
جو ابو حنیفہ وقت تھا، جو کبھی بخاری عصر تھا
جو جنید و شبلیٔ دہر تھا، یہ اسی کا خاک مزار ہے
یہ مزار بقعۂ نور ہے، یہ جہان عشق کا طور ہے
یہاں آفتابِ جمال ہے، یہ تجلیوں کا دیار ہے
یہاں قدسیوں کا نزول ہے، یہ دلیل حسن قبول ہے
یہاں سو رہا ہے وہ نازنیں، جو نبی کا عاشقِ زار ہے
وہ کہ تھا مجاہد شاملی، صفیں جس نے الٹیں فرنگ کی
اسی صف شکن کی یہ گھات ہے، اسی شیر کا یہ کچھار ہے

کوئی نکتہ چیں ہوا کرے، مگر اے نگاہ کمال بیں
ذرا کر کے دیکھ مشاہدہ، یہاں نور ہے وہاں نار ہے
یہی میرا ناز و نیاز ہے، کہ اسیر زلف رشید ہوں
اسی سلسلہ کا مرید ہوں، میرا اس پہ دار و مدار ہے

مضمون کی طوالت مانع ہو رہی ہے ورنہ حضرت اکابر دیوبند کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کے جو اشعار ہیں کچھ اور نقل کرتا، ان اشعار میں حضرات اکابر دیوبند سے آپ کی گرویدگی، شیفتگی، عقیدتمندی، اور بے پناہ محبت کی مئے طہور چھلکتی نظر آتی ہے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم اپنے اس مقبول بندہ کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، حضرت کے متعلقین کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔

اللّٰھم امطر علیہ شآبیب رحمتك وانزلہ فردوسك الذی اعددتہ لعبادك الصالحین، ووفقنا لاتباع ھداہ وصلِّ وسلّم علیٰ نبینا ومولانا محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم۔

بقیہ صفحہ ۶۲ کا۔

امریکہ اور آسٹریلیا میں بھی سنی جائے گی، خیر میں نے تقریر شروع کی اگر مخاطب سامنے نہ ہو تو میرے لئے تقریر کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے مگر خدا خدا کر کے پون گھنٹہ میں نے بیان کیا، اس کے بعد انٹرنیٹ ہی پر سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا، ایک صاحب نے جاپان سے کہا کہ آج آپ کی تقریر سے بہت سے اشکالات حل ہو گئے، کسی نے کہا کہ آپ کی کتابوں سے ہم لوگوں نے استفادہ کیا ہے، آج ہم نے آپ کی آواز بھی سن لی، بہرحال اندازہ ہوا کہ اللہ نے کچھ کام کی بات کہلوادی۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔ (جاری)

محمد ابوبکر غازی پوری　　　　قسط ۱۳

مقام صحابہؓ کتاب وسنت کی روشنی میں

اور مولانا مودودیؒ

عدالتِ صحابہ کی بحث

میں اس سلسلہ میں ایک مختصر گفتگو اس سے پہلے کر چکا ہوں لیکن یہاں میں ذرا تفصیل سے اس مسئلہ کو واضح کرنا چاہتا ہوں اور بتلانا چاہتا ہوں کہ علمائے امت اور اسلاف صحابۂ کرام کے بارے میں کس قدر حساس تھے اور ان کا مقام ان کی نگاہ میں کتنا بلند تھا یہی علماء جو حدیث کے سلسلہ میں ایک ایک راوی کی جانچ پڑتال میں بڑی کاوش کیا کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں ذرا بھی تساہل کو کام میں نہ لاتے تھے اور بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی جرح وتعدیل کی کسوٹی پر پرکھا کرتے تھے اور ہر ہر راوی کی تحقیق حال کو وہ اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ علماء امت کا یہ وہ کارنامہ ہے جس پر امت اسلامیہ کو تاقیامت فخر رہے گا اور اس کی وجہ سے اسلامی شریعت انشاءاللہ اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں باقی رہے گی اور دین اسلام کو بقاء اور دوام حاصل رہے گا۔

لیکن جب صحابہ کرام کا معاملہ آتا تو یہی علماء کرام جو رواۃ حدیث کی بال کی کھال نکالتے ہیں بالاتفاق ان کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو جرح وتعدیل کی کسوٹی پر نہیں رکھا جائے گا وہ سب کے سب عادل، ثقہ ہیں، متقی، پرہیزگار ہیں اور ان کا ہر فرد عدالت وثقاہت کے اونچے معیار پر ہے اور "الصحابۃ کلھم عدول" اصول حدیث کا ایک اجماعی مسئلہ قرار پایا۔

درحقیقت یہ علمائے امت کا صحابہ کے بارے میں اجماعی اعتقاد ہے اور اس زمانہ میں اس اجماع کا خرق کرنے والا گمراہ کہلائے گا۔

بہرحال اس مسئلہ میں جو تصریحات ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔

سارے صحابہ عادل ہیں

الاصابہ میں ابن حجر لکھتے ہیں:

اتفق اهل السنة ان الجميع عدول ولم يخالف فى ذالك الاشذوذ من المبتدعه وقد ذكر الخطيب فى الكفاية فصلا نفيسا فى ذالك فقال عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم واخباره عن طهارتهم واختياره لهم۔	اہل سنت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ سارے صحابہ عادل ہیں اور اس کی مخالفت مبتدعہ کے کچھ شاذ لوگوں کے علاوہ کسی اور نے نہیں کی ہے۔ خطیب نے اس بارے میں ایک اچھی فصل اپنی کتاب الکفایہ میں قائم کی ہے۔ انھوں نے کہا صحابہ کی عدالت معلوم اور متعین چیز ہے اسلئے کہ خود اللہ نے ان کو عادل قرار دیا ہے اور انکی طہارت وپاکیزگی کی خبر دی ہے اور بتلایا ہے کہ اس نے ان کو چنا ہے۔

اس کے بعد خطیب نے متعدد آیات قرآنیہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہ کی عدالت خود قرآن سے ثابت ہے۔ ان آیات کو آپ اس کتاب کی ابتدا میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اخیر میں بطور خلاصۂ کلام کے خطیب فرماتے ہیں۔

وجميع ذالك يقتضى القطع بتعديلهم ولا يحتاج احد منهم مع تعديل الله الى تعديل احد من الخلق۔	اور ان سب کا یہ تقاضہ ہے کہ صحابۂ کرام کی تعدیل قطعی ہیں اور ان میں کا کوئی بھی اللہ کی تعدیل کے بعد کسی مخلوق کی تعدیل کا محتاج نہیں ہے۔

اس کے بعد خطیب لکھتے ہیں:

"اگر اللہ اور اسکے رسول سے ان کے بارے میں اس طرح کی آیات واحادیث ثابت اور مروی نہ ہوتیں جب بھی ان کے عام حالات مثلاً ہجرت کرنا، جہاد کرنا، اسلام

کی نصرت و تائید میں جان و مال خرچ کرنا اور دین کے لئے آباء و ابناء کو قتل کرنا
اور ایمان و یقین کی قوت وغیرہ امور ان کی تعدیل و توثیق پر قطعی شہادت ہیں۔
یہ حالات اس کے مقتضی ہیں کہ ان کے بارے میں صاف ستھرا اعتقاد رکھا
جائے، ان کے یہ حالات بتاتے ہیں کہ سارے صحابہ بعد کے سارے معدلین سے
افضل تھے یہی سارے علماء اور ان کا جن کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے مذہب
ہے۔ (الاصابہ ص ــــ)

مشہور حنبلی امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

الذی علیه سلف الامة وجمهور
الخلف ان الصحابة رضی الله عنهم
معلومة عدالتهم

سلف امت کا اور جمہور خلف کا جو مذہب ہے وہ
یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت
معلوم ہے۔

اسی کتاب کے حاشیہ میں ہے۔

ان الله تعالیٰ اثنی علیهم وکل من
اثنی الله علیه فهو عدل وهذا
معتقدنا فیهم الا ان یثبت بطریق
القطع ارتکاب واحد الفسق مع علمه
به وذالك مما لا یثبت فلا حاجة
لهم الی التعدیل۔
(ص۳۰)

اللہ نے انکی تعریف کی ہے اور جس کی اللہ نے
تعریف کی وہ عادل ہے، صحابہ کرام کے بارے
میں یہی ہمارا عقیدہ ہے الا یہ کہ کسی کے بارے
میں قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ اس نے علم کے
باوجود فسق کا ارتکاب کیا ہے اور یہ وہ بات
ہے کہ جو صحابہ کے بارے میں ثابت نہیں اس وجہ
سے ان کی تعدیل کی حاجت نہیں۔

حدیث اور اصول حدیث کے امام ابن صلاح علوم حدیث میں بیان فرماتے ہیں۔

للصحابة باسرهم خصیصة وهی
انه لا یسئل عن عدالة احد منهم
بل ذالك امر مفروغ عنه لکونهم

تمام صحابہ کی ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ ان
میں سے کسی کے ثقہ اور متقی ہونے کے بارے میں
سوال بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک طے شدہ

على الاطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة واجماع من يعتد به فى الاجماع من الامة لقوله تعالىٰ كنتم خير امة اخرجت للناس قيل اتفق المفسرون على انه وارد فى اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم (علوم الحديث صفحہ ۲۲۴)

مسئلہ ہے اور قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ اور اجماع جن لوگوں کا معتبر ہے ان کے اجماع سے ثابت ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ مفسرین حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت صحابہ کی شان میں وارد ہوئی ہے۔

بہرحال امت کا اس پر اتفاق عام ہے کہ ہر صحابی عدالت وثقاہت کے معیار کامل پر تھا، اور کسی صحابی کے بارے میں کوئی ایسی بات ثابت نہیں جس سے ان کے اس مرتبہ میں ادنیٰ بھی فرق پڑے۔

مشاجرات صحابہ میں بھی شریک ہر صحابی عادل ہے

ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ صحابۂ کرام کی ایک بڑی تعداد نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین جنگ میں شرکت کی ہے اور ایک دوسرے کے خلاف قتل وقتال کیا ہے، کیا وہ اس قتل وخوں ریزی میں شریک ہونے کے بعد بھی اپنی اس صفتِ سابقہ پر رہے اور اس کی وجہ سے ان کی عدالت وثقاہت میں کوئی فرق نہیں آیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ صحابۂ کرام کی عظمت وقدر میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑا اور ان کی صفت سابقہ یعنی دین کے سلسلے میں عادل اور ثقہ ہونا وہ اپنی جگہ جوں کا توں قائم ہے اس وجہ سے کہ بقول خطیب اس جنگ کے بعد بھی ان میں سے کسی ایک سے بھی کوئی ایسی بات صادر نہیں ہوئی جس سے ان کی شان مروّت اور صفت عدالت پر حرف آئے۔

خطیب کہتے ہیں:

یجب ان یکونوا علی الاصل الذی قدمناہ من حال العدالۃ والرضاء اذلم یثبت مایزیل ذالک عنھم۔ (الکفایہ صہ ۴۹)

یعنی اس جنگ وقتال کے بعد بھی صحابہ کا ثابت العدالۃ والرضا ہونا جوں کا توں رہا اس وجہ کہ ان کے بارے میں کوئی ایسی بات صادر نہیں جو ان سے اس صفت کو ختم کردے۔

امام نووی اپنی کتاب تقریب میں فرماتے ہیں:

الصحابۃ کلھم عدول من لابس الفتنۃ وغیرھم باجماع من یعتد بہ (تقریب مع التادیب ص)

صحابہ سب کے سب عادل ہیں وہ فتنہ میں شریک رہے ہوں یا نہ رہے ہوں، اس پر قابلِ اعتماد علماء کا اجماع ہے۔

مشاجرات صحابہ کے بارے میں ائمہ کے اقوال

اصل میں مشاجرات صحابہ کے بارے میں بہت سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ ان مشاجرات کو بھی اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کو بھی انھیں منازعات و اختلافات اور جنگ وجدال پر قیاس کرتے ہیں جو عام انسانوں کے مابین واقع ہوا کرتے ہیں اور ان مشاجرات میں حصہ لینے والوں کو بھی عام دنیاداروں کی طرح خیال کرتے ہیں جو محض دنیاوی نفع کے لئے یا شجاعت وبہادری کا کارنامہ دکھلانے کے لئے جنگ میں شرکت کرتے ہیں حالانکہ مشاجرات صحابہ کا معاملہ عام واقع ہونے والی جنگوں سے بالکل الگ ہے۔ صحابۂ کرام جنھوں نے اس جنگ میں شرکت کی صادق النیۃ تھے ان کی اس میں شرکت محض اللہ کیلئے تھی۔ حضرت علیؓ کی طرف جو لوگ تھے وہ بھی اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی سب نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے ایک بات کو حق سمجھا تھا اور اسی حق کی خاطر میدان میں کود پڑے تھے، اور یہ ان کی اس غیرت اور شانِ ایمان کا تقاضہ تھا جس سے وہ متصف تھے کہ جب انھوں نے ایک چیز کو حق سمجھا تو اس کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور اس کیلئے جان کی بازی لگادی۔ کتاب وسنت اور اسلاف کے بیان سے صحابۂ کرام کی زندگی کا جو نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے اس کے یہ بات بالکل منافی ہے کہ وہ کسی چیز کو غلط سمجھیں اور پھر اسے وہ کریں اور محض

دنیا کی خاطر یا کسی کی مخالفت برائے مخالفت میں تلوار سونت کر میدان میں کود پڑیں اور ایک دوسرے پر تلوار چلائیں یہ اہل خیر القرون اور خیر امت اور امت وسط کا جن کو بارگاہ الٰہی اور دربار نبوت سے خطاب ملا ہے ان کا کام نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام سے زیادہ اس بات سے کون واقف تھا کہ مسلمان کا خون اور اس کی عزت و آبرو کی پامالی حرام ہے۔ آنحضورؐ نے اس بات کو حجۃ الوداع میں خاص طور سے بڑے موثر اور بڑے بلیغ اور بڑے حکیمانہ انداز میں بیان کیا تھا تو کیا آنحضورؐ کی رحلت کے بعد ہی صحابہ کرام اپنے اخلاق و کیرکٹر کے لحاظ سے ایسے ہو جائیں گے کہ اللہ کے رسول کی اس آخری وصیت کو جو حج کے آخری خطبہ میں اشہرِ حج میں بلدۂ مبارکہ اور اس کی ایک بابرکت جگہ عرفہ میں آپ نے فرمائی تھی بھول جائیں گے اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے اس کو حلال سمجھ لیں گے اور آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ یہ بات عقل و نقل کے بالکل خلاف ہے۔

یہ ضرور ہے کہ ان میں کا ایک ہی فریق حق پر تھا اور اہلسنت والجماعت کے فیصلہ کے مطابق یہ حضرت علیؓ کا فریق تھا، لیکن دوسرا فریق جو حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کا تھا اس نے بھی اپنے اجتہاد سے کام لے کر اپنے اقدام کو صحیح سمجھا تھا اور اسی حق کے احقاق کے لئے وہ شمشیر لے کر میدان میں آ گیا تھا نہ حضرت علیؓ کے فریق کے سامنے دنیا تھی نہ ان کے مخالف گروہ کے سامنے دنیا تھی، ہر ایک نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور دین کی خاطر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا۔

آپ ان کے اس اقدام کو زیادہ سے زیادہ اجتہادی غلطی کہہ سکتے ہیں، ایک مجتہد کا فیصلہ کبھی صواب ہوتا ہے اور کبھی ناصواب لیکن بہر صورت ماجور ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ للمصیب اجران وللمخطی اجر یعنی اجتہاد کرنے والے نے اگر صواب کو پالیا تو اس کے لئے دو اجر ہے لیکن اگر اس سے غلطی ہو گئی تو ایک اجر ہے۔[1]

---

(۱) چونکہ اس نے حق بات اور شرعی حکم معلوم کرنے کیلئے فکر و نظر سے کام لیا ہے اگرچہ وہ اپنی اس کوشش میں صواب کو نہیں پہنچ سکا لیکن اس پر اللہ کا یہ انعام ہے کہ اس قصد و ارادہ اور کوشش پر اسے انعام دیا جائے گا۔

اور محققین علماء جو صحابہ کے حالات سے باخبر تھے ان کا فیصلہ یہی ہے، چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔

واما الحروب اللتی جرت فکانت لکل طائفۃ شبھۃ اعتقدت تصویب نفسھا بسببھا وکلھم عدول متاولون فی حروبھم وغیرھا ولم یخرج شئ احدا من ذٰلک من العدالۃ لانھم مجتھدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتھاد کما یختلف المجتھدون بعدھم فی مسائل من الدماء وغیرھا ولا یلزم من ذٰلک نقص احد منھم۔ (ص ۲۷۲ ج ۲)	جو جنگیں صحابہ کے مابین واقع ہوئیں تو ان میں ہر جماعت کو شبہ تھا جس کی وجہ سے اس نے اپنے کو حق و صواب پر جانا، یہ سارے صحابہ عادل ہیں اور انھوں نے جو کچھ کیا تاویل سے کیا خواہ اس کا تعلق جنگ سے ہو یا غیر جنگ سے اور کسی چیز نے بھی ان میں سے کسی کو عدالت کے مرتبہ سے نکالا نہیں اسلئے کہ وہ لوگ مجتہد تھے، ان کا اختلاف ان مسائل میں ہوا جو محل اجتہاد تھے جیسا کہ بعد کے مجتہدین کا خون وغیرہ کے مسئلہ میں اختلاف رہا ہے۔ اس سے کسی کی تنقیص لازم نہیں آتی۔

نیز فرماتے ہیں :

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان جنگوں کا مقصد وہ معاملات تھے جو ان صحابۂ کرام پر مشتبہ تھے اور ان کے اسی شدتِ اشتباہ کی وجہ سے ان کا اجتہاد بھی الگ الگ رہا، اور وہ لوگ تین جماعت میں تقسیم ہو گئے۔

ایک جماعت نے اپنے اجتہاد سے جانا کہ حق اس جانب ہے اور ان کا مخالف باغی ہے اسلئے ان کی نصرت و حمایت اس پر واجب ہے تو اس نے ایسا کیا اور اس جماعت کے نزدیک امام کی مساعدت اور باغیوں سے جن کو انھوں نے اپنے اعتقاد سے باغی سمجھا تھا پیچھے رہنا حلال نہیں تھا۔

دوسری قسم کا معاملہ اس کے برخلاف تھا یعنی اس نے اپنے اجتہاد سے

حق کو دوسری جانب سمجھا اس نے بھی اپنے امام کی مساعدت اور جن کو اس نے باغی سمجھا اس نے قتال کرنا واجب جانا۔

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جن کے سامنے مسئلہ واضح شکل میں نہیں تھا اور وہ اس باب میں متحیر تھے ان کے لئے طرفین میں سے کسی کو ترجیح ظاہر نہیں ہوئی اسلئے وہ دونوں جماعتوں سے الگ رہے۔ اور یہ الگ رہنا ہی ان کے لئے واجب اور ضروری تھا اسلئے کہ کسی مسلمان کے خلاف قتال پر اقدام جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کو یقین ہو کہ اس سے قتال کرنا واجب ہے اور وہ اس کا مستحق ہے۔ اگر ان لوگوں کو یعنی تیسری قسم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ان سابق دو فریقوں میں سے کوئی ایک فریق حق پر ہے تو ان کیلئے اس کی نصرت و حمایت سے باز رہنا اور باغیوں سے قتال نہ کرنا جائز نہ ہوتا۔

اسلئے اس تفصیل کے مطابق سارے صحابہ معذور تھے سب سے اللہ راضی ہو۔

اسی وجہ سے اہل حق کا اتفاق ہے اور ان کا جن کا اجماع معتبر ہے کہ ان سب کی شہادت قبول کی جائے گی اور ان کی روایت مقبول ہوگی اور یہ کہ وہ اپنے کمالِ عدالت میں پہلے جیسے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین" (شرح مسلم صفحہ ۲۷۲ ج ۲)

مشاجرات صحابہ کے بارے میں یہ ہے وہ معتدل فیصلہ اور عقیدہ جس پر اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے، امام نووی نے جو فقہ و حدیث کے مسلم الثبوت امام ہیں، جو اپنے کمالاتِ علمی و عملی میں افراد زمانہ میں سے تھے جن کی شرح نے عالم اسلام میں قبول عام حاصل کیا اور علمائے زمانہ نے اس پر اعتماد کیا ہے اس مسئلہ کی جو تشریح کی ہے اس سے صحابہ کرام کی عظمت و قدر میں کوئی دھبہ بھی پیدا نہیں ہوتا اور مسئلہ اپنی واضح شکل کے ساتھ نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور صحابہ کرام کی پوزیشن بھی صاف ہو جاتی ہے۔

امام نووی نے جو بات فرمائی ہے یہی سارے محتاط اہلسنت والجماعت کا فیصلہ ہے اور سب نے اس مسئلہ کو اجتہادی قرار دیا ہے۔

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

قلت الظاهر اختلاف الخلاف ایضا من باب اختلاف فروع الدین الناشی من اجتهاد کل لامن الغرض الدنیوی الصادر عن الحظ النفس فلا یقاس الملوک بالحدادین۔
(مرقاۃ من حاشیۃ المشکوٰۃ ص ۵۵۴)

میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہی ہے کہ خلافت کے سلسلہ میں اختلاف بھی دین کے انھیں فروعی اختلاف کی قسم سے ہے جو ہر ایک کے اجتہاد سے رونما ہوتا ہے نہ یہ کہ اس کا منشا کوئی دنیوی غرض اور حظ نفس تھا۔ بادشاہوں کو لوہاروں پر نہیں قیاس کیا جا سکتا۔

اور شرح السنۃ میں ابو منصور بغدادی کا یہ کلام نقل کیا ہے۔

"جو جنگ صحابہ کے درمیان واقع ہوئی اس کی وجہ یہ رہی کہ ہر جماعت کو شبہ پیش آیا۔ اس شبہ کی وجہ سے اس نے خود کو برسر حق سمجھا۔ سارے صحابہ ان جنگوں میں تاویل کرنے والے تھے اس کی وجہ سے ان میں کا کوئی عدالت سے نہیں نکلا اسلئے کہ سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا۔

ان کا اختلاف اس بارے میں بھی ایسا ہی رہا جیسے دوسرے مسائل میں مجتہدین مختلف ہو جاتے ہیں اس کی وجہ سے کسی کی تنقیص لازم نہیں آتی۔"

(مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

ارشاد الفحول میں شوکانی نے کیا طبری محدث کا یہ کلام ذکر کیا ہے۔

واما ما وقع بینهم من الحروب والفتن فتلک الامور مبنیة علی الاجتهاد وکل مجتهد مصیب او المصیب واحد والمخطی معذور بل ماجور وکما قال عمر بن عبد العزیز تلک دماء طهر الله منها سیوفنا

صحابہ کے درمیان جو جنگ اور فتنے واقع ہوئے یہ سب امور مبنی بر اجتہاد تھے اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یا مصیب ایک ہوتا ہے لیکن مخطی معذور ہوتا ہے بلکہ ماجور ہوتا ہے اور اس بارے میں بات وہ ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ یہ ایسے خون ہیں کہ جن سے اللہ نے ہماری

فلا تخفیف بھا السنتنا۔ (ارشاد الفحول ص ۶۶) — تلواروں کو صاف ستھرا رکھا ہے ہم اس سے اپنی زبانوں کو آلودہ نہیں کریں گے۔

عالم ربانی امام شعرانی الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں۔

"چوالیسواں مبحث اس بات کے وجوب کے بیان میں کہ صحابہ کے مابین جو اختلافات رونما ہوئے اس سے رکنا واجب ہے اور یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ اس باب میں ماجور ہیں۔

اسلئے کہ سارے صحابہ خواہ وہ فتنوں میں شریک ہوئے ہوں یا نہ شریک ہوئے ہوں باتفاق اہل سنت عادل تھے اور یہ اسلئے ضروری ہے کہ ہم ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور ہم اس کو اجتہاد پر محمول کرتے ہیں یہ سب پیش آمدہ امور اجتہادی تھے اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یا مصیب ایک ہوتا ہے اور مخطی معذور اور ماجور ہوتا ہے۔" (الاسالیب البدیعہ ص۱۸)

اور اس کے بعد اسی کتاب الیواقیت میں مشہور محدث ابن الانباری کا یہ کلام نقل کیا ہے۔

ولیس المراد بعدالتھم ثبوت العصمۃ لھم واستحالۃ المعصیۃ منھم وانما المراد قبول روایاتھم لنا احکام دیننا من غیر تکلف ببحث عن اسباب العدالۃ طلب التزکیۃ ولم یثبت لنا الیٰ وقتنا ھذا شئ یقدح فی عدالتھم فنحن علیٰ استصحاب ما کانوا علیہ فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ

صحابہ کرام کی عدالت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے لئے عصمت ثابت ہے اور ان سے معصیت کا صدور محال ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ انھوں نے ہم سے جو دین کے احکام نقل کئے ہیں وہ بغیر کسی تکلف اور عدالت کے اسباب کی بحث کے اور بلا طلب تزکیہ اسے قبول کیا جائے گا۔

ہمارے اس زمانہ تک کوئی ایسی بات ان سے صادر نہیں ہوسکی جو ان کی عدالت میں قادح بن سکے اسلئے ہم ان کے بارے میں وہی خیال رکھتے ہیں

یثبت خلافہ ۔ جس حال پر وہ آنحضورؐ کے زمانہ میں تھے الا یہ کہ

- - - - - - - کوئی بات اس حال کے خلاف ثابت ہو۔

اس کلام میں ذرا آپ غور فرمائیں یہ ابن الانباری کسی معمولی شخصیت کا نام نہیں ہے، ان کا شمار جلیل القدر محدثین میں ہوتا ہے، حدیث کے علاوہ یہ دوسرے فنون میں بھی کامل تھے ادب و تاریخ ان کا خاص موضوع رہا ہے ان کی وفات ۳۲۸ھ میں ہوئی، وہ فرما رہے ہیں کہ آج تک صحابہ کے بارے میں ہمیں کوئی ایسی بات معلوم نہ ہو سکی جو ان کی عدالت و ثقاہت کیلئے قادح بن سکے۔

اب اگر کوئی آج کا محقق یہ دعویٰ کرے کہ ان صاحب کا مطالعہ اتنا وسیع نہیں تھا اور ابن الانباری کے سامنے حقائق واضح شکل میں ظاہر نہیں ہوئے، اس نے خود جو تحقیق کی ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں تاریخ کے اوراق کھنگال کر کے جو معلومات مہیا کی ہیں وہی حق ہے، تو درحقیقت وہ اپنی جہالت کا اعلان کر رہا ہے اسے پتہ نہیں کہ یہ ابن الانباری کون ہیں اور علوم دینیہ میں وہ کس مقام و مرتبہ کے آدمی ہیں۔

یہ تاریخی روایتیں اور حکایتیں جو اس نے صحابہ کرام کی معائب شماری میں پیش کی ہیں ان سے ابن الانباری اور دوسرے ائمہ دین اور علمائے امت بھی واقف تھے، تاریخ کی کتابیں نئی نہیں ہیں جو ان علماء کے سامنے نہ رہی ہوں لیکن ان علماء امت نے ان تاریخی روایتوں پر کتاب و سنت کو مقدم کیا ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں ان کا فیصلہ تاریخ کی روشنی میں نہیں کتاب و سنت کی روشنی میں ہوتا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری　　　　قسط ۳

اعیان العباد
یعنی
اللہ والے

مسلم بن یسار بصری

عابد وزاہد، مقتدائے وقت، بصرہ کے رہنے والے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور اپنے والد حضرت یسار رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی، امام محمد بن سیرین حضرت قتادہ، حضرت ثابت بنانی جیسے جلیل القدر علماء و محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔

اپنے وقت کے بڑے فاضل انسان تھے، فقہائے بصرہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، عبادت و زہد میں لگے رہنے کی وجہ سے ان سے روایت کم مروی ہے، اور ان کے شاگردوں کی تعداد مختصر ہے۔

حضرت ابن عون کہتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں یہ سب سے بڑھ کر فضل و کمال والے تھے ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں تھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ کان ثقۃ، فاضلا عابدا ورعا یعنی مسلم بن یسار ثقہ، فاضل عابد اور پرہیزگار آدمی تھے۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ بصرہ کے پانچ فقہاء میں سے یہ ایک تھے۔

مسلم بن یسار انتہائی خشوع اور خضوع سے نماز پڑھتے تھے، بڑے بڑے فقہاء اور علماء کو تمنا ہوتی کہ کاش ان کو بھی مسلم بن یسار جیسی نماز کی کیفیت و خشوع و استغراق

حاصل ہوتا، علاء بن زیاد کہتے ہیں کہ اگر مجھے کسی چیز کی تمنا تھی تو یہی کہ حسن بصری کا علم فقہ، مطرف کا زہد و ورع اور مسلم بن یسار کی نماز مل جاتی، ان کے صاحبزادہ فرماتے ہیں کہ ہمارے والد جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا کہ کوئی کھونٹا ہے جو گاڑ دیا گیا ہے، بدن میں ذرا بھی حرکت نہ ہوتی، خود مسلم بن یسار گھر والوں سے کہتے کہ جب میں نماز میں رہوں تو تم لوگ خوب باتیں کر سکتے ہو، مجھے تم لوگوں کی باتوں کا پتہ نہیں چلتا، نماز میں ان کے استغراق کا عالم یہ تھا کہ یہ نماز پڑھ رہے تھے اور گھر میں آگ لگ گئی، لوگوں نے آگ پر قابو بھی پالیا مگر یہ نماز میں ایسے لگے ہوئے تھے کہ ان کو کچھ پتہ نہیں چلا کہ گھر میں کیا حادثہ پیش آیا۔

ان کی کرامت کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، ان کا معمول تھا کہ یہ ہر سال حج کیا کرتے تھے، اور اپنے خرچ سے حاجیوں کا ایک قافلہ اپنے ساتھ لیجاتے تھے۔ ایک سال حج کا جب موسم آیا تو حج کے لئے روانہ نہیں ہوئے، لوگوں نے سمجھا کہ اس سال شاید حج کا ارادہ نہیں ہے، لیکن جب وقت بالکل قریب آگیا تو انھوں نے ان لوگوں سے جو ان کے ساتھ حج میں جایا کرتے تھے کہا کہ چلو ہم حج کے لئے روانہ ہو رہے ہیں، لوگوں نے کہا کہ اب حج کے زمانہ تک مکہ مکرمہ پہونچنا اور حج کا پانا ممکن نہیں ہے، مگر انھوں نے لوگوں پر زور دیا کہ نہیں حج کے لئے چلنا ہے، بہرحال لوگ تیار ہوئے، بہت زیادہ انکار کرنا لوگوں نے مناسب نہ سمجھا، جب چلتے چلتے رات ہو گئی تو بڑے زور کی آندھی چلی، آندھی کا زور اتنا سخت کہ گرد و غبار کی کثرت کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے کو دیکھ نہیں رہا تھا، رات یوں گذر رہی تھی، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ مکہ مکرمہ کی پہاڑیاں سامنے ہیں اور لوگ مکہ پہونچ چکے ہیں، سب نے اللہ کا شکر ادا کیا، مگر تعجب سے ہر ایک دوسرے کو دیکھ رہا تھا۔ تو مسلم بن یسار نے کہا کہ تعجب کی کیا بات ہے، یہ سب اللہ کی قدرت سے ہوا۔

مسلم بن یسار کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۰۴)

خالد بن معدان

خالد بن معدان اہل شام کے شیخ تھے، بہت سے صحابہ کرام سے انھوں نے حدیث روایت کی ہے، لیکن زیادہ تر یہ احادیث مرسل ہیں۔

ان کے شاگردوں میں محمد بن ابراہیم التیمی، حسان بن عطیہ، فضیل بن فضالہ، ہشر بن یزید، اسود بن حکیم، بحر بن سعد وغیرہ اجلاء محدثین ہیں۔

خالد بن معدان فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے ستر صحابہ کرام کو پایا ہے، انکی ہیبت کا عالم یہ تھا کہ جس مجلس میں ہوتے تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان کے سامنے دنیا کا تذکرہ کرے۔ حبیب بن صالح کہتے ہیں کہ ہم جتنا خالد بن معدان سے ڈرتے تھے کسی اور سے اتنا نہیں ڈرتے تھے۔

شوق رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار صحابہ کرام کے شوق کا ان پر انتہائی غلبہ تھا۔ بڑی محبت سے اور عاشقانہ انداز میں یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تذکرہ کرتے تھے اور پھر ہر ایک کا نام لے کر کہتے۔ ھم اصلی وفصلی والیھم یحن قلبی طال شوقی الیھم فعجل ربی قبضی الیك حتی یغلبة النوم۔

یعنی جب حضرت خالد سونے کے لئے بستر پر جاتے تو صحابہ کرام کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے۔ یہی لوگ میری اصل ہیں، اور یہی لوگ میری پہچان ہیں، میرا شوق ان کی طرف دراز ہو چکا ہے۔ اے اللہ جلد آپ مجھے اپنے پاس بلالیں۔ یہی کہتے کہتے سو جاتے تھے۔

حضرت خالد فرماتے تھے کہ اللہ نے ہر شخص کو چار آنکھیں دی ہیں، دو آنکھ سر میں ہے جن سے وہ دنیا کو دیکھتا ہے، اور دو آنکھ دل میں ہے جن سے وہ آخرت کی چیز دیکھتا ہے۔

اور جب اللہ کسی کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتا ہے تو فتح عینیہ اللتین فی قلبہ اس کی وہ دونوں آنکھیں کھول دیتا ہے جو اس کے دل میں ہوتی ہیں، تو بندہ ان سے غیب کی ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کا اللہ نے بندہ سے وعدہ کیا ہے۔

بقیہ ص۵۵ پر

محمد اجمل مفتاحی

از محمد ابوبکر غازی پوری

دعاءِ قنوت کیلئے ہاتھ اٹھانے کے بعد اس کا دوبارہ باندھنا

مکرمی حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میں کئی روز سے فون لگا رہا تھا لیکن رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا، اب جو زمزم کا نیا شمارہ ملا تو اس سے آپ کا نیا موبائیل کا نمبر معلوم ہوا، پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے رمضان اور شوال والا زمزم نہیں ملا برائے کرم اسے بھیجدیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ ہمارا ایک رشتہ دار غیر مقلدوں کے ایک ادارہ میں کام کرتے ہیں، ان سے غیر مقلدوں نے سوال کیا ہے کہ حنفیہ جو وتر میں رفع یدین کے بعد دعاء قنوت پڑھتے وقت ہاتھ باندھتے ہیں یہ کون سی حدیث سے ثابت ہے، براہ کرم اس کا جواب بذریعہ خط جلد دیں اور مناسب ہو تو زمزم میں بھی اس کا جواب شائع کر دیں۔ والسلام

وحید الرحمٰن مدرسہ تعلیم الدین مہوا

پوسٹ لوگڈھ سدھارتھ نگر

زمزم! آپ کا فون اس وقت آیا تھا جب میں ظہر بعد سو رہا تھا، موبائیل کی گھنٹی سے نیند کھلی، رمضان وشوال والا پرچہ آپ کو دوبارہ بھیجا جا رہا ہے۔

فون پر آپ نے جو سوال کیا تھا اس کے بارے میں عرض ہے کہ کبھی سوال تو ہوتا ہے تحقیق کے لئے جیسا کہ آپ نے سوال کیا اور کبھی سوال کا منشاء محض شرارت ہوتا ہے جیسا کہ غیر مقلدوں نے آپ کے رشتہ داروں سے سوال کیا کہ دعاء قنوت میں رفع یدین کے بعد ہاتھ باندھنا کس

حدیث سے ثابت ہے؟ یہ محض شرارت کے لئے سوال ہے اور یہ دکھلانا ہے کہ احناف بلا دلیل
فقہی مسائل پر عمل کرتے ہیں۔ غیر مقلدین کی اس قسم کی شرارت کی عام عادت ہے۔ میں نے اس
سوال کو انکی شرارت اسلئے کہا کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ حالتِ قیام میں جب قیام کا بقا رکن مستقل
رکن کی حیثیت سے ہو تو مصلی ہاتھ باندھ کر ہی کھڑا ہوتا ہے، دعا رقنوت کے لئے محض ہاتھ اٹھانے
سے وضع سابق بدلی نہیں، جب سابقہ حالت اور وضع بدلی نہیں اور جیسے پہلے مصلی حالتِ
قیام میں تھا ویسے ہی اب بھی حالتِ قیام ہی میں ہے، تو جس طرح ہاتھ باندھ کر پہلے کھڑا تھا
اب بھی وہ اسی طرح کھڑا رہے گا۔

صحابہ کرام نے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا جو نقشہ احادیث کی کتابوں میں پیش
کیاہے، اس میں رفع یدین کے بعد حالتِ قیام میں وضع الیمین علے الشمال یا وضع الذراع علے
الذراع کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں رفع یدین کے بعد
قیام فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اس حالت کا
بیان احادیث کی عام کتابوں میں ہے، پس حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنا ایک دو حدیث سے نہیں
بلکہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے، اور جو بات احادیث کثیرہ سے ثابت ہو اس کے بارے میں
یہ سوال کرنا کہ وہ کس حدیث سے ثابت ہے محض شرارت ہے، یہ تو اس طرح کا سوال ہوا کہ کوئی
غیر مقلدین سے پوچھے کہ تم جو نماز میں کھڑے ہو کر کمر کھجلاتے ہو یا سر کھجلاتے ہو اور پھر سینہ پر ہاتھ باندھ
لیتے ہو یہ کس حدیث سے ثابت ہے؟

آپ حضرات سے ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ آپ لوگ صرف غیر مقلدین ہی کو سوالات
کا موقع نہ دیں۔ ان سے بھی سوالات کرنے کی عادت ڈالیں۔ آپ حضرات اسی موقع پر اور
اسی مسئلہ میں غیر مقلدین سے سر اور کمر کھجلانے والے سوال کے بعد درج ذیل سوال کر کے ان سے
جواب حاصل کریں۔

(۱) پہلا سوال یہ ہے کہ غیر مقلدین دعاء قنوت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، ان کا یہ عمل
کس حدیث سے ثابت ہے؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ غیر مقلدین بلا تکبیر کہے ہوئے دعار قنوت میں ہاتھ اٹھاتے ہیں تکبیر کا نہ کہنا کس دلیل سے ثابت ہے ؟

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ غیر مقلدین دعار قنوت سراً پڑھتے ہیں یا جہراً، اگر سراً پڑھتے ہیں تو اس کی حدیث پیش کریں، اور اگر جہراً پڑھتے ہیں تو اس کی حدیث پیش کریں ؟

(۴) چوتھا سوال یہ کریں کہ فتاویٰ اہلحدیث جلد ۳ ص ۲۰۶ میں لکھا ہے کہ دعار قنوت رکوع کے بعد پڑھنا مستحب ہے۔ بخاری شریف میں رکوع کے بعد ہے

اگر غیر مقلدین سچے ہیں تو بخاری شریف میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی دکھلائیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وتر کی دعار قنوت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد پڑھا ہو۔

اگر آپ اسی مسئلہ میں غیر مقلدین سے یہ چند سوالات کرلیں تو ان کی ساری اہلحدیثیت ہوا ہو جائے گی، غیر مقلدین کی بیمار ذہنیت کی بات اس مسئلہ میں قدم قدم پر نظر آتی ہے، اور یہ کس قدر فریب سے کام لیتے ہیں تعجب ہوتا ہے، صادق سیالکوٹی نے اپنی مشہور کتاب صلوٰۃ الرسول میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ دعار قنوت رکوع کے بعد ہے ص ۲۵۹ —— ۲۶۰ نسائی اور ابوداؤد سے دو حدیثیں ذکر کی ہیں، حالانکہ ان احادیث کا تعلق قنوت نازلہ سے ہے، وتر والی قنوت سے نہیں ہے، بات کہاں کی تھی اور جوڑ کہیں دیا، اسی طرح انھوں نے مسلم شریف کے ایک باب سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قنوت رکوع کے بعد ہے فرماتے ہیں۔ امام نووی شارح مسلم باب استحباب القنوت میں فرماتے ہیں۔ ومحل القنوت بعد رفع الراس فی الرکعۃ الاخیرۃ۔ اور قنوت کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۲۶۰ حاشیہ)

یہاں بھی انھوں نے دھوکا دیا ہے، اس باب کا تعلق قنوت نازلہ سے ہے وتر کی قنوت سے نہیں ہے، حکیم صاحب نے اس باب کے شروع کی عبارت چھوڑ دی ہے، جس سے انکی خیانت واضح ہو رہی تھی، باب کے شروع کی عبارت یہ ہے۔

باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوٰۃ اذا نزلت بالمسلمین نازلۃ والعیاذ باللہ۔ یعنی قنوت کے مستحب ہونے کا باب تمام نمازوں میں جب

مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو۔ العیاذ باللہ

غرض اسی مسئلہ قنوت میں غیر مقلدین دھوکا فریب، خیانت، شرارت سب سے کام لے رہے ہیں، اور بے شرم اتنے ہیں کہ شیشہ کے گھر میں رہتے ہوئے آہنی دیواروں کے قصر ہائے شاہی پر پتھر پھینکتے ہیں۔

اگر اب آپ حضرات سے غیر مقلدین کوئی سوال کریں تو پہلے ان سے ان چاروں مذکورہ سوالات کا جواب احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ کی روشنی میں حاصل کریں، تب ان کے سوالات کیطرف توجہ فرمائیں۔

الحمد للہ آپ حضرات کی رہنمائی کے لئے اور غیر مقلدین کے اعتراضات وسوالات کا جواب دینے کے لئے ہم جیسے بہت سے لوگ موجود ہیں، مگر غیر مقلدوں کی نحوست یہ ہے کہ انکی جماعت میں آپ کے سوالات کا جواب دینے کے لئے نہ ان کا کوئی عالم آگے آئے گا اور نہ جاہل، اگر تجربہ کرنا ہو تو ابھی مذکورہ چاروں سوالات کے جوابات ان سے احادیث کی روشنی میں معلوم کریں۔ چونکہ ان کے عالم و جاہل جواب دینے سے عاجز رہتے ہیں تو انھوں نے اپنی خو یہ بنائی ہے کہ صرف سوال کرو، غیر مقلدوں کے اس مکر کو آپ حضرات خوب سمجھ لیں۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

نوٹ :۔ اس سوال کے جواب سے مختصراً صاحب سوال کو بذریعہ خط مطلع کر دیا گیا تھا۔ افادہ عام کے لئے اب قدرے بسط سے یہ جواب شائع کیا جا رہا ہے۔

محمد عبداللہ غازی پوری قسط ۹

بریلوی مذہب پر ایک نظر

وہابی آمین بالجہر کیوں کہتا ہے

احمد رضا خاں سے سوال ہوا کہ وہابی آمین بالجہر کیوں کہتا ہے، اعلیٰ حضرت جواب میں یوں گوہر افشاں ہوئے۔

ان کا مقصود صرف مسلمانوں کی مخالفت ظاہر کر کے اپنا ایک گروہ جدا قائم کرتا ہے (احکام شریعت ص۵ ج۱)

فائدہ :۔ اعلیٰ حضرت کو شاید نہیں معلوم کہ آمین بالجہر صرف وہابی ہی نہیں کہتے ہیں امت کا ایک بڑا طبقہ اس کا قائل ہے اور ان کے پاس احادیث سے ایسے قوی دلائل ہیں کہ ان کا جواب دینا اعلیٰحضرت اور ان کے اذناب واتباع کے بس کی بات نہیں ہے اسلئے اعلیٰ حضرت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ ہر پھٹے میں ٹانگ نہ اڑائیں اور اپنے مشغلہ خاص یعنی تکفیر مسلم اور تجدید بدعات میں چپ چاپ لگے رہیں۔

حضرات گنگوہی، حضرات نانوتوی، حضرات تھانوی کے بارے میں اعلیٰحضرت کا تبرا

ان حضرات ثلاثہ کے بارے میں اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ رقمطراز ہیں۔

یہ سب کفار و مرتد ہیں، اور یہ کہ من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو ان کے کفر

میں شک کرے وہ بھی کافر کہ ان کو پیشوا و سرتاج اہل سنت جاننا بلاشبہ جو ایسا جانے ہرگز صرف بدعتی و بدمذہب نہیں قطعاً کافر و مرتد ہے ـــــ بلاشبہ اس سے دور بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا، اس سے بغض، اس کی اہانت اس کا رد فرض ہے، اور توقیر حرام و ہدم اسلام، اس سے سلام کرنا حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کے ساتھ کھانا پینا حرام اس کے ساتھ شادی بیاہ حرام، اور قربت زنائے خالص اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازہ میں شرکت اسے مسلمانوں کا سا غسل و کفن دینا حرام، اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا، اس کے جنازہ کی مشایعت حرام، اس سے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام، اس کے لئے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر ہے۔ (عرفان شریعت ص ۲۴ / ۳۳ / ۳۲)

فائدہ :- اعلحضرت علیہ ماعلیہ پر تکفیر و تخریج کا ایسا جنون تھا کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ فتویٰ صادر فرما رہے ہیں تین حضرات کے بارے میں اور عربی من شک فی کفرہ وعذابہ۔ استعمال کر رہے ہیں جب کہ ان کو کفرھم وعذابھم کہنا چاہئے تھا۔

ہمارے ایک دوست نے بابا قلندر و اس مجاور مزار لوگرا پیر سے پوچھا کہ اعلحضرت تو اس عبارت میں تیغ بے نیام نظر آ رہے ہیں تو اس نے کہا کہ جی ہاں میں نے شاہ جی ولایت علی سے سنا ہے کہ اس موقع پر اعلحضرت پر ایسا جوش سوار تھا کہ ازار بند کے کئی ٹکڑے ہو کر فضا میں اڑ رہے تھے اور ان کے چہرہ میں وہ ناریت ابھر آئی تھی کہ لوگ اپنا ہاتھ تاپ رہے تھے اور چہرہ کبھی سوا ہاتھ لمبا ہوجاتا تھا اور کبھی سوا ہاتھ چوڑا اور جوش کا یہ عالم تھا کہ اتفاق سے جو گوز ماری تو وہ آواز تھی کہ لوگوں نے سمجھا کہ امریکہ نے دوبارہ ہیروشیما پر ایٹم بم گرایا ہے۔

میں نے کہا بیشک اگر اس قدر جوش ایمان نہ ہو تو دیوبندیت کے قلعے مسمار کیسے ہونگے۔

نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے

اعلحضرت سے سوال ہوا، نماز جمعہ یا عیدین بعد و یا بعد صلوٰۃ پنجگانہ مصافحہ کرنا

کیسا ہے ؟

ارشاد ہوا، جائز ہے ۔ نسیم الریاض میں ہے ۔ الاصح انھا بدعۃ مباحۃ ۔

(ملفوظات ص ۷۷ ج ۱)

فائدہ :۔ غنیمت ہے کہ اعلیٰحضرت نے دعویٰ کی دلیل پیش کر دی، البتہ خیانت یہ کی کہ عربی عبارت جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یعنی صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک جائز بدعت ہے ۔ عبارت کا ترجمہ نہ کیا ۔ بہرحال اتنا تو معلوم ہو گیا کہ یہ عمل بدعت ہے نہ آنحضورؐ کے زمانہ میں تھا، نہ صحابہ و تابعین کے ۔ بریلوی حضرات تو اس بدعت کو فرض سے بھی زیادہ مرتبہ دیتے ہیں ۔

ہولی کی مٹھائی

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا، کافر جو ہولی و دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں یہ مسلمانوں کو لینا جائز ہے یا نہیں ؟ ارشاد ہوا ۔

اس روز نہ لے، ہاں اگر دوسرے روز دے تو لیلے، نہ یہ سمجھ کر کہ ان خبثا کے تہوار کی مٹھائی ہے بلکہ مال موذی نصیب غازی سمجھے ۔ (ملفوظات ص ۱۰۳ ج ۱)

فائدہ ۔ اگر ان مٹھائیوں کو مال موذی نصیب غازی ہی سمجھ کر لینا ہے تو پہلے ہی روز کیوں نہ لے لینے والا چاہے یہ سمجھے یا نہ سمجھے کہ یہ انکے تہوار کی مٹھائی ہے مگر ہے تو وہ تہوار ہی کی مٹھائی نہ سمجھنے سے حقیقت تو بدلے گی نہیں ، ،مال موذی نصیب غازی ، ، والا اعلیٰحضرت کا قاعدہ بریلوی حضرات کیلئے خاص نفع کی چیز ہے ۔

وہابیہ کی نماز اور مسجد

احمد رضا خاں علیہ ما علیہ سے پوچھا گیا ۔

وہابیہ کی جماعت چھوڑ کر الگ نماز پڑھ سکتا ہے ؟ ارشاد ہوا ۔

نہ ان کی نماز، نماز ہے، نہ ان کی جماعت، جماعت ۔ (ملفوظات ص ۱۰۶ ج ۱)

نیز خانصاحب سے سوال ہوا، وہابیہ کی بنائی ہوئی مسجد مسجد ہے یا نہیں ؟

ارشاد ہوا۔ کفار کی مسجد مثل گھر کے ہے۔ (ایضاً ص)

فائدہ :- یعنی وہابیہ چونکہ کافر ہیں اس وجہ سے ان کی بنائی ہوئی مسجد مثل گھر کے ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ گھر میں جہاں چاہے پیشاب یا پاخانہ کیا جائے اسلئے دیوبندیوں کی مسجد میں بریلوی حضرات بلا تکلف خانصاحب کے اس فتویٰ کی روشنی میں پیشاب پاخانہ کرسکتے ہیں۔ خانصاحب کے اس فتویٰ نے بریلوی حضرات کے لئے ایک عمدہ بیت الخلاء تجویز کردیا۔ معاذ اللہ من ھذا الھفوات یہ ہے خانصاحب کی شریعت۔

وہابی کی اذان

خانصاحب سے پوچھا گیا، وہابی مؤذن کی نماز کا اعادہ کیا جائے گا یا نہیں؟

ارشاد ہوا، جس طرح ان کی نماز باطل اسی طرح اذان بھی، ہاں تعظیماً اللہ کے نام پر جل شانہ اور نام اقدس پر درود شریف پڑھے۔ (ایضاً)

فائدہ :- کسی شئی کے بطلان کے لئے پہلے اس کا تحقق ضروری ہے معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحب کے نزدیک وہابیہ کی نماز کا تحقق ہوتا ہے، اگر یہ بات ہے تو پھر خانصاحب بتلائیں کہ کیا کسی کافر کی نماز کے تحقق کے وہ قائل ہیں۔ اگر ہیں تو اعلان کرنا چاہئیے اگر نہیں تو پھر یہ ان کی بات غلط کہ وہابیہ کی نماز باطل غالباً خانصاحب کے ذہن سے یہ نکتہ نکل گیا۔

اسمٰعیل شہید دہلوی یزید کی طرح

خانصاحب علیہ ما علیہ سے پوچھا گیا، اسمٰعیل دہلوی کو کیا سمجھنا چاہیئے؟

ارشاد ہوا۔ میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے، اگر کوئی کافر کہے تو ہم منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں البتہ غلام احمد، سید احمد، رشید احمد، اشرف علی کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔ (ملفوظات ص ۱۱۲، ۱۱۱ ج ۱)

فائدہ :- خانصاحب کا یہ کلام خود ان کو کافر بنا رہا ہے اور تضاد سے بھرا ہے

نیز یہ بڑا گول مول کلام ہے ۔ میں پوچھتا ہوں کہ یزید خانصاحب کے یہاں کافر ہے یا مومن اگر کافر ہے تو اسے کافر کہنا چاہیئے اگر مومن ہے تو اس کے ایمان کا اقرار کرنا چاہیئے ۔ یہی دو شکل ہے تیسری کوئی شکل نہیں ۔ اور چوں کہ حضرت اسمٰعیل بھی خانصاحب کے یہاں یزید ہی کی طرح ہیں تو ان کے بارے میں بھی یہی سوال ہے ۔ خوب یاد رہے کہ خاں صاحب حضرت اسمٰعیل شہید کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں، اسی پر ان کا فتویٰ ہے ۔ یہی ان کا مذہب ہے، یہی ان کے نزدیک درستگی کی بات ہے ۔ اسی میں ان کے نزدیک سلامتی ہے، اور اسی پر ان کا اعتماد ہے ۔

حضرت اسماعیل شہید کے ایمان واسلام کا خانصاحب نے بڑے پُر زور لفظوں میں اعتراف واقرار کیا ہے ۔ اسلئے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضرت اسمٰعیل شہید کو خانصاحب مسلمان ہی سمجھتے ہیں ۔ اس بات کو سمجھ لینے کے بعد اب میں کہتا ہوں کہ خانصاحب اپنے اقرار سے خود کافر ہو گئے، اسلئے کہ سید احمد شہید کے متعلق ان کا اقرار ہے کہ ان کے کفر میں جو شک کرے وہ کافر ہے ۔ حضرت اسمٰعیل شہید ان کے مرید اور خلیفہ تھے ان کو وہ مسلمان ہی نہیں اعلیٰ درجہ کا مسلمان اور ولی اللہ سمجھتے تھے، زندگی بھر ان کے ساتھ رہے اور انھیں کے ساتھ معرکہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے اسلئے خانصاحب کے فتویٰ کی رو سے وہ کافر ہوئے، اور خانصاحب اس کافر کو مسلمان سمجھتے ہیں اور یہی ان کا فتویٰ اور مذہب ہے ۔ اور قاعدہ ہے کہ کافر کو مسلمان جاننا کفر ہے، خانصاحب نے اس بات کو خود بار بار کہا ہے، اسلئے خانصاحب اپنے اقرار سے خود کافر ہو گئے کہ انھوں نے ایک کافر کو مسلمان کہا ۔

دیکھا آپ نے اللہ کے ولیوں کے ساتھ گستاخی کا یہ ثمرہ ہے کہ الٹا پھندا خود خانصاحب کی گردن میں لٹک گیا ۔

اللہ میاں کہنا جائز نہیں

خاں صاحب سے پوچھا گیا، اللہ میاں کہنا جائز ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا :

"زبان اردو میں لفظ میاں کے تین معنی ہیں، ان میں سے دو ایسے ہیں جن سے شانِ الوہیت پاک اور منزہ ہے، اور ایک کا صدق ہو سکتا ہے، تو جب لفظ دو خبیث معنوں اور ایک اچھے

معنی میں مشترک ٹھہرا اور شرع میں وارد نہیں تو ذاتِ باری پر اس کا اطلاق ممنوع ہوگا۔
اس کے ایک معنی مولا اللہ بیشک مولا ہے، اور دوسرے معنی شوہر، تیسرے معنی
زنا کا دلال کہ زانی اور زانیہ میں متوسط ہو۔ (ملفوظات ج ۱ ص ۱۱۳)

فائدہ :- یہ نکتہ پہلی دفعہ خانصاحب نے حل کیا کہ اللہ میاں کہنا جائز نہیں،
اسلئے کہ اس کے دو معنی خراب ہیں اور ایک معنی اچھا اور جب کوئی لفظ اچھے اور خراب معنی
میں مشترک ہو تو اس کا اطلاق اللہ کی ذات پر درست نہیں، نیز شرع میں یہ لفظ وارد بھی
نہیں ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میاں لفظ اردو ہے شریعت میں یہ وارد کہاں سے ہوگا کیا
قرآن وحدیث اردو میں ہے کہ خانصاحب اس لفظ اردو کو شریعت میں تلاش کر رہے ہیں؟
نیز پروردگار، خدا کارساز وغیرہ بھی اللہ کے لئے ناجائز ہونا چاہیئے اسلئے کہ ان الفاظ کا
ذکر بھی شریعت میں نہیں ہوا ہے، نیز لفظ مولیٰ کے بھی اچھے اور برُے معنی ہیں مثلاً مولیٰ کے
معنی غلام بھی آتا ہے اور آقا بھی اسلئے یہ اس کا استعمال بھی اللہ کیلئے درست نہ ہونا چاہیئے
حالانکہ اعلیٰحضرت اس کا استعمال بلا تکلف اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ اگر بریلوی حضرات یہ کہیں کہ
مولیٰ کا لفظ اس لئے اللہ کے لئے جائز ہے کہ یہ لفظ شریعت میں وارد ہوا ہے تو عرض ہے کہ
پھر آخر اس قاعدہ کے بیان کی کیا ضرورت تھی کہ جو لفظ اچھے اور برُے معنیٰ میں استعمال ہو اس
کا اعلان اللہ کی ذات پر نہ کرنا چاہیئے۔ اعلیٰحضرت نے صرف یہی کیوں نہ فرمایا کہ اللہ کیلئے وہی
لفظ استعمال ہوگا جو شریعت میں وارد ہوا ہو۔ یا پھر اعلیٰحضرت کو پورا قاعدہ بیان کرنا چاہیئے
تھا کہ جو لفظ اچھے اور برُے معنیٰ میں مشترک ہو اس کا استعمال اللہ کے لئے اس وقت جائز
نہیں جب کہ کسی قرینہ سے اس کا وہ معنی متعین نہ ہو جو شانِ باری کی مناسب ہے۔ اور اگر
قرینہ سے اس کا تعین ہوجاتا ہے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ قاعدہ تو پورا یہ ہے
مگر اعلیٰحضرت نے آدھا ہی قاعدہ بیان کیا آدھا چھوڑ دیا۔

اب میں کہتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ جب "میاں" کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو خود لفظ
اللہ کے ساتھ اس کا اقتران یہ زبردست قرینہ ہے کہ یہاں میاں کے معنی صرف مولیٰ اور آقا کے

ہیں کسی ادنیٰ درجہ کے مسلمان کے قلب میں دوسرے اور تیسرے معنی کا واہمہ بھی نہیں گذرتا۔
یہ تو محض اعلیٰحضرت کی ذہنیت ہے اور ان کی دماغی اپج ہے کہ وہ دور کی کوڑی لاتے ہیں۔
نیز میں کہتا ہوں کہ اعلیٰحضرت اپنے صاحبزادہ حامد رضا کو حامد میاں کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بھی ان کو حامد میاں لکھا ہے۔ میں اعلیٰحضرت سے پوچھتا ہوں کہ بقول آپ کے میاں کے تین معنی ہیں، مولیٰ، شوہر، اور زانی اور زانیہ کے مابین متوسط یعنی دلالی کرنے والا، ظاہر بات ہے کہ یہاں میاں سے مراد مولیٰ اور آقا تو ہو نہیں سکتا اسلئے کہ صاحبزادہ محترم اعلیٰحضرت کے آقا اور مولیٰ ہوں یہ خود اعلیٰحضرت کو گوارا کیوں کر ہو۔ اس کے معنی یہاں شوہر کے بھی نہیں اسلئے کہ حامد میاں اعلیٰحضرت کے شوہر نہیں ہیں بلکہ ان کے صاحبزادہ ہیں تو اب متعین ہوگیا کہ "میاں" کے معنی یہاں زانی اور زانیہ کے مابین متوسط یعنی دلالی کرنے والا ہے۔ یہ اگرچہ ہمارے لئے نیا انکشاف ہے کہ اعلیٰ حضرت کے خاندان میں یہ پیشہ بھی ہوتا رہا ہے مگر ہے یہ انکشاف ہے بڑا دلچسپ"

کمالاتِ خداوندی سب رسولؐ کو حاصل ہیں

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں! "بلاشبہ جتنے فضائل وکمالات خزانۂ قدرت میں ہیں سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے، اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ ویتم نعمتہ علیک اللہ اپنی تمام نعمتیں تم پر پوری کرے گا۔ (ملفوظات ج ۲ ص ۴۲)

فائدہ:- لیجئے یہاں اعلیٰحضرت نے رسول کو سارے کمالات میں اللہ کے برابر ہی کردیا، خیر یہ تو اعلیٰحضرت کا وہ شرکیہ کلام ہے جس کے لئے اللہ نے فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، مگر تعجب تو ہے اعلیٰحضرت کی اس جسارت پر کہ وہ بلاتکلف قرآن کے ترجمہ میں تحریف کرتے ہیں، قرآن کی اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے، اور اللہ پوری کرے گا اپنی نعمت کو تیرے اوپر اور اعلیٰحضرت ترجمہ فرماتے ہیں کہ اللہ اپنی تمام نعمتیں تم پر پوری کرے گا، کوئی اعلیٰحضرت سے پوچھے کہ یہ تمام نعمتیں قرآن کی اس آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟

محمد اجمل مفتاحی

استاد اہل

مولانا محمد صفدر امین اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ
ارشادات

فرمایا ۔ مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ خلافِ دلیل، بے دلیل، بادلیل ۔ خلاف دلیل مسئلہ کو ماننا الحاد ہے، بے دلیل مسئلہ کو ماننا بدعت ہے، بادلیل مسئلہ کو بلا مطالبۂ دلیل مان لینا تقلید ہے، اگر اچھی بات میں تقلید ہو تو اچھی ہے اور بُری بات میں تقلید ہو تو بُری ہے ۔

فرمایا ۔ اللہ نے صحابہ کے ساتھ تقویٰ کو اس طرح لازم کر دیا جیسے سورج کو روشنی اور آگ کو گرمی لازم ہے ۔ جیسے سورج کا روشنی کے بغیر اور آگ کا گرمی کے بغیر تصور نہیں ہو سکتا ایسے ہی صحابہ کا تقویٰ کے بغیر تصور نہیں ہو سکتا اسلئے فرمایا حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان پس جیسے معدہ مکھی کو ہضم نہیں کر سکتا ایسے ہی صحابہ کے قلوب کفر و فسق کو بھی قبول نہیں کر سکتے ۔

فرمایا ۔ کسی بھی دعویٰ کے لئے ثبوت دلیل کافی نہیں ہے، دیکھو جن آیات سے قادیانی وفات مسیح اور اجرائے نبوت پر استدلال کرتے ہیں ان آیات کی صحت و ثبوت میں ذرہ برابر بھی شک نہیں مگر جو مراد انھوں نے بیان کی اس کے باطل ہونے میں بھی ذرہ برابر شک نہیں صحتِ ثبوت کے ساتھ صحتِ مراد اور رفع تعارض بھی ضروری ہے، جب تک تینوں امر کی تحقیق نہ ہو تقریب تام نہیں ہوتی ۔

فرمایا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد شفا العی السوال (جو خود مسئلہ

نہ معلوم کر سکے اس کو دوسرے سے پوچھ کر شفا حاصل کرنی چاہیئے) آپ کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے، جس طرح بیمار کو حصول شفا کے لئے علاج کی ضرورت ہے، اب دنیا میں طب کی کتابیں بھی ہیں پنساری بھی ہیں ماہر طبیب بھی ہیں، مریض نہ تو براہ راست علاج کے لئے کتابوں کی طرف رجوع کرتا ہے نہ پنساریوں سے علاج کراتا ہے بلکہ ماہر طبیب سے نسخ لیتا ہے خواہ وہ طب کی کتاب مریض کو ملے یا نہ ملے اس نسخہ کے لئے وہ کسی پنساری کی تصدیق یا تردید کی بالکل ضرورت محسوس نہیں کرتا، یہی صحیح طریقہ علاج ہے اسی طرح دینی بیماریوں کی طبیب فقہا ہیں پنساری محدثین ہیں، حدیث کی کتابیں مثل کتب طب ہیں اور کتب فقہ مثل نسخہ ہیں، اسلئے ہمیں فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون ۔ (ترجمہ) پس کیوں نہیں کوچ کرتی (جہاد کیلئے) ہر قبیلہ میں سے ایک جماعت۔ یعنی جہاد کیلئے سارے کوچ نہ کریں تاکہ وہ (یعنی وہ صحابہ کرام حضور کی خدمت میں رہیں، دینی فقہ حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف لوٹ کر آئیں (یعنی میدان جہاد سے) تاکہ وہ بچیں خلاف شرع سے ۔ رجوع بھی اپنی قوم و علاقہ کے طبیب ہی کی طرف (عموماً) کیا جاتا ہے۔ اس کی مہارت بھی مسلم اور علاج بھی سہل الحصول ۔

فرمایا ۔ ہمارا نام کافروں کے مقابلے میں مسلمان ہے ۔ ھو سماکم المسلمین اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا، اہل بدعت کے مقابلہ میں اہل سنت ہیں، اور اجتہادی مسائل میں شافعی (مثلاً) کے مقابلے میں حنفی ہیں، اور عیسائیوں (مثلاً) کے مقابلہ میں محمدی ہیں، اہل سنت سے بغاوت کر کے کسی نے اپنا نام اہل قرآن رکھ لیا کسی نے اہلحدیث، کوئی احمدی بنا اور کوئی محمدی ۔

فرمایا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ہدایت ہیں (سراجاً منیراً) صحابہ کرام نجوم ہدایت ہیں (اصحابی کالنجوم) امام ابوحنیفہ امام اعظم چراغ ہدایت ہیں، حضور کا ارشاد ہے لوکان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من اھل فارس ۔

یعنی اگر دین ثریا پر بھی ہوتا تو اس کو فارس کا ایک آدمی حاصل کر ہی لیتا) یہ حدیث بخاری کتاب التفسیر، ترمذی میں تین جگہ اور ابونعیم کی کتاب میں سولہ صحابہ سے منقول ہے، اور اس کا مصداق حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ ہیں، کیونکہ فارس میں علم شریعت میں آپ سے زیادہ کوئی ماہر نہیں۔

فرمایا ۔ کہ حضرت امام اعظم کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی اور صحابہ کا دور ۱۱۰ھ تک رہا تو آپ نے بحالت شعور ۲۵ سال تک صحابہ کرام کا زمانہ پایا، اس مدت میں یقیناً آپ نے ان کے عمل کا مشاہدہ کیا ہوگا ۔ تو امام اعظم کو صحابہ کرام کے عمل کا مشاہدہ بھی تھا، اور آپ تابعی ہیں اسلئے آپ کی سند بھی عالی ہے یعنی تین چار واسطوں سے آپ حضورؐ تک پہونچ جاتے ہیں، ائمہ دین میں سے یہ خصوصیت کسی اور کو حاصل نہیں رہی ہے۔ اسلئے احناف بڑے خوش نصیب ہیں کہ ان کو تعامل صحابہ کے مشاہدہ اور علو سند والی فقہ ملی ہے ۔

فرمایا ۔ محض سند کی مثال گھڑی کی ہے، ایک آدمی کے پاس گھڑی ہے اور وہ کمرہ کے اندر بند ہے تو اس کے سامنے گھڑی تو ہے مگر سورج کی رویت اور اس کا اس کو مشاہدہ نہیں ہے تو وہ غلطی کھا سکتا ہے کہ گھڑی غلط ہو اور وہ گھڑی کے مطابق رات دن کا فیصلہ کر رہا ہے، عین ممکن ہے کہ سورج غروب ہو چکا ہو اور یہ گھڑی ابھی عصر ہی کا وقت بتا رہی ہے لیکن جو آدمی سورج کا مشاہدہ کر رہا ہے وہ غلطی نہیں کھا سکتا پس چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام کے تعامل اور اپنے زمانہ کے تابعین کے تعامل کا مشاہدہ بھی کیا تھا اس لئے فقہ حنفی کی بنیاد بہت ٹھوس ہے اس میں غلطی کا امکان کم ہے ۔

فرمایا ۔ آج کل لوگ اسلامی نظام کے حوالہ سے صرف قرآن و سنت کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ یہ مطالبہ نہ صرف دھوکا بلکہ انتہائی خطرناک بھی ہے، کیونکہ ایسا مطالبہ کرنے والا اجماع امت اور قیاس مجتہد کے دلیل شرعی ہونے کا منکر ہے جب کہ ان کے بغیر اسلامی نظام کی اصلی و حقیقی صورت پیش کرنا ناممکن ہے ۔ اسکلئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیاس شرعی کا منکر بدعتی ہے اسے عدالت شرعیہ کا قاضی بنانا جائز

نہیں ہے۔

فرمایا۔ کہ فقہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ کسی کو قرآن وسنت پر جھوٹ نہیں بولنے دیتی بلکہ ان کے لئے ایک مضبوط قلعہ اور حصار کا کام دیتا ہے اس حصار کو توڑے بغیر کوئی فرد قرآن وحدیث پر جھوٹ نہیں بول سکتا، یہی وجہ ہے کہ دینی معاملات میں من مانی کرنے کیلئے ہر باطل گروہ پہلے اس حصار کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

فرمایا۔ بعض تو قرآن وحدیث کے الفاظ کے اندر ہی تغیر وتبدل کے مرتکب ہوجاتے ہیں لیکن اکثر فتنے قرآن وحدیث کے الفاظ کے بجائے ان کے مفہوم کے اندر تبدیلی پیدا کرکے گمراہی پھیلاتے ہیں، اسی سے بچنے کیلئے خدائے تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ صحابہ کرام کا نمونہ دیا ہے، اگر یہ نمونہ پوری طرح انسان کے پیش نظر رہے تو گمراہی کا قریب آنا ممکن ہی نہیں۔

فرمایا۔ جو شخص یہ کہے کہ میں صحابہ کرام کو معیار حق اور ان کے افعال واقوال کو حجت نہیں مانتا وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مفہوم کے اندر تغیر کا ارادہ رکھتا ہے اور جو کہے میں سنتِ رسول اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت تسلیم نہیں کرتا وہ قرآن پاک کے مفہوم میں تبدیلی کرنے کا مذموم پروگرام رکھتا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

شیخ کلو حفظ اللہ کی سلفیت بیزاری اور غیر مقلدیت سے توبہ

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی ۔ خمار سلفیت حفظ اللہ کی وہ کتاب جس کا ہماری جماعت میں بڑا چرچا تھا اس کتاب کا شیخ کلو حفظ اللہ پر الٹا اثر ہوا، اور اس کے مطالعہ نے ان کو سلفیت سے بیزار بنا دیا، بلکہ اب تو وہ بالکل اباحیت کی راہ پر چل پڑے، قرآن میں اور احادیث سب سے ہاتھ چھڑا لیا۔

باپ ۔ بیٹا، یہ خمار سلفیت حفظ اللہ کون بزرگ ہیں، یہ نام تو پہلی مرتبہ ہمارے کان میں پڑ رہا ہے۔

بیٹا ۔ اباجی خمار سلفیت محمد یحیٰ گوندلوی سے بدل ہے۔

باپ ۔ تمہارا نحوی علم بہت کمزور ہے، بدل اور مبدل منہ ساتھ ہوتے ہیں، تم نے مبدل منہ کا ذکر نہیں کیا اور بدل کا ذکر کر دیا۔

بیٹا ۔ اباجی، آپ نے تقلیدی علم حاصل کیا ہے، اب زمانہ تجدد کا ہے، تقلید کی ہر نوع

مخصوص ہے، آدمی کو مجتہد ہونا چاہئے، بدل اور مبدل منہ میں فاصلہ ہو سکتا ہے۔
جیسے جب ہم کہتے ہیں امیر المومنین فی الحدیث تو اس سے مراد امام بخاری ہوتے
ہیں، چاہے امام بخاری کا کلام میں ذکر ہو یا نہ ہو۔

باپ - بیٹا - ابو الحسن محمد یحییٰ گوندلوی تو ہماری جماعت کے بڑے محقق عالم ہیں، انکی کتاب
" مقلدین ائمہ کی عدالت میں" مشہور زمانہ کتاب ہے، رد تقلید میں اس کتاب سے
بہتر کوئی کتاب نہیں۔

بیٹا - ابا جی - اس کتاب کو پڑھ کر شیخ کلو حفظ اللہ میں سلفیت بیزاری پیدا ہو گئی ہے،
جو اب دین بیزاری میں بدل گئی، اس کتاب کے مطالعہ کا ان پر اثر یہ ہوا کہ انھوں نے
قرآن وحدیث دونوں سے ہاتھ جھاڑ لیا ہے۔

باپ - بیٹا، کیا ہوا ؟

بیٹا - ابا جی، یہ کتاب جب ان کے پاس پہونچی تو جب اس کو اٹھایا تو ان کی نگاہ ص۱۵۱ میں
اس آیت پر پڑی۔ ولا تقف مالیس لکم بہ علم جس کا ترجمہ خمار سلفیت حفظہ اللہ
نے یہ کیا ہے۔" بلا علم فتویٰ دینا جائز نہیں ہے" اس ترجمہ کو پڑھ کر شیخ کلو حفظ اللہ کو
چکر آگیا، انھوں نے قرآن کریم کے سارے تراجم دیکھ ڈالے، مولانا امرتسری کا ترجمہ دیکھا
مولانا ابو الکلام آزاد کا ترجمہ دیکھا، مولانا جونا گڈھی کا ترجمہ دیکھا، تفسیر کی موٹی موٹی
کتابیں دیکھیں، ان کو قرآن کے کسی عالم کے ترجمہ میں اور تفسیر کی کتاب میں یہ ترجمہ نہیں ملا۔
پھر انھوں نے اس کتاب میں یہ لکھا دیکھا۔ انہ لایجوز الفتویٰ بالتقلید، یعنی
تقلید سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، اس کلام بلیغ کو پڑھ کر انھوں نے فتاویٰ نذیریہ کی
جلدیں دیکھیں تو اس میں جگہ جگہ فقہائے احناف کی کتابوں کے حوالہ سے فتویٰ دیا گیا
تھا، فتاویٰ ثنائیہ میں بھی یہی تماشا تھا اور اہلحدیث حضرات کی فتاویٰ کی دوسری
کتابوں میں جگہ جگہ ہدایہ، شامی، عالمگیری وغیرہ کا ذکر کثرت سے تھا، تو اب ان کا سر
چکرا گیا کہ میاں صاحب جیسا محدث بھی حرام میں مبتلا ہو رہا ہے، پھر ان کو ص۹۰ میں

علامہ ابن حزم کا یہ قول منقول ملا، التقلید حرام ولا یحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ، یعنی تقلید حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کا قول اختیار کرنا جائز نہیں ہے، تو انھوں نے اپنے جی میں کہا کہ جتنے شراح حدیث اور مفسرین قرآن اور اولیاء اللہ گزرے ہیں ان میں ننانوے فی صد مقلد تھے، اگر تقلید حرام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کا قول اختیار کرنا جائز نہیں ہے تو امت محمدیہ کی اتنی بڑی جماعت نے اس حرام کا ارتکاب کیوں کیا خود بخاری شریف میں امام بخاری جگہ جگہ غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال نقل کرتے ہیں، اور ان سے وہ حجت پکڑتے ہیں، امام بخاری اس حرام میں کیوں مبتلا ہوئے پھر انھوں نے خیال کیا کہ بخاری شریف کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے یہ بات نہ خدا کی ہے، نہ رسول کی، یہ امت کی بات ہے، اور ہم امت کی اس بات پر ایمان لائے ہوئے ہیں، ہمارا یہ ایمان تحقیقاً نہیں تقلیداً ہے، غرض خمار سلفیت حفظہ اللہ کی اس کتاب کو پڑھ کر شیخ کلو حفظہ اللہ قرآن و حدیث سب سے دست بردار ہو گئے اب ان کا مشغلہ آسمان کی طرف دیکھنا ہے اور حقہ کشی میں اپنا وقت گزارنا ہے۔

باپ۔ بیٹا، ہمارے علماء کو بہت سنبھل کر منہ سے بات نکالنی چاہئے، جماعت کا بڑا نقصان ہو رہا ہے، اہم لوگ جماعت سے کنارہ کشی اختیار کر رہے ہیں۔

بیٹا، ابا جی، کہیں ایسا تو نہیں ہے، ہمارے حفظہم اللہ لوگ جیسا موقع ہو ویسی باتیں کرتے ہیں، یعنی کبھی چت اور کبھی پٹ، کبھی ادھر کی اور کبھی ادھر کی۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

خمار سلفیت حفظہ اللہ کی تحقیق جدید پر شیخ کلو حفظہ اللہ کی برہمی

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ ابا جی، آج میں خمار سلفیت حفظہ اللہ کی جدید کتاب، مقلدین علماء کی عدالت میں،، کا

مطالعہ کر رہا تھا، نئی نئی باتیں معلوم ہو رہی تھیں، عجیب عجیب تحقیقات سے دل و دماغ روشن ہو رہا تھا، ہر نئی تحقیق پر طبیعت پھڑک جایا کرتی تھی، مگر عجیب بات یہ ہے کہ شیخ کلو حفظہ اللہ کو ان کا نام ہی سن کر بخار چڑھ جاتا ہے اور وہ ان کے بارے میں قول بکنا شروع کر دیتے ہیں۔

باپ ۔ بیٹا، یہ کتاب اپنے موضوع پر بڑی محقق کتاب ہے، شیخ جگنو حفظہ اللہ نے اس کے چار سو بیس نسخے خرید کر ڈومن پیدہ کے اہلحدیثوں میں مفت تقسیم کر چکے ہیں، اچھا بتلاؤ کہ اس کتاب کی کون سی بات شیخ کلو حفظہ اللہ کو ناگوار گزری ہے۔

بیٹا ۔ باتیں تو بہت سی ہیں مگر ایک بات پر شیخ کلو حفظہ اللہ کا منہ زیادہ کھٹا ہوا ہے، شیخ خمار سلفیت حفظہ اللہ کو جاہل تک کہہ ڈالا تھا، فضیلۃ الشیخ خمار سلفیت حفظہ اللہ نے اس کتاب میں لکھا ہے۔

۔ یہ تقلیدی نسبتیں صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہیں تھیں بلکہ تمام لوگ مسلمان تھے، کتاب و سنت پر عمل کرنے میں نجات سمجھتے تھے۔ ص ۱۲۴

باپ ۔ بیٹا۔ یہ تو بڑا انمول کلام ہے، شیخ کلو کیا کہہ رہے تھے؟

بیٹا ۔ ابا جی، شیخ کلو حفظہ اللہ کا کہنا تھا کہ اس مختصر سی عبارت میں مصنف کا جہل آئینہ بن کر چمکا ہے۔ اسلئے کہ اس کلام کا حاصل یہ نکلا کہ اس کے نزدیک تقلید اور اسلام میں منافات ہے، جو مسلمان ہوگا وہ مقلد نہیں ہوگا اور جو مقلد ہوگا وہ مسلمان نہیں ہوگا، اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کے نزدیک مقلد کتاب و سنت پر عمل کرنے میں نجات نہیں سمجھتا شیخ کلو کا کہنا یہ ہے کہ غرور سلفیت میں یہ صاحب دنیا کے تمام مسلمان (غیر مقلدین کے سوا) اسلام سے خارج قرار دے رہے ہیں۔

باپ ۔ بیٹا میں تو ظاہر نظر میں اس بات کو بڑی جاندار سمجھتا تھا، مگر شیخ کلو حفظہ اللہ کی گرفت بالکل صحیح ہے، اگر شیخ خمار سلفیت حفظہ اللہ کی بات کو صحیح مان لیا جائے تو بڑے بڑے فقہاء و محدثین اور اولیاء اللہ کے مسلمان ہونے پر سوالیہ نشان قائم ہو جائے گا، اور

غیر مقلدین کے چند نقوش قدسیہ کے سوا دنیا کے سارے مسلمان اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

بیٹا۔ اباجی، ہمارے بزرگوں کو عام مسلمانوں کو مشرک بنانے میں اور اسلام سے خارج قرار دینے میں کوئی خاص لطف آتا ہے کیا؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

بقیہ ص۳۶ کا۔

لکھا ہے کہ جب ان کے پاس انگور کا خوشہ لایا جاتا تو ایک ایک دانہ کھاتے اور ہر دانے پر اللہ کا ذکر کرتے، اور فرمایا کرتے تھے کہ کھاتے رہنا اور اللہ کی حمد کرنا خاموش رہ کر کھانے سے بہتر ہے۔

فرماتے تھے کہ جو شخص حق کی مخالفت کر کے تعریفیں حاصل کرتا ہے اللہ ان تعریفوں کو اس کے لئے مذمت بنا دیتا ہے، اور جو حق کے بارے میں ملامتوں کی پرواہ نہیں کرتا، اللہ ان ملامتوں کو اس کیلئے باعث تعریف بنا دیتا ہے۔

خالد بن معدان کی عبادت و ریاضت اور خدا کی یاد اور اس کی حمد و ثنا کی شان کیا تھی تو اس کا ذکر سلمہ بن شعیب سے سنیں، سلمہ فرماتے ہیں کہ خالد بن معدان قرآن کے علاوہ چالیس ہزار مرتبہ روزانہ تسبیح پڑھا کرتے تھے، جب ان کی وفات ہوئی تو جب غسل کے لئے انکو رکھا گیا تو ان کی انگلی مسلسل حرکت کر رہی تھی جیسے کہ وہ تسبیح گن رہے ہوں۔

ان کی وفات سنہ ۱۰۳ھ میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ص۳۲۳ ج۵)

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۲

۲۶ رمئی سنیچر کے روز سے مجھے مولانا گھمن کے ساتھ سفر کرنا تھا، اور اب میرے آئندہ کے پروگرام کے وہی ذمہ دار تھے، مجھے پروگرام کی ترتیب معلوم نہیں تھی، بس جہاں مولانا لیجاتے وہاں جاتا، پاکستان کے مدارس اور علمی حلقوں میں میرے پاکستان پہونچنے کی اطلاع ہو چکی تھی، اس وجہ سے مختلف مدارس اور علمی حلقوں سے کثرت سے دعوت مل رہی تھی، میرا پاکستان میں قیام مختصر تھا، اس وجہ سے ان سب کی دعوت کو قبول کرنا مشکل تھا، اب مولانا گھمن فیصلہ کرتے کہ کہاں جانا مفید ہوگا اور اس کے مطابق دعوت دینے والوں کو اطلاع کر دی جاتی اس کے باوجود بھی ایک ایک روز میں کئی کئی پروگرام ہوتے اور کہیں پر بھی رات کے قیام کے سوا آدھ گھنٹہ یا گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ وقت دینا مشکل ہو رہا تھا، مولانا گھمن نے مختصر سے وقت میں زیادہ سے زیادہ پروگرام رکھا، اور زیادہ تر جگہوں پر وہ خود بھی ہر پروگرام میں شریک رہے۔

آج کی پہلی منزل مدرسہ مفتاح العلوم سرگودھا تھی، مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب لاہور آکر ملاقات کر گئے تھے، جب ہم لوگ سرگودھا پہونچے تو مدرسہ کے اساتذہ و طلبہ اور اطراف و جوانب سے آئے ہوئے علماء کرام سراپا انتظار تھے، پہلے تھوڑی دیر طلبہ میں بیان ہوا اور بخاری شریف کا مختصراً درس ہوا، اور پھر عمومی بیان ہوا۔

یہیں پر حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب سے ملاقات ہوئی، یہ نوشہرہ سے تقریباً ساڑھے چار سو کیلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے اپنے صاحبزادے مولانا محمد قاسم کے ساتھ چند گھنٹوں کے لئے ملاقات کے لئے آئے تھے، مولانا بڑے معروف آدمی ہیں، لکھنے پڑھنے کا ہر وقت مشغلہ رہتا ہے، اسی سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، ماشاء اللہ بڑے تیز وطرار ہنس مکھ اور بہت ہی بے تکلف، تصنع وریا سے پاک، محبت کرنے والے انسان ہیں، ان کی اس کرم فرمائی سے میں بہت متاثر ہوا۔

اس نشست میں مولانا حقانی صاحب کا بھی بیان ہوا، یہ بیان ایسا ہی تھا جیسا کہ پاکستانی مجاہدین علماء کا ہوتا ہے، ولولہ انگیز، نعروں والا، بیان سے اندازہ ہوا کہ مولانا حقانی صاحب صرف صاحب قلم ہی نہیں ہیں صاحب بیان بھی ہیں۔

بیان کے بعد کھانا ہوا، کھانے میں متعدد علماء کرام شریک تھے، جن کے نام یاد رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں۔ مولانا عبدالقیوم حقانی اور ان کے صاحبزادہ محمد قاسم کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب سابق امیر جمعیۃ علماء اسلام، قاری اکرام سراجی، مفتی عبدالقدوس ترمذی، قاری قیام الدین صاحب، مولانا اشرف علی صاحب، مولانا عبدالغفور حقانی صاحب وغیرہ بہت سے اہل علم و اہل صدق وصفا کا مجمع تھا، خود مولانا مفتی طاہر صاحب اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں، بڑے باغ وبہار آدمی ہیں، نوجوان تندرست وتوانا، چست وہمہ دم حرکت، اپنے مدرسہ کو انھوں نے خوب ترقی دے رکھی ہے، اور تعلیم کا معیار بھی بہت اچھا ہے۔

پاکستان کے مدرسہ میں یہ بات عام طور پر محسوس ہوئی کہ وہاں تعلیم کا معیار ہندوستان کی بہ نسبت بہت اچھا ہے، غالباً درس نظامی کی پابندی کی یہ برکت ہے، اور میرا خیال ہے جب تک اس نصاب کی ان مدارس میں پابندی رہے گی اور جدیدیت کا چھوت نہیں لگے گی۔ تعلیم کا یہ معیار باقی رہے گا، لیکن خدانخواستہ اگر وہاں بھی جدیدیت کی مدارس میں ہوا چل گئی تو ان کا حال بھی ہمارے ہندوستانی مدارس کی طرح ہو جائے گا۔

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب میرے لئے اپنے ساتھ کتابوں کا ایک بڑا مجموعہ

لائے تھے جس میں زیادہ انھیں کی تصنیفات تھیں، چونکہ میرے ساتھ کتابیں زیادہ تھیں اس وجہ سے ان کتابوں کو اپنے ساتھ لانا میرے لئے ایک مسئلہ تھا، تو میرے اس تردد کو دیکھ کر اس مجلس میں ایک صاحب نے کہا کہ یہ کتابیں آپ میرے حوالہ کردیں، میرے آدمی دہلی آتے جاتے رہتے ہیں وہ دہلی میں آپ جہاں کہیں پہونچا دیں گے، میں نے کہا اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے یہ کتابیں ان کے حوالہ کردیں اور ان سے کہا کہ دہلی میں جمعیۃ علماء کے دفتر میں یہ کتابیں آپ پہونچوادیں، اب یہ اتفاق ہی ہے کہ وہ کتابیں اب تک دہلی نہیں پہونچیں اگر یہ کتابیں انھیں کے پاس رہ گئیں اور میں ان سے محروم رہا تو مجھے اس کا سخت ملال رہے گا۔ ہم لوگوں کا اصل سرمایہ کتابیں ہی ہوتی ہیں، یہی کتابیں ہیں جن سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور ہم ان سے لکھنے پڑھنے کا کام لیتے ہیں اور بزرگوں کے علوم سے اپنی علمی و دینی زندگی کو تروتازہ رکھتے ہیں ۔

یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ایک لڑکا جو بالکل نوجوان تھا، شکل و صورت بھی اس کی کوئی مولویانہ نہیں تھی، لباس بھی اس کا بہت معمولی تھا، معمولی سی شرٹ اور پتلون پہنے ہوئے تھا، ایک معمولی سا لفافہ میری طرف بڑھا کر کے چلا گیا، میں نے سمجھا شاید دعا یا تعویذ وغیرہ کیلئے کوئی پرزہ اس نے لکھا ہوگا، اس نے لفافہ بڑھا کر اتنا موقع نہیں دیا کہ میں اس سے کچھ پوچھوں اس نے لفافہ بڑھایا اور فوراً چلا گیا، میں نے بھی بلا لفافہ کھولے جیب میں رکھ لیا، بعد میں مجھے جب اس لفافہ کا خیال آیا اور میں نے اسے کھولا تو اس میں پانچ ہزار پاکستانی روپے کا ایک نوٹ نظر آیا، میں اس لڑکے کے اخلاص سے اتنا متاثر ہوا کہ مجھے اس کا تذکرہ یہاں کرنا پڑ رہا ہے۔

ہم یہاں سے عصر سے پہلے نکلے اور شام تک محمد الیاس گھمن کے قائم کردہ مرکز اہلسنت سرگودھا آگئے، جہاں عصر کی نماز ادا کی گئی اور کچھ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوئے، مرکز کے وسیع اور کشادہ صحن میں خنک ہوائیں چل رہی تھیں بڑا سحر انگیز منظر تھا، صحن میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں، میں انھیں میں سے ایک پر لیٹ گیا، دوسری چارپائیوں پر مرکز کے طلبہ اور اساتذہ بیٹھ گئے اور علمی و دینی گفتگو کی یہ مجلس مغرب تک اور پھر مغرب کے بعد تک جمی رہی، یہیں

مولانا محمود اکاڑوی سے تعارف ذرا خاص مقدار کا ہوا جن کا تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

مرکز اہل سنت سرگودھا

یہ مرکز مولانا محمد الیاس گھمن نے قائم کیا ہے، اس کا مقصد ماہر اساتذہ کی نگرانی میں مدرسوں کے با استعداد فارغین کو باطل فرقوں سے مناظرہ اور ان کے اعتراضوں کا جواب دینے کے لئے تیار کرنا ہے اس کی عمارت بڑی شان و شوکت والی نہیں ہے مگر جو کام ہو رہا ہے وہ بڑے بڑے مدارس کے کاموں سے بڑا کام ہے، مدرسین عام طور پر اپنے فن کے ماہر ہیں، بعضوں کے حافظہ اور انکی معلومات دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی حالانکہ ان کی عمریں ابھی جوانی بلکہ نوجوانی کی حدود والی ہیں، مگر ان کا علم اتنا گہرا اور پختہ ہے کہ انھیں دیکھ کر رشک آتا ہے، اور اپنی صلاحیت و قابلیت کی بے حیثیتی کا اندازہ ہوتا ہے، طلبہ بھی ماشاء اللہ اپنے مقصد میں جی جان سے لگے ہوئے نظر آئے۔

مولانا محمد الیاس کا مقصد طلبہ کی تعداد کا بڑھانا اور عمارتوں کا بنوانا نہیں ہے اس مرکز کے قیام سے ان کا اصل مقصد ایسے افراد کا پیدا کرنا ہے جو فتنوں کا تعاقب کر سکیں، پاکستان میں سلفیت، مسیحیت، قادیانیت اور بریلویت کا فتنہ عام ہے، ان فتنوں کا مقابلہ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ کرتے ہیں، اس مرکز کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس وقت جہاں ان فتنوں کا زور ہے اور ان سے مقابلہ آرائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لوگ اسی مرکز سے رابطہ قائم کرتے ہیں، حالانکہ پاکستان میں بڑے بڑے دینی و علمی مراکز ہیں۔ مگر فتنوں کے تعاقب کے لئے لوگوں کی نگاہیں اسی مرکز کی طرف اٹھتی ہیں۔

اس مرکز کا کتب خانہ بھی قابلِ رشک ہے، اس میں فقہ و حدیث کی کتابوں کے اہم مراجع موجود ہیں، ان کے علاوہ اس مرکز کے موضوع کے مطابق موافق و مخالف اہل علم کی بیشتر کتابیں موجود ہیں، مولانا گھمن اس کتب خانہ کو مزید وسعت دینے کا پروگرام بنائے ہوئے ہیں، میرا قیام یہاں ایک روز اور دو شب رہا، اور بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ یہاں مجھے بڑا قلبی سکون ملا۔ اساتذہ اور طلبہ کی محبت اور ان کی خدمت مجھے رہ رہ کر یاد آتی ہے، اور یہ احساس

بخنہ ہوا کہ دین کا کام اللہ جن سے چاہیں لے لیں، اس کے لئے عمر اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کی کوئی قید نہیں ہے۔

ہمارے دینی مراکز اور مشاہیر علماء کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ وہ مقابلہ آرائی اور مسلمان نام کے جو باطل فرقے ہیں ان کے ردو ابطال سے گریزاں رہتے ہیں اور ان کی دعوت صلح کل کی ہوتی ہے۔ ہر ایک سے رواداری برتنے کو وقت حاضر کی وہ ضرورت سمجھتے ہیں، جب کہ باطل فرقے مسلسل اپنی دعوت کو فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں، اور جب مولانا محمد الیاس گھمن جیسا کوئی باغیرت و باحمیت ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اترتا ہے تو وہ اس کی حوصلہ افزائی کیا کرتے یہ کام ان کی نظر میں کھٹکتا ہے، اور وہ اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، میرا یہ تجربہ ہندوستان میں بھی ہے اور یہی شکایت مولانا محمد الیاس گھمن کو پاکستان میں بھی ہے کہ اکابر علمائے حق ان کے اس کام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اور نہ پاکستان کے جو بڑے بڑے دینی مراکز ہیں ان سے اس مرکز اور یہاں کے کام کرنے والوں کو کوئی تعاون ملتا ہے۔ ایسے میں اگر آدمی کم حوصلہ ہو تو وہ میدان چھوڑ دیتا ہے، مگر الحمد للہ مولانا محمد الیاس گھمن خوب سمجھتے ہیں کہ ان اکابر اور ان مراکز کا یہ گریز کس وجہ سے ہے، اس لئے ان کو کسی کی موافقت و مخالفت کی قطعاً پرواہ نہیں ہے، وہ اپنا کام پوری تندہی سے انجام دے رہے ہیں، اور اگر کچھ لوگ ان کے کام کو اہمیت نہیں دیتے تو پاکستان میں ایک بہت بڑا حلقہ ایسا بھی ہے جو مولانا محمد الیاس گھمن اور ان کے اس مرکز کی اہمیت کو سمجھتا ہے، اور مولانا گھمن کا دورہ شب و روز جاری رہتا ہے اور دور دراز مقامات سے لوگ اس مرکز سے برابر رابطہ قائم کئے رہتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر یہاں کے اساتذہ و علماء کو بلاتے ہیں، خود مولانا محمد الیاس گھمن بہترین مناظر ہیں اور اپنے وجود سے مناظر اہل سنت مولانا محمد صفدر امین اکاڑوی رحمہ اللہ کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ اور حضرت مولانا مرحوم کے کام کو نہ صرف سنبھالے ہوئے ہیں بلکہ اس کو پاکستان میں بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی کا نام آگیا تو بتلا دوں کہ مولانا مرحوم سے میری

ملاقات اس سے پہلے والے سفر پاکستان میں ہوئی تھی اللہ اللہ کیا سادگی تھی، اور ان کا علم کیا وسیع اور گہرا تھا، مجسم تواضع تھے، اور ان کی مناظرانہ شان وہ تھی کہ ہر باطل فرقہ ان کے نام سے تھراتا تھا۔

افسوس اتنا بڑا اہل حق کا مناظر اور اہل سنت کا وکیل اپنوں ہی کے ہاتھوں بے وقعت بھی رہا کہ پاکستان کے جغادری علما ء اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، اس وجہ سے کہ وہ شان و شوکت والا نہیں تھا، اس کے جسم پر معمولی لباس ہوتا تھا، اس کے پاس گاڑی موٹر نہیں تھی، اس کا گھر عالیشان محل نہیں تھا، وہ سائیکلوں پر پھرا کرتا تھا، وہ تھرڈ کلاس اور عام بسوں میں سفر کرتا تھا، اس کا جیب پیسوں سے خالی ہوا کرتا تھا اور اس کے فقر و فاقہ کا یہ عالم تھا کہ اس کو اپنا نہایت قیمتی کتب خانہ اپنی بچی کی شادی کے لئے صرف بیس ہزار پاکستانی روپے میں بیچنا پڑا، اس سفر میں مجھے جب یہ معلوم ہوا تو مجھے ایسا صدمہ ہوا کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا جب کہ دوسروں کی بات تو چھوڑیے جس پاکستان کے مدرسہ میں وہ مدرس تھا اس کے مہتمم کا دربار کسی گورنر ہاؤس کا سماں پیش کرتا ہے، اس کا مہتمم کروڑوں میں کھیلتا ہے، اور خود مولانا محمد صفدر امین کے قریبی رشتہ داروں میں ایسے لوگ تھے جو ہر سال عمرہ اور حج کے لئے لاکھوں کا سرمایہ خرچ کرتے ہیں، مگر ان کی بے حسی کا یہ عالم کہ ایک مرد مجاہد کی دستگیری و اعانت اس کی بچی کی شادی کے لئے نہ ہوسکی جو مجاہد عالم دین پورے پاکستان میں اہل حق کی آبرو تھا، اور اس کو اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اپنی زندگی بھر کا جمع کردہ علمی سرمایہ اور نہایت قیمتی کتب خانہ صرف بیس ہزار میں بیچ دینا پڑا، اور پھر وہ کتب خانہ خریدنے والے نے کہاں چھپا رکھا ہے اس کا پتہ نہیں چل رہا ہے، اس طرح ایک بہت بڑا علمی سرمایہ ضائع ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں ہندوستان سے جب پاکستان کے سفر پر روانہ ہو رہا تھا اسی وقت یہ نیت تھی کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں مولانا صفدر امین اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں اکاڑہ جاؤں گا اور گھر والوں سے تعزیت کروں گا، اور مولانا کے مزار پر بھی حاضری دوں گا، مولانا محمد الیاس

گھمن کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اکاڑہ کا بھی پروگرام بنایا اور مجھے مولانا کے گھر اور ان کی مزار پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، شہر خموشاں میں مولانا کی کچی قبر اس دنیا کی بے ثباتی کو یاد دلا رہی تھی اور جب فاتحہ پڑھ کے لوٹا تو زبان پر شعر تھا۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مولانا صفدر صاحب کے بڑے بھائی پروفیسر افضل سے بھی ملاقات ہوئی اور ملتان میں مولانا کے چھوٹے بھائی مولانا انوار سے بھی ملاقات ہوئی، ان حضرات سے مل کر طبیعت کو کوئی خوشی نہیں ہوئی، مولانا صفدر امین والی بات کسی میں نہیں تھی، اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ پروفیسر افضل مالی حیثیت سے ایسے تھے کہ اگر بچی کی شادی کے لئے بطور قرض بیس ہزار کی رقم دے سکتے تھے تو مولانا کا کتب خانہ اس بیس ہزار کی رقم میں خرید سکتے تھے اور اس طرح کتابوں کا یہ عظیم سرمایہ ان کے پاس محفوظ ہو سکتا تھا، تو مجھے اور بھی تکلیف ہوئی، یہ پڑھے لکھے لوگ اب تک یہی نہیں سمجھ سکے ہیں کہ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرنے سے کہیں افضل کسی غریب مسلمان کی ضروری موقع پر اعانت کرنی ہے اور اگر وہ مسلمان اپنا عزیز اور قریب ہے تو ان کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

انٹرنیٹ پر خطاب

مولانا محمد الیاس گھمن نے مرکز اہل سنت میں قیام کے دوسرے روز فرمایا کہ آج آپ کو انٹرنیٹ پر تقریر کرنی ہے، اور آپ کی یہ تقریر دنیا کے متعدد اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں سنی جائے گی، میں نے آج شب دس بجے اس تقریر کا وقت انٹرنیٹ پر نشر کرایا ہے، میرے لئے انٹرنیٹ پر تقریر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا، ایک دفعہ برطانیہ کے سفر کے موقع پر وہاں کے مسلمانوں نے بھی اس کا موقع فراہم کیا تھا، مگر میں نے معذرت کر دی تھی، یہاں مولانا گھمن اور یہاں کے محبت کرنے والے اساتذہ کے اصرار سے میں آمادہ ہو گیا، وقت مقررہ پر انٹرنیٹ کھولا گیا تو تقریر کے آغاز سے پہلے کمپیوٹر پر پھول نظر آئے تو لوگوں نے بتلایا کہ یہ لوگ آپ کی تقریر سننے والے ہیں وہ آپ کا استقبال کر رہے ہیں، اور آپ کی یہ تقریر خلیجی ممالک کے علاوہ لندن، جاپان

بقیہ ص ۲۳ پر

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونے والا دو ماہی دینی و علمی مجلہ

جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ

۱۴۲۹ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابو بکر غازی پوری

سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی ایک سو پچاس روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ
غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل واڑہ سید غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ 233001

موبائیل نمبر: 9453497685

محمد اجمل مفتاحی

فہرستِ مضامین

اداریہ

جمعیۃ کے بحران کا ذمہ دار کون

• جمعیۃ علماء ہند جو ہندوستان میں واحد مسلمانوں کی ایسی تنظیم ہے جو مسلمانوں کے ملی، دینی و قومی مسائل سے نمٹا کرتی ہے، اور جس کا ماضی بڑا تابناک رہا ہے، اور جس کی آواز ایوانِ حکومت کو لرزا دینے والی ہوتی ہے، آجکل یہ جماعت شدید بحران سے گزر رہی ہے۔ مولانا ارشد مدنی سابق عبوری صدر اور مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے درمیان اختلاف بڑی شدت اختیار کر چکا ہے۔ حضرت فدائے ملت مولانا اسعد صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد سے ہی جمعیۃ علماء ہند کی قیادت و سربراہی کے مسئلہ پر حضرت مولانا ارشد مدنی اور ارکان عاملہ کی اکثریت اور بطور خصوص ناظم عمومی حضرت مولانا محمود مدنی کے درمیان اختلاف ظاہر ہو چکا تھا۔ بظاہر کوئی بات ایسی نہیں تھی کہ اختلاف ہوتا، حضرت مولانا ارشد مدنی حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادہ ہیں، حضرت مولانا محمود صاحب حضرت شیخ الاسلام کے پوتا اور حضرت فدائے ملت کے جگر گوشہ ہیں، حضرت شیخ الاسلام کا جب انتقال ہوا تو مولانا ارشد صاحب ہوں یا اس خاندان کے دوسرے افراد یہ سب خوردسال تھے، اور انکی پرورش، شادی بیاہ، دیکھ بھال، حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ نے جس طرح کی، وہ اپنی مثال آپ ہے، اپنی اولاد سے زیادہ شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کی اولاد کو چاہا، یہ اولاد سب کی سب حضرت فدائے ملت کی دوسری ماں سے تھیں، لہٰذا

یہ اولاد حضرت فدائے ملت کی حقیقی بھائی بہن نہیں تھے، مگر حضرت فدائے ملت نے حقیقی بھائی بہنوں سے زیادہ ان کا خیال رکھا اور ان کی ضروریات کے متکفل رہے، اس کا اعتراف اس خاندان کے ہر ہر فرد کو ہے۔

حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ کے ان احسانات عظیمہ کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت فدائے ملت کے انتقال کے بعد مولانا ارشد مدنی جواب اس خاندان کے سب سے بڑے اور بزرگ فرد ہیں، حضرت فدائے ملت کی اولاد کے لئے سایۂ رحمت بن جاتے، ان کے سر پر محبت کا ہاتھ رکھتے اور ان کا معاملہ بھی حضرت فدائے ملت کی اولاد کے ساتھ وہی ہوتا جو فدائے ملت کا ان کے ساتھ تھا، مگر افسوس یہ نہ ہو سکا اور جمعیۃ کی قیادت کون کرے، حضرت فدائے ملت کی جگہ پر کون رہے، جمعیۃ کا پورا کنٹرول کس کے ہاتھ میں ہو اس کو لے کر چچا بھتیجے ٹکرائے اور جب بھتیجہ نے مجلس منتظمہ اور مجلس عاملہ کے بعض اراکین کے خصوصاً مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے حکم کی تعمیل میں فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے حضرت مولانا ارشد مدنی کی صدارت کو قبول کر لیا بلکہ ازخود اس کا اعلان کیا اور ارکان عاملہ میں سے ان اراکین کے فیصلہ کے علی الرغم جو حضرت مولانا ارشد مدنی کے مزاج سے واقف تھے کہ حضرت کا مزاج کسی تنظیم کو چلانے والا اور سب کو ساتھ لے کر چلنے والا نہیں ہے، حضرت مولانا محمود مدنی نے مولانا ارشد مدنی کی صدارت کو قبول کیا اور ان کے ساتھ کام کرنے پر اپنے کو راضی کر لیا، لیکن مولانا نے روز اول ہی سے غالباً یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی صدارت کو اس دائرہ تک محدود نہیں رکھیں گے جو جمعیۃ علماء کے صدور کی سابقہ روایات رہی ہیں بلکہ وہ اپنے دائرہ اختیار سے ہر موقع پر تجاوز کریں گے اور ان تمام لوگوں کا آہستہ آہستہ صفایا کریں گے جو مولانا ارشد مدنی کو مولائے کل اور شیخ الکل فی الکل ماننے کو تیار نہ ہوں گے، خواہ ان لوگوں کا تعلق جمعیۃ کے ادنیٰ ملازمین کا ہو یا اعلیٰ ملازمین کا ہو، یا مرکزی جمعیۃ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبران اور مدعوئین خصوصی کا ہو، یا صوبائی جمعیتوں کے صدور و نظماء اور ان صوبائی جمعیتوں کے ممبران کا ہو، اپنی خواہشات

اور چھپے ہوئے جذبات کو پورا کرنے کے لئے وہ جمعیۃ کا دستور کا نام لے لے کر دستور کی
دفعات جس طرح چاہیں گے پامال کریں گے۔ اب دستور وہی ہوگا جو مولانا کریں گے، اور
ہر وہ کام جو مولانا کے مزاج، انکی خواہش اور ان کی امنگوں کے خلاف ہوگا وہ غیر دستوری
ہوگا، چنانچہ مولانا نے عہدہ صدارت قبول کرنے کے معًابعدہی جمعیۃ کے تین ملازمین کو جنکی
خدمات کا اعتراف جمعیۃ سے وابستہ ان تمام افراد کو ہے جو مولانا ارشد مدنی کی جی حضوری
کو اپنی سعادت نہیں سمجھتے ہیں، ان میں بعض وہ تھے جن پر فدائے ملت کو بے انتہا اعتماد
تھا، اور انھوں نے عرصہ دراز تک حضرت فدائے ملت کی صدارت کے زمانہ میں نہایت
اخلاص سے جماعت کی خدمت کی تھی، ان دو میں سے ایک نام مولانا معزالدین کا ہے
اور دوسرا نام مولانا حکیم الدین کا ہے۔

جماعت کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو انگریزی اور اردو دونوں کا اچھا واقف کار
اور تحریری صلاحیت والا ہو، جماعت کے تحت مختلف پروگرام کا سلسلہ شروع تھا۔
انگریزی میں قدم قدم پر خط وکتابت کی ضرورت تھی مگر کوئی ایسا آدمی جو عالم فاضل بھی ہو اور
انگریزی داں بھی ہو مل نہیں رہا تھا، مولانا محمود نے تلاش وجستجو کے بعد مولانا نیاز احمد فاروقی
کو پالیا، یہ ایک بڑی ملازمت پر تھے، مگر جماعت کے کام کو اہم سمجھتے ہوئے انھوں نے مولانا
محمود مدنی کی پیشکش کو سابقہ تنخواہ سے کم تنخواہ پر ہی قبول کرلیا، حضرت فدائے ملت کے زمانہ
ہی میں ان کا تقرر ہوا تھا، اور ان کے ذریعہ جو کام انجام پارہا تھا اگر اس کو تفصیل سے ذکر کیا جائے
تو کافی وقت درکار ہوگا، حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہ کو کبھی ان سے کوئی شکایت
نہیں ہوئی، مگر مولانا ارشد مدنی کی صدارت قبول کرنے کی پہلی شرط میں جن تین افراد کے
نکالنے کا نام تھا ان میں سے ایک مولانا نیاز احمد فاروقی صاحب بھی ہیں، کیوں؟ اسلئے کہ
یہ بھی مولانا محمود مدنی کے معتمد علیہ ہیں اور ان سے محبت کرنے والے اور جماعت کیلئے مولانا
ارشد مدنی صاحب کے مقابلہ میں مولانا محمود صاحب کو زیادہ مفید سمجھنے والوں میں ہیں، اور
یہ وہ قصور ہے کہ مولانا ارشد اس کو گوارا نہیں کرسکتے، مولانا ارشد مدنی صرف اس کو گوارا

کرتے ہیں جو اپنا ضمیر اور اپنی فکر کو مولانا ارشد صاحب کا خادم بنا دے۔

حضرت مولانا ارشد مدنی نے جمعیۃ کی صدارت قبول کرنے کے لئے جمعیۃ کی ملازمت سے ان تینوں کے اخراج کو شرط کیا تھا۔ مولانا محمود مدنی نے حالات کے پیش نظر کے خلفشار مزید نہ بڑھے اس شرط کو قبول کیا بلکہ جس رات میں مولانا ارشد مدنی نے یہ فیصلہ سنایا تھا اسی رات کو ان سے کہہ دیا تھا کہ آپ لوگ دفتر چھوڑ دیں۔

حضرت فدائے ملت کے انتقال کے بعد یہ مولانا ارشد مدنی کی صدارت کا پہلا دن تھا اس سے لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ مولانا ارشد مدنی کی صدارت کس طرح کی ہوگی۔

پھر دو سال کے عرصہ میں مولانا ارشد مدنی جس طرح جمعیۃ کے دستور و روایات کو پامال کرتے رہے ہیں اس سے تمام ممبران عاملہ اور جمعیۃ کے ہمدردان اور اس سے تعلق رکھنے والے پریشان تھے، اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے حضرت مولانا ارشد مدنی ناظم عمومی کے اختیارات میں دخل اندازی اور مختلف طریقوں سے ان کو پریشانی میں مبتلا کرنا جس کی وجہ سے ناظم عمومی کو اس دو سال کے عرصہ میں مجلس عاملہ سے بار بار درخواست کرنی پڑی کہ جمعیۃ کے نظامت عمومی سے میرا استعفا قبول کیا جائے جسے عاملہ نے منظور نہیں کیا کہ اگر مولانا محمود مدنی نے جماعت سے اپنے کو الگ کر لیا تو پھر ان کا بدل بظاہر ممکن نہ ہوگا، اور جمعیۃ کا سارا عمل منجمد ہو جائے گا۔

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی کے دور صدارت میں تقریباً بارہ سال مولانا محمود مدنی نے نظامت عمومی کے فرائض کو جس عمدگی سے انجام دیا ہے اس کا اعتراف جماعت سے وابستہ ہر فرد کو ہے، اس بارہ سال کے عرصہ میں جمعیۃ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور جمعیۃ کا نام حکومتی سطح سے لیکر عوام تک میں جس طرح روشن ہوا ہے اس کی مثال جمعیۃ کی تاریخ میں نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمات کو اس طرح قبول کیا کہ ہر عام و خاص کی زبان پر جمعیۃ کا نام اور اس کے ساتھ مولانا محمود مدنی کا نام آنے لگا، مولانا ارشد مدنی کو مولانا محمود مدنی کی یہ مقبولیت کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی اور اپنے عہدۂ صدارت

کے زعم میں انھوں نے مولانا محمود مدنی کے کام اور ان کے اختیارات میں دخل دینا شروع کیا، ان کے ذہن میں معلوم نہیں یہ بات کہاں سے گھس گئی کہ جمعیۃ کا صدر مطلق العنان ہوا کرتا ہے جو چاہے کرے اس سے کسی کو بازپرس کرنے کا کوئی حق نہیں، دو سال تک جمعیۃ کو مولانا ارشد مدنی نے عملاً معطل کر کے رکھ دیا جو جماعت اپنی خدمات کی ایک شاندار تاریخ رکھتی تھی اس کے چراغ کی لو بجھنے لگی۔

اس افسوسناک صورت حال کو ختم کرنے کے لئے اور ناظم اور صدر اپنے اپنے حدود میں رہ کر کام کریں، جماعت کے بعض ذمہ داروں نے مولانا ارشد مدنی اور مولانا محمود مدنی کے درمیان ایک معاہدہ کرایا، وہ معاہدہ باقاعدہ تحریر میں آیا جس پر فریقین نے دستخط کئے، جن لوگوں نے معاہدہ کرایا تھا، انھوں نے دستخط کئے، اور اب محسوس ہوا کہ ناظم عمومی اور صدر صاحب کا اختلاف ختم ہوا، اب یہ دونوں حضرات اس تحریری معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے اپنے اپنے فرائض انجام دیں گے، مگر چند مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ مجلس عاملہ کے چند لوگوں کی ایک الگ میٹنگ کر کے جو قطعاً خلاف ضابطہ اور غیر دستوری تھی، جس کی اطلاع نہ ناظم عمومی کو تھی اور نہ مجلس عاملہ کے ان چند لوگوں کے علاوہ دوسرے اراکین کو، مولانا ارشد مدنی نے اس معاہدہ کو کالعدم قرار دیدیا، اور کہا کہ یہ معاہدہ ان کے اختیارات کو سلب کرتا ہے، وہ اسے تسلیم نہیں کرتے، مجلس عاملہ کے لوگ حیران کہ مولانا ارشد مدنی نے یہ کیا کیا، ان کو بار بار سمجھایا گیا کہ مولانا یہ معاہدہ تو آپ کی رضامندی اور جن کو آپ نے اس معاہدہ کو تحریر میں لانے کے لئے اپنی طرف سے نامزد کیا ان کی رضامندی اور انکی دستخط سے طے پایا تھا، خدا کے لئے اس غیر اخلاقی جرم کا آپ ارتکاب نہ کریں، اور اس معاہدہ کی روشنی میں اپنی صدارت کی ذمہ داری کو نبھائیں، مگر چونکہ یہ معاہدہ ان کی خواہشات کی تکمیل میں آڑے آرہا تھا، اور ناظم عمومی کو آزادانہ طریقہ پر اپنے اختیارات کے استعمال کا حق دے رہا تھا، اس لئے مولانا نے شریعت کا لحاظ کیا نہ عام انسانی اخلاق کا، اور اس کو انتہائی بے دردی سے رد کر دیا، اور اس کا ذرا لحاظ نہ کیا کہ ان کا یہ عمل پھر اختلاف کو جنم دے گا، جو لوگ

معاہدہ کرانے والے اور معاہدہ کی تحریر ترتیب کرنے والے تھے وہ بھی مولانا کے اس اقدام سے حیران تھے بعض حضرات نے تو مولانا ارشد مدنی کو اس بارے میں ایک سخت خط بھی لکھا، مگر مولانا ارشد نے تو فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ وہی کریں گے جو ان کا جی چاہے گا یا ان کا حلقہ یاراں جو ان کو مشورہ دے گا، مولانا ارشد مدنی کے اس اقدام سے اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی رہی، اس درمیان مولانا ارشد مدنی نے جمعیۃ کے مالیات کو کمزور کرنے کی تگ ودو جاری رکھی، جس سے جمعیۃ کا مالی نظام بے حد کمزور ہو گیا، اور ملازمین کی تنخواہوں کو دینے کے لئے بھی ناظم عمومی مولانا محمود مدنی کو بہت پریشان ہونا پڑا اور آج تک یہ پریشانی ختم نہیں ہوئی، افریقہ اور لندن سے جمعیۃ علماء کے ہمدرد اور بہی خواہوں کے ذریعہ اچھی امداد ہو جایا کرتی تھی، مولانا ارشد مدنی نے ان کو جھوٹی اطلاعات فراہم کر کے یہ امداد رکوادی، حتی کہ مولانا محمود مدنی پر غبن اور مالیات میں خرد برد کا بھی الزام لگا یا گیا، مولانا محمود نے لوگوں کے سامنے اور خصوصاً ارکان عاملہ کے سامنے صحیح صورت حال آجائے اصرار کیا کہ مجلس ایک کمیشن مقرر کرے جو حساب و کتاب کی جانچ کرے اور معلوم ہو کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون، خرد برد محمود کر رہا ہے یا کوئی اور، مگر عجیب بات ہے کہ مولانا محمود مدنی کے اس مطالبہ کو مولانا ارشد مدنی اور ان سے متعلق وہ لوگ جو مجلس عاملہ کے ممبر ہیں کسی طرح قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو رہے تھے، اور ہر دفعہ مولانا محمود مدنی پر مجلس عاملہ میں اعتماد کا اظہار بھی کر رہے تھے۔ یہ قصہ مجلس عاملہ میں کئی دفعہ پیش آیا مگر مولانا ارشد مدنی اور ان کے حامی ممبران کمیشن مقرر کروا کر کے حساب و کتاب کی جانچ کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہو رہے تھے، جب ایک دفعہ مولانا محمود مدنی نے یہ دھمکی دی کہ اگر آپ کمیشن نہیں مقرر کریں گے تو میں استعفا دیتا ہوں اور کام نہیں کروں گا، مجلس عاملہ کے بعض بزرگ ممبران نے بھی مولانا ارشد صاحب پر زور دیا کہ کمیشن مقرر کئے جانے پر اور حساب کی جانچ پر آپ کو اعتراض کیوں ہے، بہر حال بہت ہی ردو کد کے بعد مولانا ارشد صاحب کمیشن مقرر کرنے پر تیار ہوئے مگر یہ شرط لگادی کہ اس میں فلاں صاحب بھی ہوں گے، اور ان فلاں صاحب کا

نام اسی لئے ان چار نفری کمیشن کمیٹی میں رکھا تا کہ کمیشن اپنا کام ہی نہ کر سکے، چنانچہ یہی ہوا سال بھر گذر جانے کے بعد بھی کمیشن نے کچھ نہیں کیا اور حساب وکتاب کی جانچ نہ ہو سکی، اور یہی مولانا ارشد صاحب کا مقصود تھا۔

حالات کھینچ تان والے اسی طرح چل رہے تھے کہ دوسرے ٹرم کے لئے صدارت کے انتخاب کا وقت آ گیا۔ مرکزی صدر کا انتخاب صوبائی جمعیتیں کرتی ہیں۔ صوبائی جمعیتوں کے انتخابات کا مرکزی صدر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور نہ صوبہ کے معاملات میں مرکزی صدر کا کوئی کردار ہوتا ہے، مگر مولانا ارشد صاحب نے یہاں بھی اپنی سابقہ روایات کے مطابق جگہ جگہ دخل اندازی شروع کی، اور ان کے ساتھ کثیر تعداد ان لوگوں کی شامل ہو گئی جو ہمیشہ سے جمعیۃ کے دشمن تھے، اور جو فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی زندگی میں گالیاں دیا کرتے تھے، ایسے لوگوں کی بڑی تعداد مولانا ارشد مدنی کے ساتھ آج بھی لگی ہوئی ہے، مولانا ارشد نے صوبائی انتخابات کے بارے میں جس پستی کا مظاہرہ کیا اگر اس کو بیان کیا جائے تو وہ مستقل ایک مضمون چاہتا ہے، بہرحال مولانا ارشد مدنی کی ساری تگ و دو بیکار گئی اور بیشتر صوبوں میں ان کا آدمی ناکام ہو گیا، خصوصاً صوبہ یوپی جس میں مولانا ارشد مدنی نے اپنی پوری طاقت لگا دی تھی، اس میں وہ بری طرح ہار گئے، صوبوں میں بری طرح ان کی شکست نے مولانا ارشد مدنی کو حواس باختہ کر دیا اور اب وہ اس بات پہ آ گئے کہ ہم ان انتخابات کو تسلیم نہیں کریں گے حالانکہ ان انتخابات کی مجلس عاملہ نے جو انہیں کی صدارت میں ہوئی تھی تصدیق کی تھی اور اس پر کامل اطمینان کا اظہار کیا تھا، اور جن جگہوں پر مولانا ارشد صاحب کو کچھ اختلاف تھا بحث وتحقیق کے بعد مولانا ارشد صاحب نے اس پر اپنا اطمینان ظاہر کیا تھا، مگر اپنی بات سے پلٹ جانا اور اس کے لئے سچ اور جھوٹ کا سہارا لینا مولانا ارشد مدنی کی قدیم روایت رہی ہے، مولانا ارشد مدنی کا تعلق جس خاندان سے ہے اس کے تقدس کا تقاضا تھا کہ مولانا ارشد مدنی اسلامی اخلاق وآداب کا پورا لحاظ رکھتے مگر مجھے یہ بات انتہائی افسوس کے ساتھ کہنی پڑ رہی ہے کہ قسمیں کھا کھا کر اور واللہ، باللہ، تاللہ کی رٹ لگا کر بلا تکلف غلط

بیانی اور دروغ گوئی سے کام لینے میں اللہ کے نام کی حرمت کو پامال کرنے میں مولانا ارشد مدنی کو ذرا بھی تکلف نہیں ہوتا ہے، مجلس عاملہ میں ہم نے یہ منظر بار بار دیکھا ہے، اور بسا اوقات مجلس عاملہ کے سامنے مولانا کو بڑی سبکی اٹھانی پڑی۔

بہر حال کہہ یہ رہا تھا کہ مولانا ارشد مدنی کو جب صوبوں میں کامیابی نہیں ملی تو انھوں نے آر پار کی جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور دستور کو پاؤں سے روندتے ہوئے بعض صوبوں کی منتخب جمعیتوں کا انتخاب کالعدم قرار دینے کی تگ و دو شروع کی جس میں صوبہ یوپی کا بھی انتخاب تھا، اور جب مجلس عاملہ نے ان کا اعتراض غیر معقول قرار دے کر ان صوبوں کے انتخابات کی تصدیق کر دی تو اب مولانا کو اپنی ناکامیابی کا احساس شدت سے ہوا اور انکو محسوس ہوا کہ اگر مجلس عاملہ اپنے موجودہ ڈھانچہ کے ساتھ رہی تو ان کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوگی تو ایک معمولی سی بات کا سہارا لے کر مولانا نے جمعیۃ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا آغاز کر دیا، یہ اس خط سے معلوم ہو جائے گا کہ مولانا کو جنگ کا آغاز کرنے کے لئے ایک بہانہ چاہئے تھا جو ۱۲ر فروری کی مجلس عاملہ میں ان کو مل گیا، مولانا محمود کے نام مولانا ارشد مدنی کا خط ملاحظہ فرمائیے۔

عزیزم محمود سلمہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے ہر طرح خیریت ہو، کل جو صورت ورکنگ کمیٹی میں پیش آئی وہ میرے لئے بالخصوص بہت تکلیف دہ ہے، حاجی ہارون صاحب کا ایک ورکنگ کمیٹی کے عالم دین ممبر کو "مولوی حبیب الرحمٰن" کہہ کر خطاب کرنا قابلِ مذمت ہے۔

اسی طرح قاری محمد عثمان صاحب کا آپے سے باہر ہونا اور روکنے کے باوجود نہ رکنا تکلیف دہ چیز ہے جو خود نائب مہتمم دارالعلوم کی حیثیت سے ان کے لئے نامناسب ہے، کچھ دوسرے مدعو حضرات بھی گفتگو کرتے ہوئے مراتب کا فرق نہیں کرتے، یہ نامناسب صورت ہر ممبر کو سہما دینے والی ہے، یا تو ان کی جیسی کہیں اور یا اپنی ٹوپی اچھلوائیں، اسلئے میں مدعوین خصوصی (جن کا ذکر دستور میں کہیں بھی نہیں ہے اور میں نے ہی ان کو نامزد کیا تھا) کو ختم کرتا ہوں

اب ورکنگ کمیٹی میں صرف ارکان عاملہ کو دعوت نامہ بھیجا جائے ۔ والسلام

(دستخط)

۲۹/۲/۲۰۰۸ء

۲۸ر فروری کی یہ وہی مجلس عاملہ تھی جس میں مولانا ارشد مدنی اور ان کے بعض ہم نوا ممبران کچھ ریاستوں کے انتخابات کو جو بالکل آئینی اور دستوری تھے رد کرنے پر مصر تھے، اس بحث میں دوران گفتگو کچھ تیز اتیزی بھی بعض ممبران کے درمیان ہوئی، اور یہ تو مولانا ارشد جب سے نامزد صدر ہوئے تھے ہر مجلس عاملہ میں ہوا کرتی تھی، لیکن اس دفعہ چونکہ مولانا کو باقاعدہ جنگ کا آغاز کرنا تھا اس وجہ سے اس آپسی گفتگو کو بہانہ بنا کر مولانا ارشد نے تمام مدعوئین خصوصی کی چھٹی کر دی، اور لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا ارشد مدنی اس خط میں بھی اپنی پرانی عادت یعنی جھوٹ بولنے کی عادت سے باز نہیں رہے، معلوم نہیں اس اللہ کے بندہ کو جھوٹ بولنے میں کتنا مزہ ملتا ہے اور کیسی لذت انھیں حاصل ہوتی ہے، اپنے خط میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان مدعوئین خصوصی کو میں نے نامزد کیا تھا، یہ بالکل صریح جھوٹ ہے، یہ تمام مدعوئین خصوصی مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کے زمانہ سے چلے آرہے ہیں۔ ان مدعوئین خصوصی میں سے ایک مدعو بھی مولانا ارشد مدنی کا نامزد کردہ نہیں ہے۔ اور بعض مدعو حضرات تو ان لوگوں میں سے ہیں جو جمعیۃ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر حضرت مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کو بھرپور اعتماد تھا، اور جمعیت کے میدان عمل میں ان کی خدمات کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ بہر حال یہ تمام خدام جمعیۃ کو مولانا ارشد مدنی نے دو آدمی کی آپسی تکرار کے نتیجہ میں مجلس عاملہ سے نکال باہر کر دیا۔ صورت حال بڑی سنگین تھی اور اس سے مولانا ارشد مدنی کی نیت کا صاف اندازہ لگ رہا تھا کہ وہ جمعیۃ پر اپنا پورا تسلط جمانے کا منصوبہ بنا چکے ہیں۔

مولانا ارشد صاحب کا یہ کہنا تو درست ہے کہ ان کا دستور میں کہیں ذکر نہیں ہے مگر جمعیۃ کی یہ پرانی روایات رہی ہے کہ مجلس عاملہ میں مدعوئین خصوصی کی ایک معتد بہ تعداد ہمیشہ سے رہی ہے۔ اور ان کی رائے کا اتنا ہی وزن ہوتا تھا جتنا کہ کسی رکن عاملہ کا، جمعیۃ کا کاروائی رجسٹر

گیا ہے کہ معوئین خصوصی کا وجود حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب کے زمانہ صدارت ہی سے رہا ہے، مولانا ارشد مدنی نے جمعیۃ کی اس روایت قدیمہ کو بڑی بے دردی سے پامال کرنے کی قسم کھالی۔ یہ صورت حال بڑی سنگین تھی، اس لئے مولانا محمود مدنی کو ۷/۳/۲۰۰۸ کو ایک مجلس عاملہ بلانی پڑی تاکہ اس صورتحال سے نمٹنے کی کوئی راہ نکالی جائے، چنانچہ یہ میٹنگ ہوئی اور ایجنڈا کے بموجب اس میٹنگ میں مولانا کے اس اقدام کی مذمت کی گئی اور چند ایک کو چھوڑ کر تمام مجلس عاملہ نے مولانا کی اس کاروائی پر سخت ناگواری کا اظہار کیا اور اسی مجلس عاملہ نے طے کیا کہ مولانا ارشد مدنی کی جمعیۃ کی صدارت ابھی مستقل بھی نہیں ہے، وہ عبوری صدر چل رہے ہیں اور انھوں نے نئے ٹرم کا ابھی چارج بھی نہیں لیا ہے ان کے مسلسل غیر دستوری عمل اور خلاف ضابطہ کاروائیوں اور جمعیۃ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے قابل مذمت عمل کی وجہ سے ان کو صدارت کے عہدہ سے برطرف کر دیا جائے، جب اس ایجنڈا پر بحث شروع ہوئی تو مولانا ارشد مدنی اور ان کے ساتھ اس مجلس عاملہ میں شریک پانچ اور صاحبان، مولانا عبدالعلیم فاروقی، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی، مولانا عبدالہادی پرتاب گڈھی، حسین احمد قادری اور ایک صاحب اور مجلس سے واک آوٹ کرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، اور یہ اعلان کیا کہ میں اس مجلس عاملہ کو ختم کرتا ہوں، اور دوسری مجلس عاملہ بنانے جارہا ہوں۔

مجلس عاملہ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور مجاز اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا ازہر صاحب رانچی کو صدر مجلس بنایا اور بالاتفاق پوری مجلس عاملہ نے عبوری دور کے لئے مولانا قاری عثمان صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو صدر منتخب کیا، اور مجلس عاملہ کی کاروائی کی تصدیق کے لئے ۲۶ مارچ کو مجلس منتظمہ بلانے کا فیصلہ کیا گیا، دہلی کے تمام اردو اخبارات نے مولانا ارشد مدنی کی جمعیۃ کی صدارت سے برطرف کئے جانے کی خبر کو اپنی شاہ سرخی بنایا، قومی آواز کی سرخی تھی "مولانا ارشد مدنی برطرف جمعیۃ علماء پھر تقسیم"

قومی آواز ۷ مارچ ۲۰۰۸ء یو، این، آئی کے حوالہ سے یہ خبر شائع کی۔

جدوجہد آزادی میں قائدانہ کردار ادا کرنے والی جمعیۃ علماء ہند آج اس وقت تقسیم ہوگئی جب جماعت کی مجلس عاملہ نے صدر مولانا ارشد مدنی کو ان کے عہدے سے برطرف کر دیا، دوسری جانب ارشد مدنی نے خود کو عہدے پر برقرار رہنے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے نئی مجلس عاملہ تشکیل دے دی ہے۔

یہاں پارٹی صدر دفتر پر مجلس عاملہ کی ہنگامی میٹنگ میں مولانا ارشد مدنی کے واک آوٹ کے بعد ان کے خلاف تحریک عدم اعتماد کی پیش کی گئی جسے میٹنگ میں موجود ۳۲ اراکین عاملہ اور مدعوئین میں سے ۲۴ نے منظور کرتے ہوئے قاری محمد عثمان (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کو نیا عبوری صدر منتخب کرلیا، تنظیم کے جنرل سکریٹری مولانا سید محمود مدنی نے یہاں ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کیا جس میں تقریباً دس ممبران عاملہ اور مدعوئین خصوصی موجود تھے۔ قاری محمد عثمان جو کہ مجلس عاملہ کی مدعو خصوصی ہیں ان کی تقرری کی تصدیق کے لئے ۲۶ مارچ کو مجلس منتظمہ کا ایک اجلاس طلب کیا گیا ہے۔ فروری ۲۰۰۶ء میں تنظیم کے رہنما مولانا سید اسعد مدنی کے انتقال کے بعد جماعت کی باگ ڈور سنبھالنے والے مولانا سید ارشد مدنی اور مولانا سید محمود مدنی کے درمیان جاری رسہ کشی اور انتشاری کیفیت کو ختم کرنے کے لئے ایک میٹنگ ۲۸ فروری کو ہوئی تھی، لیکن وہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکی، کیونکہ عاملہ کی میٹنگ کے اگلے روز ہی مولانا سید ارشد مدنی نے نہ صرف کرناٹک کے تنظیمی انتخاب کو کالعدم قرار دے دیا بلکہ عاملہ کے ۲۰ خصوصی مدعوئین کو بیک جنبش قلم ہٹا دیا، جس کے بعد مجلس عاملہ کے سات اراکین خصوصی ہنگامی میٹنگ بلائی گئی۔

تنظیم کے صدر دفتر مسجد عبدالنبی میں کشیدہ ماحول میں آج عاملہ کی میٹنگ شروع ہوئی اور مولانا سید ارشد مدنی کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش ہوئی، تو وہ اپنے رفقاء کے ساتھ واک آوٹ کر گئے، واک آوٹ کے بعد اراکین نے خلیفہ شیخ الاسلام مولانا ازہر صدر جمعیۃ علماء بہار و جھارکھنڈ مہتمم مدرسہ حسینیہ رانچی کو مجلس کا صدر منتخب کیا اور میٹنگ میں

سید ارشد مدنی کو جمعیۃ علماء ہند کی صدارت سے برطرف کرکے انکی جگہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد عثمان کو عبوری صدر منتخب کیا۔

مولانا سید محمود مدنی نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ مولانا سید ارشد مدنی قدم قدم غیر دستوری اور من مانے طریقے سے کام کر رہے تھے، اس ضمن میں انھوں نے آندھرا کرناٹک اور اتر پردیش کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مولانا ارشد مدنی مرکزی مشاہدین کی موجودگی میں دستوری طور پر ہوئے انتخابات کو کالعدم کرکے جماعت میں انتشار پیدا کر دیا تھا اور جماعت میں متوازی نظام قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس کے بعد اخبار میں مجلس عاملہ میں شرکاء حضرات کے نام ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مجلس عاملہ نے پہلے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے گذارش کی حضرت آپ صدارت قبول کرلیں، اس سے انشاء اللہ یہ جھگڑا بہت حد تک ختم ہوجائے گا، مگر مہتمم صاحب اس پر راضی نہیں ہوئے اور وہ بار بار یہی کہتے رہے کہ اگر میں نے صدارت قبول کی تو یہ جھگڑا دہلی سے دیوبند منتقل ہوجائے گا اور دارالعلوم میں فساد برپا ہوگا، یعنی حضرت مہتمم صاحب کو مولانا ارشد مدنی کی برطرفی سے اختلاف نہیں تھا، پوری مجلس عاملہ حضرت مہتمم صاحب نے ایک دفعہ بھی نہیں کہا کہ آپ حضرات کا یہ فیصلہ غیر دستوری ہے، چونکہ حضرت مہتمم صاحب کو مولانا ارشد مدنی کے مزاج کا خوب تجربہ ہے، ان کو اس کا اندیشہ تھا کہ اگر انھوں نے صدارت قبول کی تو مولانا ارشد مدنی دارالعلوم دیوبند میں بھی ہنگامہ کریں گے، اس وجہ سے وہ جمعیۃ کی صدارت قبول کرنے سے معذرت کر رہے تھے اور وہ چاہ رہے تھے کہ غیر جانب دار رہیں، یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے بار بار اعلان کے باوجود کہ وہ غیر جانب دار ہیں، مولانا ارشد مدنی مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو اپنی نئی مجلس عاملہ کا ممبر تصور کرا رہے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ انھوں نے دہلی ہائی کورٹ میں جو مولانا محمود مدنی اور قاری عثمان صاحب کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے اس میں اپنی نئی مجلس عاملہ میں جن ارکان کا نام داخل کیا ہے اس میں پہلا نام حضرت مہتمم صاحب کا ہے۔ اسلئے حضرت

مہتمم صاحب کو اخبار کے ذریعہ کئی بار یہ اعلان کرنا پڑا جو فریق میرے نام کا اپنے حق میں استعمال کر رہا ہے اس کا یہ عمل ان کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے۔

مولانا ارشد مدنی نے اپنی برطرفی کے بعد ۲۶ر مارچ کے اجلاس منتظمہ کو روکنے کیلئے جسمیں انکی برطرفی کی تجویز کو پاس ہونا تھا کی ایک بہت بڑی تعداد کو مسجد عبدالنبی میں جمع کر لیا اور صورتحال کو اتنی دھماکہ خیز بنا دیا کہ جمعیۃ کے کیپاؤنڈ میں پولیس کا انتظام کرنا پڑا، اس کے باوجود بھی ہر وقت خطرہ تھا کہ کب نہ ہنگامہ ہو جائے، ایک طرف مولانا محمود مدنی کے لوگ تھے تو دوسری طرف مولانا ارشد مدنی کے لوگ تھے اور مولانا ارشد مدنی نے طے کر لیا تھا کہ وہ مجلس منتظمہ نہ ہونے دیں گے، اس کے لئے انھوں نے ایک طرف مسجد عبدالنبی میں بہت بڑی تعداد جمع کی تو دوسری طرف پہلے لکھنؤ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ کورٹ مجلس منتظمہ کے انعقاد پر پابندی لگائے، مگر یہاں مولانا ارشد کو منہ کی کھانی پڑی اور کورٹ نے ان کے خلاف فیصلہ دیا تو انھوں نے ۱۹ر مارچ کو دہلی ہائی کورٹ میں مقدمہ داخل کیا، جس کی سماعت ۲۴ر مارچ کو ہونی تھی، مگر ارشد مدنی نے اپنے وکیل کے ذریعہ اس کی تاریخ ۲۴ر اپریل تک بڑھوا دی۔

اور افسوس یہ ہے کہ یہ مقدمہ اس وقت دائر کیا گیا جب کہ بعض بزرگوں کی کوشش سے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو اس جھگڑا کا نمٹارا کرنے کے لئے ثالث مقرر کیا گیا اور ان کی ثالثی کا خیر مقدم کرتے ہوئے مولانا محمود اور مولانا قاری عثمان صاحبان نے مجلس عاملہ کو اپنے اپنے عہدے سے استعفا پیش کر دیا، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی ثالثی کو مولانا ارشد نے بھی زبانی طور پر اور اخبارات کے ذریعہ تسلیم کیا، مگر مولانا ارشد صاحب کی نیت میں بہر حال فتور تھا کہ وہ ثالث کا فیصلہ اسی وقت قبول کریں گے جب وہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا۔ مولانا ارشد مدنی جب دہلی ہائی کورٹ میں مقدمہ فائل کیا تو اخبارات نے سرخی لگائی "یوپی کے بعد اب جمعیۃ کا معاملہ دہلی ہائی کورٹ میں۔ فریقین کی مفاہمت پر پانی پھر سکتا ہے، مقدمہ کی اگلی سماعت کی تاریخ ۲۴ر اپریل کو۔

یہ سرخی ہمارا سماج اخبار کی تھی، اور اس کے نیچے جو خبر تھی اس کا کچھ حصہ یہ ہے:

"نئی دہلی ۴ مارچ، سماج نیوز بیورو۔

جمعیۃ علماء ہند میں بحرانی کیفیت بدستور جاری ہے، مولانا سید ارشد مدنی گروپ کی جانب سے گزشتہ ۱۹ مارچ کو دہلی ہائی کورٹ میں دائر مقدمہ کی آج سماعت نہیں ہوئی اور آئندہ سماعت کی تاریخ ۲۴ اپریل مقرر کردی گئی۔

یاد رہے کہ اس گروپ نے گزشتہ ہفتہ لکھنؤ کی ایک سول عدالت میں بھی اس طرح کا ایک مقدمہ دائر کیا تھا جس میں انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

لکھنؤ کی سول عدالت میں شکست کے بعد دہلی ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کیا گیا ہے ...... جمعیۃ کو بچانے کی خاطر ایک فریق کی جانب سے اخلاقی طور پر استعفیٰ دیا جاچکا ہے، جب کہ فریق ثانی کی جانب سے ثالث کی ہدایات کی کوئی اہمیت معلوم نہیں ہوتی اسلئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امیر الہند اور سرکردہ شخصیات کی جانب سے مفاہمت کی کوشش رائیگاں جاسکتی ہے۔"

اخبار راشٹریہ سہارا کے مدیر عزیز برنی نے اپنی خصوصی تحریر میں یہ تبصرہ کیا۔

اس سمت میں (یعنی مفاہمت کی سمت میں) سب سے بڑی رکاوٹ ہے تو اس تنازعہ کا عدالت تک پہونچنا ہے یقیناً اس کی تائید نہیں کی جاسکتی، کم از کم ابھی صورت حال کو اتنے نازک موڑ پر نہیں سمجھنا چاہئے تھا کہ اس مسئلہ کو لے کر عدالت سے رجوع کیا جاتا وہ بھی جب کہ فریقین نے قابل فخر قابل تعظیم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو اپنا حکم منتخب کیا ہو اور ابھی ان کی عدالت سے ان کا فیصلہ نہ آیا ہو۔ (راشٹریہ سہارا ۲۹ مارچ)

ایک طرف مولانا محمود ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں

امیر الہند کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے۔ مولانا محمود مدنی

دیوبند ۲ مارچ سماج نیوز سروس

امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہے، جمعیۃ علماء ہند کے

جنرل سکریٹری کے استعفیٰ کے بعد مولانا محمود مدنی دیوبند میں پہلی بار آئے، انھوں نے اخبار نویسوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ جمعیۃ علماء ہند تنازع کو ختم کرانے کے لئے مولانا مرغوب الرحمٰن نے جو تحریر پیش کی تھی اس کے مطابق ہم نے امیر الہند سے عرض کیا ہے کہ جس کو چاہیں کمیٹی میں شامل کریں کیونکہ ہم مولانا مرغوب الرحمٰن کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں اس لئے ہم کمیٹی کے کے لئے اپنی طرف سے کوئی نام نہیں پیش کریں گے۔

مولانا محمود مدنی نے مزید کہا کہ جس کو حاکم مان لیا جاتا ہے اس کو پورا اختیار ہے کہ جو چاہے فیصلہ دے۔

اور دوسری طرف مولانا ارشد مدنی ہیں کہ وہ آج تک لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں، تا آنکہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو اخبار میں بیان دینا پڑا کہ:

"فریقین کی غیر مشروط تحریری یقین دہانی ضروری، جمعیۃ علماء کے تنازعہ کے حل کی سمت پیش رفت نہیں، مرغوب الرحمٰن۔ یہ سرخی تھی جو راشٹریہ سہارا نے لگائی ہے۔ اب خبر پڑھئے۔

"سہارنپور ۲۷؍مارچ۔ جمعیۃ علماء ہند کے موجودہ تنازع کے حل کے لئے اور جمعیۃ کو انتشار سے بچانے کے لئے جاری اپنی کوششوں کی بابت مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نمائندہ راشٹریہ سہارا کے ساتھ آج ایک خاص ملاقات میں کہا کہ انکی خواہش اور کوشش ہے کہ دونوں فریق مسئلہ کے حل کے لئے غیر مشروط تحریری طور پر یقین دہانی کرائیں کہ جو بھی وہ فیصلہ دیں گے وہ دونوں کو قابل قبول ہوگا۔ . . . .
. . . . انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مولانا محمود مدنی کی طرف سے ان کو اس بات کی یقین دہانی تحریری طور پر کرائی جا چکی ہے۔"

جمعیۃ کا تصفیہ کون سی کروٹ لے گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا، مگر ہمیں اس کا افسوس ہے کہ مولانا ارشد مدنی کے غیر دستوری و غیر اخلاقی جماعتی مفاد کے خلاف اقدامات سے جمعیۃ کو زبردست نقصان پہونچا ہے، اور وہ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت نیچے

سطح پر آگئے ہیں، اور انھوں نے جماعت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اب آخر میں ذرا آپ ان سوالات کو بھی پڑھ لیں جو اخبارات کے ذریعہ مولانا ارشد مدنی سے منتظمہ کے پچاس اراکین کے قریب لوگوں نے سوال کیا تھا، اور جن کا جواب مولانا ارشد مدنی کی طرف سے آج تک نہیں دیا جا سکا۔

۲۶ مارچ کے ہمارا سماج اخبار کے ذریعہ مولانا ارشد مدنی سے مندرجہ ذیل سوالات کئے گئے۔ سرخی یہ ہے۔

"مولانا ارشد مدنی جواب دیں، ملت اسلامیہ جواب چاہتی ہے۔"

(۱) جمعیۃ علماء ہند کے تقضیہ نا مرضیہ کی ابتدا کس نے کی؟

(۲) ۲۳ مارچ کو آپ جمعیۃ کا تحفظ کس سے کرانا چاہتے تھے۔ الف) کانگریس سے۔ ب) آر، ایس، ایس (ج) یا غنڈہ عناصر سے۔ (مولانا ارشد نے اس تاریخ میں مسجد عبدالنبی میں بڑی بھاری بھیڑ جمع کی تھی اور جمعیۃ کے دفاتر پر قبضہ کا پروگرام بنایا تھا۔)

(۳) جمعیۃ علماء ہند کے تقضیہ میں آپ نے دارالعلوم کو کیوں گھسیٹا (مولانا ارشد نے چند باہری لوگوں کے ذریعہ دارالعلوم میں ہنگامہ کرانا چاہا تھا، اور مولانا قاری عثمان صاحب نائب مہتمم کے خلاف نعرے لگوائے تھے۔

(۴) مولانا اسجد مدنی کے اسکول میں وہ طلبہ جن کا دارالعلوم سے کوئی تعلق نہیں تھا ان کو بلا کر اور یہ کذب بیانی کر کے کہ آپ کو مولانا محمود مدنی نے دہلی میں یرغمال بنا رکھا ہے، کیوں بھڑکایا۔

(۵) دارالعلوم کے طلباء کو یہ نعرہ آپ نے کیوں دیا کہ دارالعلوم کو عثمان نہیں ارشد چاہیئے۔

(۶) جمعیۃ اور دارالعلوم کے علماء کو امریکہ کا ایجنٹ بتا کر آپ ملت کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں (مولانا ارشد مدنی نے اپنی جمعیۃ کا جن صاحب کو ناظم تنظیم و ترقی بنایا ہے یعنی مفتی اشفاق اعظمی انھوں نے اخبار میں یہ خبر شائع کرائی تھی کہ مولانا قاری عثمان اور

جمعیۃ کے چند ممبران صہیونی طاقت کے اشارے پر کام کر رہے ہیں اور یہ لوگ امریکہ کے ایجنٹ ہیں)

(۷) احمد رضا خاں کی سوانح پر مشتمل نمبر کا اجراء کر کے آپ نے مسلک دارالعلوم کو کیوں داغدار کیا؟ (راشٹریہ سہارا نے بریلویوں کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں پر نمبر شائع کیا تھا اور کلکتہ کے مسلم پرسنل لا بورڈ میں مولانا ارشد کے ہاتھ سے اس کا اجراء ہوا تھا۔)

(۸) آپ جمعیۃ کی رقومات دفتر میں کیوں نہیں جمع کرتے اور جمعیۃ کے دفتر میں توڑ پھوڑ مچا کر آپ نے ریکارڈ کو خورد برد کیوں کیا اور ضروری ریکارڈ کو آپ نے غائب کیوں کیا؟ (مولانا نے یہ کارنامہ بھی اپنے لوگوں سے انجام دلوایا تھا۔)

(۹) جمعیۃ اور تبلیغی جماعت کے عمر بھر کے دشمن اور عمر بھر فدائے ملت کو گالیاں دینے والا شخص سلامت اللہ کو عاملہ کا ممبر بنا کر آپ جمعیۃ کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟

(۱۰) آپ جمعیۃ میں اتحاد چاہتے ہیں یا انتشار، اگر اتحاد چاہتے ہیں تو آپ الگ کیوں نہیں ہو جاتے۔

جاری کردہ۔ اراکین مجلس منتظمہ ہمدردان جمعیۃ علماء ہند»

ان سوالات میں تین باتیں بہت اہم ہیں، ایک تو یہ کہ مولانا ارشد مدنی صاحب نے جمعیۃ کے نام پر وہ رقمیں جو ان کے ذریعہ سے آئی تھیں، اس پورے دو سال کے عرصہ میں مولانا نے ان کو دفتر میں جمع نہیں کرایا، ان میں بعض رقوم بہت بڑی ہیں جن کا تذکرہ ایک دفعہ مولانا نے مجلس عاملہ میں خود بھی کیا تھا، ان تمام رقومات پر جو جمعیۃ کی امانت ہیں مولانا نے قبضہ کر رکھا ہے۔

دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ مولانا کی نام نہاد جمعیۃ کے بعض ارکان کا ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کے بعض حضرات کے بارے میں یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کہ یہ امریکہ گئے تھے اور یہ صہیونی اور امریکی ایجنٹ ہیں اور ان کے نام کے ساتھ اس خبر کی اشاعت کرنا آج کا یہ جھوٹ معلوم نہیں کل کے دن کیا گل کھلائے گا، اور دیوبند اور جماعتِ دیوبند کے جو ہندوستان بھر میں

پھیلے دشمن ہیں اس اعلان سے وہ کتنا فائدہ اٹھائیں گے، اور دیوبندی جماعت اور دارالعلوم دیوبند اس جھوٹ سے دنیا بھر میں کتنا بدنام ہوگا، اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ حضرت قاری عثمان صاحب اور مولانا محمود مدنی کی مخالفت میں یہ لوگ مولانا ارشد مدنی کی رہنمائی اور قیادت میں اتنی پستی تک چلے جائیں گے اس کا اندازہ نہیں تھا، حضرت قاری عثمان صاحب دامت برکاتہم جو دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم بھی ہیں ان کا نام لے کر یہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہر فرزندان دارالعلوم کے سر کو شرم سے جھکا دینے والا ہے۔

تیسری بات جو ان سوالات بہت زیادہ قابل توجہ ہے وہ حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب کے ہاتھوں اعلیٰ حضرت بریلوی احمد رضا خاں نمبر کا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں اجراء کا معاملہ ہے۔ حضرت مولانا ارشد مدنی دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث بھی رہیں اور وہاں کے ناظم تعلیمات بھی ہیں۔

اس اعلیٰ حضرت نمبر میں اکابر دیوبند کے بارے میں کیا کچھ نہ ہوگا سب جانتے ہیں مگر مولانا ارشد کو اس کی پرواہ نہیں ہوئی اور یہ بھی ان کو یاد نہیں رہا کہ ان کے والد محترم حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب الشہاب الثاقب میں اعلیٰ حضرت خاں صاحب بریلوی کے بارے میں کیا لکھا ہے، جن اعلیٰ حضرت کی ذات شریف کا عنوان ہی علماء دیوبند کو کافر کہنا اور گالی دینا رہا ہے، ان اعلیٰ حضرت کے بارے میں شائع ہونے والا اعلیٰ حضرت نمبر کا اجراء بدوہ بھی مولانا ارشد مدنی کے ہاتھ سے، شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

اتنا کچھ لکھا جا چکا تھا کہ یکم اپریل منگل ۲۰۰۸ء کے راشٹریہ سہارا کے پہلے ہی پیج پر حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا ایک اعلان پڑھنے کو ملا اور اسی کے بغل میں مولانا محمود مدنی کا بھی ایک اعلان ہے، حضرت مہتمم صاحب کے بارے میں جو خبر ہے اس کی سرخی ہے "دارالعلوم دیوبند سے استعفا کی خبر بے بنیاد" "ہائی کورٹ میں دائر مقدمہ سے بھی اظہار لاتعلقی" مرغوب الرحمٰن۔

خبر کا کچھ حصہ یہ ہے: مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا مرغوب الرحمٰن نے ہندی اور اردو کے

بعض اخبارات میں دارالعلوم دیوبند سے اپنے استعفار کی خبر کو شرانگیز اور بے بنیاد بتایا ہے
. . . . . . اُنھوں نے کہا کہ نجی ضرورت سے وہ کچھ دن کے لئے بجنور وہ اپنے گھر آئے
تھے ، جس کو فتنہ پرداز لوگوں نے اس کو استعفار قرار دیا "

قارئین زمزم نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ فتنہ پرداز لوگ کون ہیں ، جی ہاں یہ مولانا ارشد کا گروپ ہے ، جو دیوبند میں فساد مچانے کی پوری تیاری کر چکا ہے ۔

مہتمم صاحب آگے مزید فرماتے ہیں : " انھوں نے مزید کہا کہ دارالعلوم دیوبند سے میرے استعفار دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ، انھوں نے اس بات پر تشویش ظاہر کی کہ کچھ شرپسند لوگ جمعیۃ کے تنازع میں دارالعلوم کو بھی ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن انکی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوگی "

مہتمم صاحب نے صاف کر دیا کہ مولانا ارشد مدنی گروپ چاہتا کیا ہے ، چونکہ حضرت مہتمم صاحب نے اس کی خواہش کے مطابق ثالثی کا کردار ادا کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے ۔ اسلئے اب دارالعلوم دیوبند کو یہ گروپ اپنی شرپسندی کا مرکز بنانا چاہتا ہے ، اللہ ان شرپسندوں سے دارالعلوم کی حفاظت فرمائے ۔

آگے اسی خبر میں ہے ۔

۔ دریں اثنا یو این آئی کی اطلاع کے مطابق مولانا نے خود کو دہلی ہائی کورٹ میں دائر مقدمہ سے لاتعلقی ظاہر کی ہے ، اور کہا ہے کہ مجھے نہ اس نئی مجلس عاملہ کی رکنیت کی اطلاع ہے اور نہ ہی مجھے اس میں شرکت کا کوئی دعوت نامہ موصول ہوا ہے ، انھوں نے کہا کہ ایک فریق نے (یعنی ارشد گروپ نے) دہلی ہائی کورٹ میں جو مقدمہ دائر کیا ہے اس نے نئی مجلس عاملہ میں میرا نام بھی عدالت میں لگایا ہے ، مجھے نہ اس عاملہ کی رکنیت کی اطلاع تھی اور نہ اس میٹنگ میں شرکت کا کوئی دعوت نامہ موصول ہوا ہے ، اسی لئے میں اپنی جانبداری کے موقف کے تحفظ کے لئے اس سے بے تعلق ہونے کا اعلان کرتا ہوں "

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اس بیان نے واضح کر دیا

کہ مولانا ارشد مدنی جھوٹ فریب، دھوکہ دجل سازی میں کتنے آگے بڑھ چکے ہیں، اور وہ آئندہ کیا کرنے والے ہیں اس کا اندازہ لگانا کسی بھی ذی ہوش کے لئے مشکل نہیں ہے۔

اسی خبر کے ساتھ ایک دوسری خبر مولانا محمود مدنی کے متعلق ہے، اس کا عنوان ہے۔

۹۰ سالہ تنظیم کو تباہ کرنے کی متواتر کوشش جاری۔

خبر کا کچھ حصہ یہ ہے۔

" مولانا سید محمود مدنی نے کہا ہے کہ جمعیۃ میں حالیہ انتشار ختم کرنے کے لئے انھوں نے ثالثی کے لئے غیر مشروط طریقہ پر تمام ممکنہ اقدامات کئے، لیکن دوسری طرف سے اس ۹۰ سالہ تنظیم کو تباہ کرنے کی متواتر کوشش ہو رہی ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے مصالحاتی عمل کو بلا چون وچرا قبول کیا یہاں تک کہ میں نے جنرل سکریٹری کے عہدہ سے خود کو الگ کر لیا اور ۲۶ مارچ کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ بھی موخر کردی تاکہ امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰن مکمل آزادی اور غیر جانبداری کے ساتھ اپنا فیصلہ صادر کرسکیں۔

مولانا محمود مدنی نے مولانا ارشد مدنی پر من مانی کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ۔

متوازی جمعیۃ کی مجلس عاملہ کے دو اجلاس دفتر کے احاطہ میں ہو چکے ہیں، اور کل تیسری بار میٹنگ ہو رہی ہے۔

مولانا محمود نے کہا کہ مولانا ارشد مدنی مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو حکم مانتے ہوئے بھی پہلے لکھنؤ میں مقدمہ دائر کیا، پھر دہلی ہائی کورٹ میں اور اب اطلاع ہے کہ تیسرا مقدمہ کہیں اور بھی کرنے والے ہیں۔

مولانا محمود مدنی نے ۲۶/ مارچ کی مؤخر شدہ مجلس منتظمہ کا اجلاس ۵/ اپریل کو دہلی میں بلانے کا فیصلہ کیا ہے، جس کے لئے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے تحریری طور پر اجازت دے دی ہے"

بہرحال ایک طرف مولانا محمود مدنی ہیں جو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو حکم مان کر قدم قدم پر ان سے تعاون کر رہے ہیں تاکہ آپسی مصالحت کے ذریعہ کوئی

پائیدار حل اس خلفشار و انتشار کا نکل آئے اور جماعت کا اتحاد قائم رہے، اور دوسری طرف مولانا ارشد مدنی ہیں، جو حضرت مہتم صاحب کو حکم اور انکی ثالثی کو تسلیم کرلینے کے باوجود نہ ان کو غیر مشروط تحریر دے رہے ہیں کہ وہ ان کے فیصلہ کو بلاچوں چرا تسلیم کریں گے اور نہ وہ حضرت مہتم صاحب کے ساتھ کسی اور طرح کا کوئی تعاون کر رہے ہیں بلکہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کو انتخابات کو رد کر کے جگہ جگہ وہاں ایڈہاک کمیٹی تشکیل دے رہے ہیں۔ ایسے میں مولانا محمود صاحب کے لئے اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ مولانا ارشد مدنی پر عدم اعتماد کی جو تجویز ۹ مارچ کو مجلس عاملہ میں منظور ہوئی ہے اس کی توثیق منتظمہ سے کرائیں جو جمعیۃ کی سب ہائی باڈی ہے۔

اس وقت پوری جماعت دیوبند کے لوگوں سے زمزم کی یہ استدعا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور روئیں گڑگڑائیں کہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ فتنہ اور انتشار دارالعلوم دیوبند میں نہ پہونچے جس کی تیاری بڑے خفیہ طریقہ پر مولانا محمود مدنی مخالف کرچکا ہے۔ واللہ ھوالمستعان۔

ابھی یہ حصہ کاتب کے حوالہ نہیں کیا جا سکا تھا کہ ۲ اپریل ۲۰۰۸ء کے راشٹریہ سہارا کے پہلے ہی صفحہ پر یہ سرخی پڑھنے کو ملی:

"مفاہمت اور مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں رہی"

مولانا سید ارشد مدنی کی صدارت میں مجلس عاملہ کی میٹنگ میں شرکاء کا اظہار خیال

اس سرخی سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ خبر میں کیا ہوگا اور کس بات کی خبر دی گئی ہوگی، لیجئے خبر کا کچھ حصہ پڑھ لیں:

"مجلس عاملہ کی میٹنگ میں جس میں جمعیۃ کے موجودہ بحران کا جائزہ لیا گیا اور مختلف پہلوؤں پر غور و خوض کیا گیا، اس بات پر دکھ اور حیرت کا اظہار کیا گیا کہ امیر الہند اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمن نے نام نہاد مجلس منتظمہ کا اجلاس بلانے کے لئے مولانا محمود مدنی کو اجازت دے دی ہے، مصالحتی کوششوں کا جائزہ لیتے ہوئے مجلس عاملہ نے کہا کہ مفاہمت اور مصالحت کی گنجائش مجلس منتظمہ کے اجلاس کی اجازت کے بعد باقی نہیں رہ جاتی ہے، معزول صدر مولانا ارشد مدنی اور انکی نام نہاد غیر دستوری مجلس عاملہ نے یہ اعلان کر کے کوئی نیا دھماکہ نہیں کیا ہے۔ اہل ہوش

وخرد کو تو پہلے ہی سے اندازہ تھا کہ یہ وہ بندگانِ حق و صفا ہیں کہ کسی مصالحتی کوشش کو خواہ جماعت کا امیر الہند اس میں حکم اور ثالث ادا کر رہا ہو یہ حضرات قبول نہیں کریں گے، ان کے نزدیک انصاف، دستور، مصالحت، ثالثی کا صرف اس وقت یہ معنی ہے کہ مولانا ارشد مدنی کو جمعیۃ علماء کا صدر مان لیا جائے، انصاف کی یہی ایک بات ہے، بقیہ سراسر ظلم اور غیر دستوری و غیر آئینی اقدام۔

ومن غرہ الشیطان فلا سبیل لصرفہ عن عنادہ وتمردہ الا ان یشاء اللہ بفضلہ وکرمہ، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ، وصل وسلم علی نبینا المصطفی الذی قال، "عن عبدالرحمٰن بن سمرۃ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لاتسأل الامارۃ فانك ان اعطیتھا عن مسئلۃ وکلت الیھا وان اعطیتھا عن غیر مسئلۃ اعنت علیھا۔ یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عہدہ اور حکومت مت طلب کرو اسلئے کہ اگر تمہیں مانگ کرکے حکومت اور عہدہ ملا تو اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں ہوگی تم کو تمہارے عہدہ کے ساتھ تنہا چھوڑ دیا جائے گا اور اگر یہ چیز یعنی عہدہ اور حکومت بلا طلب اور بلا سوال ملے تو اللہ کی طرف سے تمہاری مدد ہوگی یعنی توفیق خداوندی تمہاری دستگیری کرے گی۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث پاک کی روشنی میں مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف نہیں ہے کہ مولانا ارشد مدنی جمعیۃ کی صدارت کیلئے جس طرح بے چین ہیں، اور وہ اسے جائز اور ناجائز ہر قیمت پر حاصل کرنے کیلئے کورٹ تک جاچکے ہیں، یہ صدارت کی طلب ان کیلئے بڑی مہنگی پڑ جائیگی اور اگر خدانخواستہ وہ صدر بن بھی گئے تو انکی یہ صدارت نہایت منحوس ہوگی، جہاں خیر و برکت کا کوئی نشان نہ ہوگا، اور جمعیۃ کی شاندار تاریخ کالے کالے داغوں اور سیاہ دھبوں میں گم ہوجائے گی۔

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نجات کیا ہے ؟ یعنی نجات کا ذریعہ کون سی چیز ہے ؟ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، اپنی زبان کو تم اپنے قابو میں رکھو ، اور زیادہ تر اپنے گھر میں رہو ، یعنی لوگوں سے زیادہ میل جول وخلا ملا نہ رکھو ، اور اپنی گناہوں پر روتے رہو۔

(ترمذی)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں ، صحابہ کرام کو آخرت کی فکر ہر وقت رہا کرتی تھی - انھیں معلوم تھا کہ آخرت کا معاملہ کچھ آسان نہیں ہے ، وہاں ایک ایک عمل اور ایک ایک ذرہ کا حساب دینا ہوگا - تو صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان اعمال کی بابت دریافت کیا کرتے تھے جن کے کرنے سے خدا کی خوشنودی حاصل ہو اور وہ اعمال اللہ کے غضب اور آخرت کے عذاب سے نجات دلانے والے ہوں - چنانچہ حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی نجات کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے بتلایا کہ اگر آدمی تین باتوں کا خیال رکھے تو وہ آخرت کے عذاب سے نجات پائے گا - آپؐ نے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ آدمی کو اپنے غصہ پر کنٹرول رکھنا چاہیئے ، غصہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان میں جو آتشی مادہ ہے جوش میں اور ابال میں آجاتا ہے ، اس وقت انسان بے قابو ہو جاتا ہے ، اور اس کی عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے ، ایسے موقع پر انسان کیا کر ڈالے کچھ کہا نہیں جا سکتا ، تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر غصہ پیدا ہو تو

غصہ پر کنٹرول کرو تاکہ تم سے خلاف شرع کوئی حرکت سرزد نہ ہو۔

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ لوگوں سے زیادہ ملنا چھوڑ دو، گھر میں زیادہ رہو لوگوں سے اختلاط کی کثرت بہت سے عیوب کو جنم دیتی ہے۔ اور کم از کم غیبت جیسے مرض میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ اتنا بڑا گناہ ہے جس کی وجہ سے انسان کے بہت سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ گھر میں زیادہ رہنے کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو انسان اپنے کام میں لگا رہے گا، مثلاً لکھنا پڑھنا ہے، ذکر و اذکار ہے، قرآن کی تلاوت ہے، نوافل کی ادائیگی ہے، یا وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہوگا، جس سے ان کی دلجوئی ہوگی، اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہوگی، گھر کا ماحول پیار و محبت کا ہوگا، اور بچوں کی صحیح تربیت ہوگی، اور تیسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ اگر گناہ ہو جائے تو آدمی کو اس پر ندامت ہو، اور وہ اس پر روئے اور اللہ سے معافی مانگے، اس سے اس کی گناہ الگ معاف ہوگی اور اس کی اس ندامت پر اللہ کی رحمت ٹوٹ کر کے برسے گی جس سے اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو روحانی امراض کے بہترین معالج اور آخرت کے معاملات سے سب سے زیادہ واقف کار تھے، آخرت کے عذاب سے امت کی نجات کی جو راہ دکھائی ہے وہی حقیقی راہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تینوں فرمودہ باتیں بظاہر بہت آسان معلوم ہوتی ہیں مگر ان کا کرنا اور ان کو عمل میں لانا اتنا آسان نہیں ہے، ہاں جو آدمی آہستہ آہستہ اپنے کو اس کا عادی بنا لیتا ہے اور اطبائے روحانی نے جو ان امراض کا نسخہ تجویز کیا ہے اس کو برتتا ہے تو ان تینوں پر عمل کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ملک یمن سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے، اس نے کہا کہ میرے والدین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم ان کی اجازت سے آئے ہو، تو اس نے کہا کہ ایسا تو نہیں ہے،

تو آپؐ نے اس سے کہا کہ جاؤ ان سے اجازت لے کر آؤ، اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کا اللہ کی نگاہ میں کتنا بلند مقام ہے کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغرض ہجرت اور جہاد بھی آتا اور اس کی اطلاع اس کے ماں باپ کو نہ ہوتی اور ان کی اجازت نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کو پسند نہیں کرتے تھے، اور اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خبرگیری اور خدمت ہر وقت واجب ہے، جبکہ جہاد میں شرکت اسی وقت واجب ہوتی ہے جب جہاد ہر شخص پر فرض عین ہو جائے اور امیر یا حاکم کی طرف سے اس کا اعلان ہو، ایسی حالت میں تو ماں باپ کی اجازت ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ماں باپ اجازت نہ دیں تب بھی جہاد میں شرکت فرض ہوگی، لیکن اگر جہاد ہر شخص پر فرض عین نہیں ہوا ہے تو جہاد میں شریک ہونے کے لئے ان کی اجازت ضروری ہے، اگر وہ اجازت نہ دیں تو جہاد میں شریک ہونا معصیت ہوگا، خصوصًا اس شکل میں تو اور بھی اجازت کی ضرورت ہے جب ماں باپ کا دوسرا کوئی خبرگیری کرنے والا نہ ہو، اور ماں باپ اپنی معذوری اور کمزوری کی وجہ سے اس کی خدمت کی محتاج ہوں۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل خودکش حملوں کا جو بڑا زور ہے، یہ تو قطعًا جائز نہیں ہے، اولًا تو اسلئے کہ یہ حملے شرعی جہاد کی قسم میں نہیں آتے، دوسرے یہ کہ یہ حملہ کرنے والے عام طور پر اپنے ماں باپ کو اپنے اس عمل کی اطلاع بھی نہیں دیتے، اجازت لینے کی بات تو دور کی ہے، کتنے خاندان اس طرح سے برباد ہوئے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، ان خودکش حملوں نے اسلام کی تصویر کو مسخ کر دی ہے، اور اسلام جو امن و آشتی کا دین ہے اور وہ غیروں کی نگاہ میں دہشت گردی کا دین ہو گیا ہے۔

کاش ہمارے یہ خودکش حملہ آور اس حقیقت کو سمجھیں کہ ان کے ان حملوں میں کتنے بے قصوروں کی جان جاتی ہے، اور اس میں بڑی تعداد تو خود مسلمانوں کی ہوتی ہے، یہ اسلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری قسط ۱۴

مقام صحابہؓ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی

صحابۂ کرام کے بارے میں تاریخی روایات کی حقیقت

رہے ابن الانباری تو خود ان سے ان تاریخی روایتوں کی جن کو زمانۂ حال کے محققین نے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا رکھا ہے۔ حقیقت سُن لیجیے، فرماتے ہیں:

ولا لتفات الی ما یذکرہ بعض اهل السیر فان ذلك لا یصح ولئن صح فله تاویل حسن۔ (الاسالیب البدیعہ ص۱۰)

اور بعض اہل سیر صحابہ کے بارے میں جو حکایات نقل کرتے ہیں ان کی طرف التفات نہیں کیا جائیگا اسلئے کہ وہ صحیح نہیں ہیں اور اگر صحیح بھی ثابت ہوں تو اس کی اچھی تاویل ہے۔

دیکھا آپ نے یہ حضرات ان تاریخی روایات سے جاہل نہیں تھے لیکن چونکہ وہ صحابۂ کرام کی عظمت وشان سے واقف تھے۔ صحابۂ کرام کی حیات مبارکہ کا کتاب وسنت کی روشنی میں انھوں نے مطالعہ کیا تھا اس لئے وہ ان تاریخی حکایات واختلافات سے قطعاً متاثر نہیں ہوئے اور ان روایات کی موجودگی میں بھی صحابہ کرام کے بارے میں وہ بے لاگ فیصلہ کیا جو ان کے شایانِ شان تھا۔

امام غزالی الاقتصاد فی الاعتقاد میں فرماتے ہیں۔

واعلم ان کتاب اللہ تعالیٰ مشتمل علی الثناء علی المهاجرین والانصار

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی کتاب مہاجرین وانصار کی مدح وثنا پر مشتمل ہے اور آنحضور اکرم

وتواترت الاخبار لتزكية النبي صلى الله عليه وسلم اياهم۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تزکیہ بطور تواتر ثابت ہے۔

اس کے بعد انھوں نے اصحابی کالنجوم اور خیر القرون قرنی والی حدیث نقل کی ہے پھر فرماتے ہیں :

وما من احد الا ورد عليه ثناء خاص في حقه يطول نقله فينبغي ان تستصحب هذا الاعتقاد في حقهم ولا تسئ الظن بهم۔

ان صحابہ کے ہر فرد کے بارے میں کوئی خاص تعریف وارد ہے جس کو نقل کرنے میں طوالت ہے اسلئے ضروری ہے کہ ان کے بارے میں تو یہی اعتقاد رکھے اور برا گمان قائم نہ کرے۔

اور پھر ان تاریخی روایتوں کے بارے میں جن سے صحابہ کرام کے بارے میں غلط [illegible] پیدا ہوتا ہے اور ان سے حسن ظن جاتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں :

وما يحكى عن احوال تخالف مقتضى حسن الظن فاكثره ما ينقل مخترع وما ثبت نقله فالتاويل متطرق اليه۔

اور جو احوال ان سے نقل کئے جاتے ہیں جو حسن ظن کے اقتضا کے مخالف ہیں تو ان میں سے بیشتر گڑھی ہوئی حکایتیں ہیں اور جن کا منقول ہونا ثابت ہے تو اس میں تاویل کی گنجائش ہے۔

اور پھر یہ ثابت کر کے حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عائشہؓ وغیرہ کا اقدام سب اپنی جگہ برحق تھا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد سے کام لیا تھا، فرماتے ہیں :

وما يحكى سوى هذا من روايات الاحاد فالصحيح منه مختلط بالباطل واكثره اختراعات الروافض والخوارج وارباب الفضول الخالفين في هذه الفنون فينبغي ان تلازم الانكار في كل ما لم يثبت وما ثبت فاستنبط له

اور ان کے سوا جن اخبار آحاد کو نقل کیا جاتا ہے تو اس کا صحیح حصہ باطل سے مختلط ہو گیا ہے اور ان میں بیشتر روافض و خوارج کی من گھڑت باتیں ہیں اور فضولیوں کی بکواس ہے جو اس طرح کے مشغلوں میں لگے رہتے ہیں اسلئے تمہارے لئے لازم ہے کہ جو باتیں ثابت نہیں ہیں اس کا

تاویلاً فما تعذر علیك نقله	انکار کر دو اور جو ثابت ہیں اس کی تاویل کرو اور
لعل تاویلاً وعذرا لمالم اطلع	جو بات تمہارے لئے متعذر ہو اور اس کی تاویل
علیہ۔	نہ کرسکو تو کہو شاید اس کی کوئی تاویل یا کوئی عذر
(الاسالیب البدیعہ ص ۶۸)	ہو جس کی مجھے اطلاع نہ ہوسکی۔

ابن صلاح نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں لکھا ہے۔

وغالب علی الاخباریین الاکثار	مورخین میں یہ بات غالب ہے کہ وہ روایات
والتخلیط فیما یروونہ۔	کثیرہ جمع کرتے ہیں جس میں ہر طرح کی روایتیں
(ص ۲۶۲)	گڈمڈ ہو جایا کرتی ہیں۔

یہ امت کے ان مایہ ناز افراد کا صحابہ کرام کے بارے میں فیصلہ ہے جن کو اللہ نے علم و فضل، دین و عقل ہر اعتبار سے ممتاز بنایا تھا، جن کو امت نے اپنا امام و پیشوا سمجھا ہے، جن کو اسلام کے لئے حجت سمجھا گیا ہے۔ جو علوم کی ہر وادی سے گذرے ہیں، جن کے سامنے تاریخی کتابوں کی یہ سب حکایتیں تھیں اور جو ان سے خوب واقف تھے۔ ان حضرات نے ان روایات و حکایات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جن سے امت کا قرن اول داغدار ہوتا ہے اور خیر القرون کے لوگوں کی تصویر بگڑتی ہے اور جو خیر امت اور امت وسط کے طغرائے امتیاز سے سرفراز ہیں وہ ساقط الاعتبار ثابت ہوتے ہیں۔

ان حضرات کے اس محتاط کلام کو کوئی محض خوش عقیدگی پر محمول کر کے اور ان کو وکیل صفائی[1] کا الزام دے کر کے صحابہ پر طعن و قدح کرنے کا جواز نہیں پیدا کر سکتا، امام ابن تیمیہ، امام رازی،

---

[1] مولانا مودودی ان علماء کو وکیل صفائی قرار دیتے ہیں جس کا کام صرف یہ ہوتا ہے جیسا کہ ان کا خیال ہے کہ وہ اپنے موکل کی ہر طرح کی صفائی پیش کرتا ہے اور غلط صحیح ہر طریقہ سے اسکو الزام سے بری قرار دینے کی کوشش کرتا ہے اس وجہ سے انھوں نے ان علماء کو نظر انداز کر دیا ہے اور خود اس باب میں تحقیق کرنا اور اسے پیش کرنا ضروری سمجھا ہے۔ (دیکھو خلافت و ملوکیت ص ۳۲۰)

غزالی وغیرہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کو کوئی بوالہوس محض خوش عقیدہ کہہ کران کے کلام کی حیثیت کو کم کرے، یہ دین حق کے وہ اساطین ہیں اور امت مسلمہ کی وہ فخر روزگار شخصیتیں ہیں جن کی عقل میں پختگی اور فکر ونظر کی بلندی کا صرف اپنوں کو نہیں غیروں کو بھی اعتراف ہے، ان حضرات کا کلام حقائق و واقعات کی روشنی میں ہے، اس کا تعلق محض خوش اعتقادی سے نہیں ہے۔

روافض وخوارج نے اپنے عقیدے کی احادیث گڑھی ہیں

کون نہیں جانتا کہ شریعت اسلامیہ کا چہرہ مسخ کرنے کے لئے، اور اسلامی تاریخ کے عہد زریں کو سیاہ دکھلانے کے لئے اور اپنے عقائد وافکار کی تائید میں باطل فرقوں نے خصوصًا روافض وخوارج نے جن کی صحابہ دشمنی ان کے عقیدے کا جز ہے۔ اپنے مطلب کی ہزارہا روایتیں اور ہزارہا افسانے تراشے ہیں، اور وہ تاریخ کی کتابوں میں کچھ اس طرح گڈمڈ ہوگئے ہیں یا کر دیئے گئے ہیں کہ تاریخی صحیح واقعات اور صحیح روایات سے ان باطل اور غلط افسانوں کا الگ کرنا بڑی دقت نظر اور بڑی دیدہ وری کا کام ہے اور یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض اپنے ذاتی مطالعہ، وسعت معلومات اور قوت فکریہ سے کام لے کر ان قصوں میں سے حق وباطل کا امتیاز کرلیں گے وہ زبردست غلط فہمی میں ہیں، یہ کام اس کا ہے جس کو اللہ نے نقد ونظر کے خاص ذوق کے ساتھ نور باطن بھی عطا کیا ہو۔

اور رہا یہ کہ اس طرح کے باطل افسانے اور غلط روایتیں ہزارہا کی تعداد میں پھیلی ہوئی ہیں، یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے اس سے ہر پڑھا لکھا آدمی واقف ہے۔ خوارج اور روافض اور زنادقہ نے یہ کام بڑی ہوشیاری سے کیا ہے۔

حماد بن زید کا بیان ہے:

وضعت الزنادقة علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعة عشر الف حدیث۔ (ص ۱۰۳ تدریب)

زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے چودہ ہزار حدیثیں گڑھی ہیں۔

اور وضع حدیث تو روافض کا بطور خاص مشغلہ رہا ہے۔ تدریب میں ہے۔

منهم قسم يضعون انتصاراً لمذهبهم	انھیں زنادقہ میں سے ایک قسم ہے جو اپنے مذہب
كالخطابية والرافضة وقوم من	کی نصرت میں قصے گڑھا کرتی تھی جیسے خطابیہ
السالمية (ايضاً)	روافض اور سالمیہ کی ایک جماعت۔

ابن حبان کتاب الضعفاء میں یزید مقری کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔

ان رجلاً من اهل البدع رجع عن	اہل بدعت میں سے ایک آدمی نے بدعت سے
بدعته فجعل يقول انظروا هذا	توبہ کی تو وہ کہنے لگا کہ تم دیکھ لیا کرو کہ تم یہ حدیث
الحديث عمن تاخذونه	کس سے لے رہے ہو اس وجہ سے کہ جب
فانا كنا اذا راينا رايا فجعلنا	ہم کوئی رائے مقرر کرتے تو اس کیلئے ایک حدیث
له حديثا۔ (ايضاً)	بنا لیا کرتے۔

اور خطیب اپنی سند سے حماد بن سلمہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

قال اخبرني شيخ من الرافضة	مجھے روافض کے ایک شیخ نے یہ خبر دی ہے کہ
انهم كانوا يجتمعون على وضع	وہ لوگ اپنے مذہب کے مطابق جمع ہو کر
الحديث على مذهبهم (تدريب ص۳)	حدیث وضع کرتے تھے۔

اندازہ لگائیے کہ جب کچھ لوگ اپنا یہی مشغلہ بنا لیں کہ وہ اپنے مذہب اور اپنے اعتقاد و رائے کے مطابق ہر طرح کی بات شائع کریں گے اور وہ بلا تکلف ان اکاذیب کو حدیث کا نام دے کر سند کے ساتھ پیش کر دیں گے تو احادیث و روایات کے ذخیروں سے اس طرح کے مکذوبات کا جدا کرنا کتنا دشوار کام ہے اور کم سے کم اعتقادی مسائل میں تاریخی روایات پر مکمل اعتماد کر لینا اور کتاب و سنت سے بالکل صرف نظر کر لینا کہاں تک مناسب عمل ہے۔

بعض لوگوں نے صحابہ کے معاملہ کو بھی محض تاریخی قرار دے رکھا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے بارے میں بڑی بے باکانہ گفتگو بڑی لاپرواہی سے کرتے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام کا معاملہ محض تاریخی نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق دین و مذہب سے ہے اس لئے اس بارے میں

آدمی کو اپنا قلم اور اپنی زبان بہت احتیاط سے استعمال کرنی چاہیئے، اور ان کے بارے میں اپنے قلب و نظر کو بہت صاف رکھنا چاہیئے، اگر آپ تاریخ کے کسی واقعہ کا انکار کردیں اگرچہ وہ واقعہ اپنی جگہ پر سند و متن کے اعتبار سے بظاہر کتنا بھی سچا ہو لیکن اس کے انکار سے آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن اگر آپ کے ذہن و دماغ میں صحابۂ کرام کے کسی فرد کے بارے میں غلط خیال نے قبضہ جمالیا اور آپ کے دل میں بدعقیدگی پیدا ہوگئی اور آپ کا ان سے حسن ظن جاتا رہا تو یہ آپ کے لئے بڑے خطرہ کی بات ہے اور اس سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، اسی طرح آپ نے جوش تحقیق میں آکر ان تاریخی روایات سے صحابہ کی تاریخ معلوم کرنے کی کوشش کی اور آپ نے احتیاط کا دامن چھوڑ دیا اور آپ کی تحریر پڑھ کر کسی کے دل میں صحابہ سے حسن ظن جاتا رہا اور اس کی جگہ بدعقیدگی پیدا ہوگئی تو وہ ہلاک اور برباد ہوا لیکن آپ بھی اس کے وزر سے نہیں بچ سکیں گے، اور اس کی گمراہی کا خمیازہ آپ کو بھی بھگتنا پڑے گا۔

صحابۂ کرام کی سیرت جاننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے آپ کتاب و سنت کی طرف رجوع کریں پھر تاریخ سے مدد لیں، اگر تاریخی روایات سے کتاب و سنت نے ان کی زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کے خلاف کوئی بات معلوم ہوتی ہے تو اسے بلا تکلف رد کردیں، یہی سلف کا طریقہ رہا ہے اور صحابۂ کرام کے بارے میں آج بھی اسی طریقہ کو اپنایا جائے گا اور مجرد تاریخی روایات پر نہ پہلے کبھی اعتماد کیا گیا ہے اور نہ آج اعتماد کرنا صحیح ہوگا۔

(جاری)

محمد عبداللہ قاسمی غازیپوری قسط نمبر ۱۰

بریلوی مذہب پر ایک نظر

دستر خوان پر شعر لکھا ہو تو اس پر کھانا جائز نہیں

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا اگر دستر خوان پر اشعار وغیرہ لکھے ہوں تو اس پر کھانا جائز ہے؟

ارشاد ہوا ۔ ناجائز ہے۔ (ملفوظات ص ۵۰ ج ۲)

فائدہ :- بریلوی حضرات اعلیٰحضرت کے اس فتویٰ پر عمل کریں ۔

وما علمناہ الشعر کا مطلب

اعلیٰحضرت قرآن کے اس جملہ وما علمناہ الشعر جس کا ترجمہ یہ ہے، کہ ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھلایا کا مطلب بیان فرماتے ہیں ۔

۔ تو آیہ کریمہ کے یہ معنی نہیں ہے کہ اور دن کے اشعار حضورؐ کے علم میں نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ حضورؐ کو ہم نے شعر گوئی پر قدرت نہیں دی اور نہ یہ حضور کے لائق ۔

(ملفوظات ج ۲ ص ۵۵)

نیز لکھتے ہیں ۔ البتہ ملکہ شعر گوئی حضور کو عطا نہ ہوا ۔ (ایضاً ج ۲ ص ۵۶)

فائدہ :- ایک طرف تو اعلیٰحضرت اور بریلوی حضرات آنحضورؐ کو مختار کل مانتے ہیں، اور دوسری طرف یہ بھی اقرار کر رہے ہیں کہ آنحضورؐ کو شعر گوئی پر قدرت نہ تھی ۔ پھر

یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں تھا، یعنی شعر گوئی پر قدرت تھی البتہ شعر گوئی کا ملکہ نہیں تھا۔ عجیب متضاد کلام ہے، خیر اس کا اعتراف تو اعلیٰ حضرت نے کر ہی لیا کہ آنحضورؐ کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں تھا اور اشعار کا ملکہ ہونا بھی ایک علم ہے۔ تو جب آپ کو یہ علم حاصل نہ تھا تو آپ عالم ماکان و مایکون اور عالم جمیع الامور و جمیع الغیوب کہاں ہوئے؟ اس پیچیدگی کو یا اعلیٰ حضرت حل کریں یا ان کے روحانی چیلے۔

اور رہا یہ کہ خاں صاحب کا یہ مطلب بیان کرنا کہاں تک درست ہے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ خالص قرآن کی تحریف ہے نہ کہ الفاظ قرآن کی صحیح ترجمانی۔

مقدس حضرات کی مٹھی میں قلوب ہوتے ہیں

مرتب ملفوظات اعلیٰحضرت لکھتا ہے۔

واقعی مقدس حضرات کی مٹھی میں قلوب ہوتے ہیں، جس طرف چاہیں رجوع کریں۔

(حاشیہ ملفوظات ج ۲ ص ۷۵)

فائدہ :۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے انگلیوں کے درمیان بندے کے قلوب ہوتے ہیں، اللہ ان قلوب کو جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ اور مرتب ملفوظات اللہ کی اس صفت کو مقدس حضرات کے لئے ثابت کر رہا ہے۔

ندوہ پر اعلیٰحضرت کا کرم

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

یہاں تک کہ اس میں (یعنی ندوہ میں) بدمذہب رہ گئے یا تو کھلے مرتدین جیسے رافضی، وہابی وغیرہم یا وہ نام کے سنی جوان کو اراکین دین بتاتے اور ان سے اتحاد مناتے، ندوہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نیچری، وہابی، قادیانی سب اہل قبلہ ہیں لہذا سب مسلمان ہیں (الفقاء ص ۷۹)

فائدہ :۔ بیچارے ندوہ والے وہ دل گردہ کہاں سے لائیں کہ اعلیٰحضرت

کی طرح کفر کا بازار گرم کریں اور تکفیر کی مشین گن سے پوری امت اسلامیہ کو ذبح کر ڈالیں۔

بال بڑھانا جہالت ہے

اعلیٰحضرت سے کہا گیا اکثر بال بڑھانے والے لوگ گیسو دراز کی دلیل لاتے ہیں۔
ارشاد ہوا، جہالت ہے۔ (ملفوظات ص ۲۹۹ ج ۲)

اللہ صاحب کہنا جائز ہے مگر!

اعلیٰحضرت صاحب سے پوچھا گیا۔ اللہ صاحب کہنا کیسا ہے؟ ارشاد ہوا، جائز ہے لیکن اللہ صاحب کہنا اسمٰعیل دہلوی کا محاورہ ہے اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم یقیناً ہمارے صاحب ہیں مگر نام پاک کے ساتھ صاحب کہنا آریہ، پادریوں کا محاورہ ہے، اسلئے نہ چاہیئے، آریہ، پادریہ، وہابیہ سب ایک ہیں۔ (ملفوظات ص ۱۴ ج ۲)

فائدہ :- دیکھا آپ نے اعلیٰحضرت کی اسمٰعیل دشمنی کہ ایک چیز جائز ہے مگر اعلیٰحضرت اس کو محض اس وجہ سے ناجائز کہتے ہیں کہ وہ اسمٰعیل دہلوی کا محاورہ ہے۔
یہاں اسمٰعیل دہلوی کو اعلیٰحضرت نے وہابیہ کہا، اور بتلایا کہ وہابیہ، آریہ، اور پادریہ سب ایک ہیں، حالانکہ اعلیٰحضرت کے یہاں اسمٰعیل شہید دہلوی علیہ الرحمۃ مسلمان ہیں تو کیا آریہ اور پادریہ بھی مسلمان ہیں، اور کیا آریہ کو مسلمان ماننا یہ کفر نہیں؟ دیکھئے اعلیٰحضرت نے اسمٰعیل دشمنی میں اپنے آپ کو کافر بنالیا، اہل حق کے ساتھ دشمنی کا یہی انجام ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور تفصیل کل شئ اور اعلیٰحضرت

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا۔ جب توریت میں تفصیل کل شئ ہے جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام خضر کے پاس علم حاصل کرنے کیوں گئے؟
اس کے جواب میں اعلیٰحضرت کا یہ محققانہ کلام ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:

"کوئی اعتراض نہیں، توریت کا تفصیل کل شئی ہونا فرمایا ہے، اس کا باقی رہنا کہیں نہیں فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام جب توریت لے کر آئے یہاں دیکھا کہ لوگ گؤ سالہ کے آگے سجدہ کرتے اور اس کی پرستش کرتے ہیں، آپ کی شانِ جلال کی یہ حالت تھی کہ جس وقت جلال طاری ہوتا آدہ گز کا ایک شعلہ کلاہ مبارک سے اٹھتا، جلال میں آکر الواحِ توریت پھینک دیں وہ ٹوٹ گئیں، امام مجاہد تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: تفصیل کل شئی" اڑگئی، صرف احکام باقی رہ گئے۔ (ملفوظات ص ۲۶ ج ۲)

فائدہ :- دیکھا آپ نے اعلیٰحضرت کی تحقیق، اس کا نام جواب ہے، کلاہ سے ایک گز کا شعلہ والی بات تو ہے ہی دلچسپ مگر اس سے دلچسپ تفصیل کل شئی کا اڑجانا ہے کاش کوئی اعلیٰحضرت سے پوچھتا کہ توریت میں تفصیل کل شئی کتنی دیر کے لئے تھی، موسیٰ علیہ السلام ابھی توریت لے کر آرہے ہیں۔ ابھی قوم نے تفصیل کل شئی پر آگاہی بھی حاصل نہیں کی ہے اور ابھی بھک سے وہ اڑ بھی گئی۔

شانِ باری میں موسیٰ علیہ السّلام کی جسارت

اعلیٰحضرت سے عرض کیا گیا۔

"حضور الواحِ توریت تو کلام خدا ہے ان کے ساتھ برتاؤ یہ کس طرح کیا ہے؟

ارشاد ہوا! حضرت ہارون آپ کے بڑے بھائی تھے، جلال کے وقت ان کا سر اور ڈاڑھی پکڑ کر کھینچنے لگے۔ شبِ معراج میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ کوئی شخص ربّ عزوجل کے حضور بلند آواز سے کلام کر رہا ہے۔ جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کون ہیں عرض کیا کہ حضرت موسیٰؑ۔ فرمایا کہ اپنے رب پر تیزی کرتے ہیں۔ عرض کی قد عرف ربہ حدّاتہ، ان کا رب جانتا ہے کہ ان کا مزاج تیز ہے۔ خیر اس کو بھی جانے دیجئے وہ جو رب عزوجل سے عرض کی ہے ان ھی الا فتنتک یہ سب تیرے ہی فتنے ہیں۔ یہاں کیا کہئے گا۔ (باختصار) ایضاً ج ۳ ص ۸،۷)

فائدہ :- اعلیٰحضرت کے اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں تیزی تھی اس وجہ سے توریت جو کلام الٰہی ہے اس کے ساتھ بے ادبی و بے حرمتی کا معاملہ بھی جائز ہو گیا۔ اب کوئی اعلیٰحضرت سے پوچھے کہ کیا مزاج کی تیزی کی عذر کی وجہ سے کلام الٰہی کے ساتھ گستاخی و بے ادبی کا معاملہ جائز ہے۔

شب معراج کا اعلیٰحضرت نے جو قصہ سنایا ہے وہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ اور کیا کسی نبی کے بارے میں یہ تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ جناب باری میں تیزی دکھلائے گا؟ کاش اعلیٰحضرت کچھ تو غور کرتے، عافیت تو اس میں تھی کہ جواب نہیں معلوم تھا تو خاموش ہو جاتے مگر "ملا آنکہ چپ نشود" اور اس کلام میں سب سے دلچسپ چیز تو "ان ھی الا فتنتک" کا اعلیٰحضرت کا ترجمہ ہے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اعلیٰحضرت قرآن کے بارے میں اس قدر جری ہیں کہ کلام الٰہی کا جو چاہیں ترجمہ بک دیں۔ خدارا ناظرین کرام نویں پارہ میں اس آیت کا ترجمہ خود ملاحظہ فرمائیں تاکہ اعلیٰحضرت کی حرکت کا اندازہ ہو سکے۔

قرآن کے معانی آنحضورؐ کے علم میں نہ ہوتے تھے

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

قرآن عظیم کے الفاظ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا اگرچہ معانی ان الفاظ کے ساتھ ہیں، لیکن ان معانی کا علم میں ہونا کیا ضروری ہے، نبی کلام الٰہی کے سمجھنے میں بیان الٰہی کا محتاج ہوتا ہے "ثم ان علینا بیانہ" اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان بھی ہوا ہو۔ (ملفوظات ص ۹ ج ۳)

فائدہ :- اس بیان سے معلوم ہوا کہ اعلیٰحضرت کے نزدیک آنحضورؐ کے لئے قرآن کے معانی کا علم میں ہونا ضروری نہیں۔ نیز یہ کہ آنحضورؐ کو بعض آیات کا نسیان یعنی بھول جانا بھی ممکن ہے، کیا بریلوی حضرات اس کڑوی گولی کو حلق کے نیچے اتارنے کے لئے تیار ہیں؟

ماشاء اللہ کے سلسلے کی ایک دلچسپ بحث

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا ماشاء اللہ تو ماکان و مایکون میں ہے، اور اللہ فرماتا ہے سنقرئك فلا تنسیٰ الا ما شاء اللّٰہ ہم تم کو پڑھا دیں گے پھر تم نہ بھولو گے مگر جو اللہ چاہے، اس سے لازم آتا ہے کہ ماشاء اللہ کا علم حضورؐ کو نہ رہا حالانکہ وہ ماکان و مایکون میں ہے۔

اعلیٰحضرت نے اس کا یہ محققانہ جواب دیا۔

۔ ماشاء اللہ کس کی نسبت فرمایا گیا ہے، آیاتِ الٰہی کی نسبت کلام ہے، اور آیاتِ الٰہی صفتِ الٰہی ہے اور وہ قدیم ہے ماکان و مایکون میں داخل نہیں، ماکان و مایکون تو ان حوادث کا نام ہے جو از اول تا آخر روز تک ہوئے اور ہوں گے۔

(ملفوظات ص ۲۷۹)

فائدہ :۔ اعلیٰحضرت کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ کے رسولؐ کو صرف حوادث کا علم ہے، جو چیزیں قدیم ہیں آنحضورؐ کو اس کا علم نہیں، صفاتِ الٰہیہ چونکہ قدیم ہیں اسلئے آنحضورؐ اس کے عالم نہ تھے۔ قرآن بھی قدیم ہے، خود اللہ کی ذات بھی قدیم ہے۔ اللہ کی بقیہ صفات بھی قدیم ہیں، اس لئے بقول اعلیٰحضرت حضورؐ کے علم سے یہ ساری چیزیں باہر ہیں۔ دیکھا آپ نے اعلیٰحضرت کے اس ارشاد نے کیا گل کھلایا کہ آنحضورؐ کو اللہ کی ذات کا علم نہیں، قرآن کا علم نہیں، اور اللہ کی صفات کا علم نہیں، آنحضورؐ تو صرف حوادث کے عالم ہیں، قدیم چیزیں آپ کے احاطۂ علم سے باہر ہیں۔

نماز جنازہ میں تاخیر جائز نہیں

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

بعض لوگ شب جمعہ میں جس کا انتقال ہوا میت کو تا نماز جمعہ رکھتے ہیں کہ

آدمیوں کی نماز میں کثرت ہو جائے یہ ناجائز ہے اور اس کی تصریح کتب فقہ میں ہے
(الملفوظات ص ۱۸ ج ۳)

فائدہ :۔ بریلوی حضرات اس قسم کی حرکت زیادہ کرتے ہیں، ان کو اعلیٰحضرت کا یہ سبق یاد رکھنا چاہیئے۔

حضورؐ کی قسم کھانا جائز نہیں

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا۔

حضورؐ کی قسم کھانا جائز ہے ؟ ارشاد ہوا۔ نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کیا یہ بے ادبی ہے ؟ ارشاد ہوا : ہاں۔ (ایضاً ص ۱۶ ج ۲)

فائدہ :۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم کھانے والا اور حضور کے نام اور آپ کی ذات کی تعظیم ہی کو نگاہ میں رکھ کر قسم کھاتا ہے، لیکن اس تعظیم کو اعلیٰحضرت نے جائز نہیں رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی یا ولی کی ہر تعظیم جائز نہیں بلکہ وہی تعظیم جائز ہوگی جو شرعاً مطلوب ہو اور جس سے شرعی کوئی قباحت لازم نہ آئے، یہی تو دیوبندی بھی کہتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے صاف صاف اس کو بے ادبی لکھا ہے۔

وہابی کیلئے دعا جائز نہیں

اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ سے پوچھا گیا۔ یہ دعا کرنا کہ اللہ وہابیوں کو ہدایت کرے جائز ہے یا نہیں ؟ ارشاد ہوا :

وہابیہ کیلئے دعا فضول ہے۔ ثم لا یعودون۔ ان کے لئے آچکا ہے، وہابی کبھی لوٹ کر نہیں آنے آئیگا۔ (الملفوظات ص ۲۹ ج ۳)

فائدہ :۔ آنحضورؐ نے تو ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگوں کے لئے بھی ہدایت کی دعا کی اور اعلیٰحضرت وہابیہ جو ان کے نزدیک کافر ہیں ان کے لئے ہدایت کی دعا

کو فضول بتلاتے ہیں۔ ذرا اعلیٰحضرت بتلائیں کہ " ثم لایعودون " قرآن کے کس پارے کی آیت ہے اور کیا یہ آیت وہابیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کیا آنحضورؐ کے زمانے میں وہابیہ تھے کہ قرآن کی یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ بارگاہ قرآن کا ایسا گستاخ کسی نے کب دیکھا ہوگا۔

امام ضامن

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا۔ امام ضامن کا جو پیسہ باندھا جاتا ہے اس کی کوئی اصل ہے؟ ارشاد ہوا کچھ نہیں۔ (ملفوظات ص ۲۴۶ ج ۲)

فائدہ :۔ امام ضامن وغیرہ کے چکر میں بریلوی حضرات بہت پڑے رہتے ہیں، اعلیٰحضرت کا ارشاد خدا کرے ان کے لئے مفید ہو۔

عرس میں افعال ناجائز نے بزرگوں کی توجہ کم کردی ہے

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا حضور بزرگان دین کے اعراس میں جو افعال ناجائز ہوتے ہیں ان سے ان حضرات کو تکلیف ہوتی ہے؟

ارشاد ہوا بلاشبہ اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے بھی توجہ کم فرمادی ہے۔

(الفضا ص ۴۷)

فائدہ :۔ عرس میں ناچ گانا، قبر کا سجدہ، عورتوں کا جانا بھی ناجائز ہے لیکن بریلوی حضرات ایسے بے ہودہ عرسوں میں بڑے شوق سے شریک ہوتے ہیں، حالانکہ ان بزرگوں کی توجہ بقول اعلیٰحضرت ان ناجائز امور کی وجہ سے کم ہوگئی ہے۔

(جاری)

محمد ابوبکر غازی پوری

اعیان العباد
یعنی
اللہ والے

ابراہیم بن یزید

ابراہیم بن یزید بڑے جلیل القدر امام وقت اور مقتدائے عصر تھے، فقہ میں بلند مقام کے حامل تھے، عبادت و پرہیزگاری اور خوف و خشیت میں یکتائے روزگار تھے، ان کے والد بھی اپنے وقت کے امام حدیث و فقہ تھے۔

ابراہیم نے اپنے والد کے سوا حارث بن سوید، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عمرو بن میمون رودی وغیرہ سے حدیث روایت کی ہے اور ان سے حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت اعمش، مسلم البطین یونس بن عبید وغیرہ ہیں۔

ابراہیم بن یزید کی وفات کم عمری ہی میں ہو گئی تھی، یعنی چالیس کی عمر ہی میں وہ حالت قید میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حجاج نے ان کو قیدخانہ میں ابراہیم نخعی سمجھ کر ڈال رکھا تھا، قصہ یہ تھا کہ حجاج کو ابراہیم نخعی کی تلاش تھی، اسے معلوم تھا کہ حضرت ابراہیم نخعی اس کی ظالمانہ کارروائیوں پر شدید نکیر کرتے ہیں اور اس کے ظلم و بربریت کا لوگوں کے سامنے برملا اظہار کرتے ہیں، چنانچہ حجاج نے ابراہیم نخعی کو

گرفتار کرنے کے لیے پولیس روانہ کی، اتفاق سے پولیس ابراہیم نخعی کے گھر جانے کے بجائے نام کی مشابہت کی وجہ سے ان کے گھر آگئی، ابراہیم بن یزید جانتے تھے کہ پولیس کس ابراہیم کو تلاش کر رہی ہے مگر اس کے باوجود پولیس نے جب یہ کہا کہ اس کو ابراہیم کی تلاش ہے تو انھوں نے کہا کہ میں ابراہیم ہوں، پولیس نے ان کو اپنا مقصود ابراہیم نخعی سمجھ کر گرفتار کر لیا اور یہ خاموشی سے پولیس کے ساتھ جیل خانہ پہونچ گئے، قید میں بڑی سختیوں سے پالا پڑا۔ دھوپ میں رکھے جاتے تھے، سردیوں میں چھپنے کی جگہ نہیں تھی، ان سختیوں کے نتیجہ میں ان کا رنگ اور ان کی ہیئت بالکل بدل گئی، ان کی ماں ان سے ملنے گئیں تو وہ بھی ان کو پہچان نہیں سکیں، جب بات چیت ہوئی تب انھوں نے اپنے بیٹے کو پہچانا، — تا آنکہ ابراہیم بن یزید کا ان سختیوں کو جھیلتے جھیلتے قید خانہ ہی میں چالیس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا، انھوں نے موت کو گلے سے لگانا پسند کیا مگر آخر تک یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ وہ ابراہیم نخعی نہیں ہیں، انھوں نے اپنی جان کا تحفہ پیش کر کے حضرت ابراہیم نخعی کی جان کو بچا لیا۔

ابراہیم ابتدائی عمر سے ہی بڑے اللہ والے عبادت گذار، خوف وخشیت والے رونے اور رلانے والے تھے، امام ذہبی فرماتے ہیں - كان شابا صالحًا، قانتًا لله، عالمًا، فقيها كبير القدر، واعظا - یعنی ابراہیم جوان صالح، اللہ کے فرماں بردار، حدیث وسنت کے عالم، فقیہ، بڑی شان کے مالک اور واعظ تھے۔

ابراہیم کا حال یہ تھا کہ ان کے چالیس روز اس طرح گذرے کہ انگور کا ایک دانہ چوبیس گھنٹے میں ان کی غذا ہوتی، کبھی ایک ایک مہینہ ایسا گذرتا کہ یہ نہ کچھ کھاتے اور نہ پیتے۔

امام اعمش کہتے کہ جب یہ سجدہ میں جاتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ یہ دیوار کا ایک تودہ ہیں، اور سجدہ اتنا طویل کرتے کہ چڑیاں ان کی پیٹھ کو دیوار کا تودہ سمجھ کر اس پہ بیٹھا کرتی تھیں، عوام بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ابراہیم نے آسمان کی طرف نگاہ اونچی کی ہو۔

ابراہیم فرماتے تھے کہ پہلے کے لوگوں پر دنیا ٹوٹا کرتی تھی اور وہ دنیا سے بھاگتے تھے اور آج حال یہ ہے کہ دنیا نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے اور ہم اس کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔

ان کا ملفوظ یہ بھی ہے کہ تم اگر کسی کو دیکھو کہ نماز میں سستی کی وجہ سے کسی کی تکبیر اولی فوت ہو رہی ہے تو اس سے قطع تعلق رکھو۔

وہ فرماتے تھے کہ جب بھی میں نے اپنے عمل کا جائزہ لیا ہے تو مجھے پتہ چلا کہ میرا قول کچھ ہے اور میرا عمل کچھ ہے۔

ابراہیم بن یزید کا انتقال ۹۲ھ میں ہوا۔ ان کے انتقال پر حجاج نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ آج کی رات شہر میں ایک جنتی کی وفات ہوئی ہے، تو اس نے صبح پتہ لگوایا کہ شہر میں آج کی رات کس کا انتقال ہوا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس شخص کا جو ابراہیم کے نام سے اس کی قید میں تھا، تو اس نے کہا کہ یہ شیطانی خواب تھا اور پھر ان کی لاش کو اٹھوا کر کوڑا پھینکنے کی جگہ ڈلوا دیا۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۵۲۱ج ۴)

سعید بن جبیر

سعید بن جبیر بن ہشام مشہور تابعی بزرگ ہیں، علم قرأت، علم تفسیر میں امامت کا مقام رکھتے تھے، کوفہ کے رہنے والے تھے، اور نہایت عابد و زاہد متقی اور خوف و خشیت والے تھے، متعدد صحابہ کرام سے حدیث روایت کی ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابومسعود بصری، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے۔

ان کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت ہے جن میں، ایوب سختیانی، آدم بن سلیمان ثابت عجلان، حبیب بن ابی ثابت، مالک بن دینار، مجاہد، ابن شہاب زہری وغیرہ بہت سے تابعین و اتباع تابعین کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

امام ذہبی نے ان کو الامام واحد الاعلام کے لقب سے یاد کیا ہے۔

ان کا قصہ ہے کہ ان کا ایک مرغ تھا، تہجد کے وقت وہ آواز لگاتا تھا، اس کی آواز پر یہ اٹھ جایا کرتے تھے، ایک روز اس نے آواز نہیں لگائی، وہ ابن جبیر کی آنکھ نہیں کھلی اور

ان کا تہجد فوت ہوگیا، حضرت سعید پر یہ ناغہ بڑا شاق ہوا تو ان کی زبان سے غصہ میں مرغ کے بارے میں یہ کلمہ نکلا۔ مالہ قطع اللہ صوتہ، مرغ کو کیا ہوگیا تھا، اللہ اس کی آواز ختم کر دے تو اس دن کے بعد اس مرغ کی آواز ہی نہیں سنی گئی، تو ان کی والدہ نے ان کو وصیت کی کہ بیٹا اب کسی چیز کو بد دعا مت دینا۔

قاسم بن ابی ایوب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ابن جبیر کو نماز میں یہ آیت واتقوا یوما ترجعون فیہ۔ (اس دن سے ڈرو جس دن تم لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤگے۔) بیس مرتبہ سے زیادہ دہراتے دیکھا۔

ہلال بن یساف کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر کو میں نے دیکھا کہ وہ کعبہ کے اندر گئے اور ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا۔

وفاء بن ایاس کا کہنا تھا کہ سعید بن جبیر رمضان کے زمانہ میں عشاء تاخیر سے پڑھتے تھے اور عشاء اور مغرب کے درمیان پورا ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

عبدالملک بن ابی سلیمان سے مروی ہے کہ سعید عام دنوں میں دو قرآن ختم کرتے تھے۔ سعید بن جبیر فرماتے تھے کہ خشیت اللہ سے اس طرح ڈرنے کا نام ہے کہ اللہ کی خشیت تمہارے درمیان اور تمہاری معصیت کے درمیان حائل ہو جائے، یعنی اللہ کی معصیت تم سے نہ صادر ہو۔ اور فرماتے تھے کہ ذکر اللہ کی اطاعت کا نام ہے، جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کو یاد کیا اور جس نے اس کی اطاعت نہیں کی وہ ذکر والا نہیں ہے خواہ وہ کتنا بھی اللہ کی تسبیح اور قرآن کی تلاوت کرے۔

امام سعید فرماتے تھے کہ مسلمان کا ہر روز جو اسے مل رہا ہے وہ غنیمت ہے۔ سعید بن جبیر کو حجاج نے قتل کیا تھا، جب ان کا سر ان کے بدن سے جدا ہوا تو تین مرتبہ اس سر سے لا الٰہ الا اللہ کی آواز بہت صاف سنائی دی، ان کے قتل پر ان کے بدن سے خون بہت نکلا، حجاج نے اطباء سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ جب یہ قتل کے لئے لائے گئے تو ان پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہیں تھا، اس وجہ سے بدن سے پورا خون نکلا، دوسرے

جب قتل کے لیئے لائے جاتے ہیں تو ڈر کی وجہ سے ان کا خون پہلے ہی خشک ہوجاتا ہے۔
اس وجہ سے ان کے بدن سے قتل ہونے کے بعد کم خون بہتا ہے، لوگوں نے بیان کیا ہے کہ
حجاج ان کے قتل کے بعد ایک روز بھی چین سے نہیں سو سکا، اور نہ کسی اور کو قتل کر سکا،
پندرہ دن کے بعد ہی وہ مرگیا، لکھا ہے کہ اس کے پیٹ میں زہر باد ہو گیا تھا، اسی مرض میں
سعید بن جبیر کے قتل کے پندرہ روز بعد مرگیا۔

حجاج نے ان کو ۹۵ سنہ ھ میں شہید کیا تھا، اس وقت ان کی عمر انتالیس سال تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۱۸۴)

علی بن الحسین زین العابدین

حضرت علی، زین العابدین جن کو علی اصغر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، حضرت حسین
کے صاحبزادہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتا تھے، ان کی نسبت میں ہاشمی، علوی، اور
المدنی کا اضافہ کیا جاتا ہے، ابو الحسین ان کی کنیت تھی، اور زین العابدین ان کا لقب تھا
کثرت عبادت میں یہ معروف تھے، اس وجہ سے ان کو لوگوں نے زین العابدین کا لقب دیا
زین العابدین کے معنی ہوتے ہیں عبادت گزاروں کی زینت۔

ان کی والدہ باندی تھیں جن کا نام سلامہ تھا، شاہ فارس یزدجرد کی لڑکی تھیں،
بعض لوگوں نے ان کی والدہ کا نام غزالہ بتلایا ہے۔ ۳۸ سنہ ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے،
معرکہ کربلا میں یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی،
اس معرکہ کے موقع پر یہ بخار کے مرض میں گرفتار تھے، اس وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکے
معرکہ ختم ہوجانے کے بعد خاندان والوں کے ساتھ ان کو دمشق روانہ کر دیا گیا تھا، جہاں یزید نے
ان کا بڑا اکرام کیا، اور اہل خاندان کے ساتھ ان کو مدینہ روانہ کر دیا، ان کے بھائی علی اکبر کے
نام سے جانے جاتے ہیں، یہ کربلا کے معرکہ میں شہید ہوئے تھے۔

علی اصغر زین العابدین کو اللہ نے خاندانی شرافت و سیادت کے ساتھ ساتھ علم و عمل

کا جامع بنایا تھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ کان علی بن الحسین ثقۃ، مامونا، کثیر الحدیث عالیًا، رفیعًا ورعًا۔ یعنی علی بن حسین ثقہ تھے، مامون تھے، کثیر الحدیث تھے، اونچے مقام والے اور بلند مرتبہ تھے، پرہیزگار وصاحب تقویٰ تھے۔
امام زہری فرماتے تھے کہ میں نے قریشیوں میں ان سے افضل نہیں دیکھا، امام ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے اہل بیت میں ان کے جیسا نہیں دیکھا، حالانکہ وہ باندی کے بطن سے تھے۔

حضرت علی باوجود خاندانی سیادت وشرافت کے حسب ونسب میں کم لوگوں سے بھی علم حاصل کرنے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے، اور خود ان کے دروازہ پر جاکر کے علم حاصل کرتے، اور جب لوگ اس بارے میں ان کو مطعون کرتے تو فرماتے العلم یبتغی ویوتی ویطلب من حیث کان یعنی علم کی طلب میں رہا جاتا ہے، خود اس کے پاس جایا جاتا ہے اور وہ جہاں سے بھی ملے حاصل کیا جاتا ہے۔
زہد وعبادت، اللہ سے تعلق اور نماز کی کثرت میں ان کے زمانہ میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ نماز میں استغراق کا عالم یہ ہوتا کہ گھر میں آگ لگ جاتی تھی اور لوگ آگ آگ کا شور مچاتے مگر ان کو اس کا احساس نہ ہوتا، اس طرح کا ایک قصہ محمد بن ابی معشر سندی ابی نوح انصاری سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ یہ گھر میں نماز پڑھ رہے تھے اور حالت سجدہ میں تھے کہ اسی کوٹھری میں آگ لگ گئی جس میں یہ سجدہ میں گرے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو آواز دینی شروع کی، اور آگ آگ کا شور بلند ہوا مگر یہ جس حال میں تھے اسی حال میں تھے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تا آنکہ آگ پر لوگوں نے قابو پا لیا۔ جب لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو اس کا پتہ نہیں چلا، تو انھوں نے کہا کہ آخرت کی آگ کے خوف نے مجھے اس آگ سے غافل کر دیا تھا۔
مصعب بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ یہ مرنے کے روز تک روزانہ ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے، ان کا نام ان کی عبادت ہی کی وجہ سے زین العابدین

پڑا تھا۔

امام طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین کو حجر اسود کے پاس دیکھا کہ وہ سجدہ میں گرے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں عبیدك بفنائك مسكينك بفنائك سائلك بفنائك، فقيرك بفنائك یعنی اے اللہ آپ کا حقیر بندہ آپ کے دربار میں ہے، آپ کا مسکین بندہ آپ کے دربار میں ہے، آپ سے سوال کرنے والا اور آپ کے دربار میں ہے۔ آپ کا محتاج آپ کے دربار میں ہے۔

امام طاؤس فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں جس پریشانی میں بھی ان کلمات سے دعا مانگی وہ پریشانی دور ہو گئی۔

حضرت علی سخاوت، فیاضی، حلم و بردباری میں بھی بے مثال تھے، فقراء اور مساکین پر اس طرح خرچ کرتے کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلتا، ان کے مرنے کے بعد لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ ایک غریب خاندان کی کفالت کرتے تھے، شیبہ بن نعامہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی کا انتقال ہوا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک سو خاندان کی یہ پرورش کیا کرتے تھے۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ مدینہ والوں کا بہت سا خاندان زندگی گزارتا تھا اور اسے معلوم نہیں تھا کہ ان کے خرچ کی ذمہ داری کون اٹھائے ہوئے ہے، جب علی بن حسین کا انتقال ہوا تو جو رات میں ان کو ملا کرتا تھا اس کا سلسلہ بند ہوا تب لوگوں کو حقیقت کا علم ہوا۔

عمرو بن ثابت کہتے ہیں کہ جب علی بن حسین کا انتقال ہوا تو لوگوں نے ان کی پیٹھ پر بوجھ کا نشان دیکھا، راتوں میں یتیموں اور بیواؤں کے گھر وہ خود اپنی پیٹھ پر لاد کر ان کے گھر پہونچاتے تھے، اس وجہ سے ان کے پیٹھ پر یہ نشان پڑ گیا تھا۔

ابو حمزہ الثمالی کہتے ہیں کہ علی بن حسین راتوں کو اپنی پیٹھ پر روٹیاں لاد کر مسکینوں کے گھر پہونچاتے تھے اور فرماتے تھے کہ رات کی تاریکی میں صدقہ کرنا اللہ کے غصہ کو بجھاتا ہے۔

علی بن حسین فرماتے تھے کہ مجھے اللہ سے شرم آتا ہے کہ میں اپنے کسی بھائی کے لئے اللہ سے جنت مانگوں اور اس پر دنیا کے مال خرچ کرنے میں خود بخیل رہوں۔

محمد بن اسامہ بن زید بیمار تھے، حضرت علی ان کی عیادت کو گئے تو دیکھا وہ رو رہے ہیں، پوچھا کیا بات ہے، تو کہا کہ میں اس حال میں ہوں اور میرے اوپر قرض ہے، حضرت علی نے پوچھا قرض کتنا ہے؟ تو انھوں نے بتلایا کہ تقریباً دس ہزار دینار، تو انھوں نے فرمایا فکر نہ کرو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔

مدینہ پاک میں ۹۴؁ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور بقیع مبارک میں ان کی تدفین ہوئی، عمر شریف ۵۸ سال کی تھی، کہا جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کا سلسلہ انھیں علی زین العابدین سے چلا ہے۔

ص ۵۸ کا بقیہ :-

اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیث کا لکھنے والا حنفی محدث، امام الجرح والتعدیل

حضرت یحییٰ بن معین کا شمار امام الجرح والتعدیل میں ہوتا ہے، یہ زبردست محدث اور بڑی عظیم شان کے مالک تھے۔ حضرت امام بخاری کے استاذ ابن المدینی اور حضرت امام احمد بن حنبل اور ابن شیبہ جیسے کبار محدثین ان کے سامنے باادب رہتے تھے۔

حضرت امام احمد کا قول تھا کہ جو حدیث یحییٰ بن معین کو معلوم نہ ہو وہ حدیث ہی نہیں ہے۔

یہ سخت قسم کے حنفی تھے، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے شاگرد تھے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے انھوں نے انکی مشہور کتاب جامع صغیر سنی تھی، اور انھیں سے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی، انھوں نے اپنے والد کے ورثہ سے ایک لاکھ پایا تھا، اس پوری رقم کو انھوں نے حدیث حاصل کرنے میں صرف کر دیا تھا۔

ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیث لکھی تھی۔

۲۳۳؁ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(از مقدمہ نصب الرایہ)

محمد ۱جمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازیپوری

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فہم وذکاوت کا ایک واقعہ

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء" میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

مشہور محدث امام شریک فرماتے ہیں کہ بنی ہاشم خاندان کے ایک بچہ کی وفات ہوئی، ہم اس کے جنازہ میں شریک تھے، اس جنازہ میں وقت کے سربرآوردہ لوگ اور چیدہ علماء و فقہاء اور محدثین بھی تھے، میں قاضی ابن شبرمہ کے بغل میں ہوکر ان کے ساتھ چل رہا تھا کہ اچانک چلتے چلتے جنازہ رک گیا، لوگوں نے کہا کہ جنازہ کیوں آگے نہیں بڑھ رہا ہے، تو معلوم ہوا کہ بچہ کی والدہ سر کھولے بال بکھیرے روتی پیٹتی جنازہ میں آگئی ہے اور اس کا اصرار ہے کہ وہ بھی جنازہ کی نماز پڑھے گی، وہ واپس جانے کیلئے کسی طرح تیار نہیں ہے، بچہ کے والد نے قسم کھائی ہے کہ اگر تو واپس نہیں جائے گی تو میں طلاق دے دوں گا، اور ماں نے بھی قسم کھا رکھی ہے اگر وہ بلا جنازہ کی نماز پڑھے واپس ہوئی تو اس کا سارا مال صدقہ ہے، جنازہ میں شریک قاضی ابن شبرمہ اور دوسرے علماء و فقہاء کو اس کا حل سمجھ میں نہیں آرہا تھا، صورت حال یہ تھی کہ اگر عورت واپس نہیں ہوتی ہے تو اس کو طلاق پڑجائے گی، اور اگر نماز جنازہ پڑھے واپس ہوتی ہے تو وہ اپنے سارے مال سے ہاتھ دھو دے گی، سب حیران و پریشان کھڑے تھے اور جنازہ آگے نہیں بڑھ رہا تھا امام شریک فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہ جو عام لوگوں کے بیچ میں تھے انکو

ان کو بلایا، حضرت امام اعظم چہرہ ڈھا کے تشریف لائے، عورت، اس کا شوہر اور سب کھڑے تھے، حضرت امام اعظم نے عورت سے پوچھا تو نے کیسے قسم کھائی ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے یہ قسم کھائی ہے، تو حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جنازہ یہیں رکھ دیا جائے، اور لڑکے کے باپ سے کہا کہ چلو آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ، جب اس نے نماز پڑھالی تو آپ نے عورت سے کہا کہ اب تو واپس جا اور جنازہ کو آگے لیجانے کا حکم فرمایا اور کہا کہ اب شوہر اور بیوی دونوں کی قسم پوری ہوگئی اور نہ بیوی پر طلاق پڑے گی، اور نہ بیوی کا مال اس کی ملکیت سے جائے گا، لوگوں نے آپ کے اس فیصلہ اور اس ذہانت کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔

شریک کا بیان ہے کہ اس پر ابن شبرمہ نے کہا کہ عورتیں ابوحنیفہ جیسا پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ (ص ۳۱)

ترجم! اس واقعہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ اپنی بصیرت و فقہ میں اپنے ہم عصر علماء و فقہاء سے بہت ممتاز تھے، وہیں آپ کا غایت درجہ متقی ہونا اور غایت درجہ متواضع ہونا بھی معلوم ہوتا ہے، غایت درجہ متقی ہونا تو اس طرح معلوم ہوا کہ آپ عورت کے پاس جو کھلے سر اور برہنہ چہرہ تھی، چہرہ ڈھانک کر تشریف لائے تا کہ اس اجنبی عورت پر نگاہ نہ پڑے، جب کہ دوسرے لوگوں کو اس کا خیال نہیں رہا۔ اور آپ کا غایت درجہ متواضع ہونا اس طرح معلوم ہوا کہ اس جنازہ میں جس میں علماء و فقہاء اور ارباب حکومت کے چیدہ لوگ تھے ان سے ہٹ کر عام لوگوں کے ساتھ اس جنازہ میں چل رہے تھے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

سلفی تحقیق کا ایک نمونہ

ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے ایک فاضل استاذ ہیں، اصلاً یہ ہندی ہیں، بستی ضلع کے رہنے والے ہیں، اب سعودی ہو گئے ہیں، ڈاکٹر صاحب غیر مقلد ہیں، حرم مکہ میں ان کا درس حدیث بھی ہوتا ہے، ان کا درس حدیث سننے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا ہے، مگر دوسروں سے جو بات سنی ہے اس سے معلوم ہوا کہ موصوف اپنے درس میں حنفیت اور صوفیت کے خلاف اپنی تحقیقات نادرہ سے اپنے تلامذہ کو روحانی غذا فراہم کرتے رہا کرتے تھے، مگر جب سے حکومت سعودیہ نے سلفیوں پر اپنی لگام کسنی شروع کی ہے موصوف ڈاکٹر صاحب بھی محتاط ہو گئے ہیں۔

مجھے حال ہی میں ڈاکٹر صاحب کی تحقیق و تعلیق سے مزین امام احمد بن حنبل کی کتاب "العلل و معرفۃ الرجال" کے مطالعہ کا اتفاق ہوا، کتاب پر ڈاکٹر وصی اللہ کی محنت کی داد نہ دینا ان پر ظلم ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کے علم میں مزید برکت عطا فرمائے، البتہ جو بات کھٹکتی ہے وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب چونکہ غیر مقلدیت و سلفیت کا جرثومہ پالے ہوئے ہیں اس وجہ سے اس علمی کتاب کی تحقیق میں بھی غیر مقلدیت کا اثر جگہ جگہ نمایاں ہے، آج کل غیر مقلدیت کو صوفیائے کرام سے سخت چڑھ ہے، اور صوفیت سے متعلق تمام چیزوں کا رد کرنا غیر مقلد کا ذہن بنا ہوا ہے، تصوف ہی سے متعلق کرامت بھی ہے، اس لئے غیر مقلدین بزرگوں کی کراماتوں کا بھی انکار کرتے ہیں، یہ مزاج آج کل کے غیر مقلدین کا ہے، پہلے کے علماء غیر مقلدین

اللہ والوں کے بارے میں خوش عقیدہ تھے، اسلئے وہ نہ تصوف کا انکار کرتے تھے اور نہ کراموں کا انکار کرتے تھے۔ نہ صوفیائے کرام کے بارے میں ان کی زبان پر لعن طعن کے الفاظ ہوتے تھے، مگر موجودہ غیر مقلدیت کا رخ اپنے اکابر سے مڑا ہوا ہے، اس کے نزدیک تصوف ساری گمراہیوں کی جڑ ہے، اور تصوف سے متعلق ہر چیز کا انکار کرنا اور اس کو باطل قرار دینا عین جہاد ہے، غیر مقلدیت کا یہ مزاج خالص علمی کتابوں کی تحقیقات میں بھی نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر وصی اللہ عباس بھی اسی مرض کے مریض ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی اس کتاب کی تحقیق میں اپنا غیر مقلدانہ رنگ دکھلایا ہے، آپ اس کی ایک مثال دیکھئے۔

اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۲۷۰ پر یہ عبارت ہے۔

حدثنی ابی قال: حدثنا مؤمل بن اسماعیل قال حدثنا سماك یقول: ذهب بصری فرأیت ابراهیم خلیل الرحمٰن فی المنام فمسح یده علی عینی فقال لی: ائت الفرات فاغمس فیها وافتح عینیك فی الماء: ففعلت فرد الله علی بصری۔

یعنی حضرت احمد بن حنبل کے لڑکے عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا اور انھوں نے کہا کہ ہم سے مؤمل بن اسماعیل نے بیان کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سماک نے بیان کیا کہ میری بینائی ختم ہوگئی تھی، تو میں نے خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھا تو انھوں نے اپنا ہاتھ میری آنکھ پر پھیرا، پھر مجھ سے کہا کہ دریائے فرات کے پاس جاؤ اور اس میں ڈبکی لگاؤ اور پانی ہی میں اپنی دونوں آنکھیں کھولو تو میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے میری بینائی لوٹا دی۔

اب چونکہ اس واقعہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھنے کا ذکر ہے، پھر حضرت ابراہیم کا خواب ہی میں حضرت سماک کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہی میں ان کو فرات پر جاکر کے اس میں غسل کرنے اور پانی میں آنکھ کھولنے کا ذکر ہے اس وجہ سے ڈاکٹر وصی اللہ عباس کا ذہن حضرت سماک کے اس واقعہ کو صحیح و سچ تسلیم کرنے

کے لئے تیار نہیں ہوا، چنانچہ وہ اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں۔ اسنادہ ضعیف لاجل مؤمل بن اسماعیل فهو صدوق سیئ الحفظ۔ یعنی اس کی سند کمزور ہے، اس وجہ سے کہ سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے اور وہ بہت سچا تو ہے مگر خراب حافظہ والا ہے۔

یعنی یہ روایت اس راوی کی وجہ سے ناقابلِ اعتبار ہوگئی، مگر کیا واقعہ یہی ہے، یا واقعہ یہ ہے کہ حضرت سماک کی کرامت کی بنیاد چونکہ ایک خواب بن رہا ہے اور خواب والی کرامت کو غیر مقلدین کا معدہ قبول نہیں کرتا، اس وجہ سے ڈاکٹر وصی اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، تو اس کا فیصلہ ناظرین ابھی کرلیں گے۔ ڈاکٹر صاحب اس کے بعد فرماتے ہیں۔

وذکرہ البخاری فی تاریخہ الکبیر ۲/۲ : ۱۷۳ وابن ابی حاتم فی الجرح ۱/۲ : ۲۷۹ من طریق مؤمل نفسہ عن سماك قال : ادرکت ثمانین رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان قد ذھب بصری فدعوت اللہ عزوجل فرد علی بصری۔ یعنی امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں اور ابن حاتم نے کتاب الجرح میں خود مؤمل کے طریق سماک سے یہ نقل کیا ہے کہ میں نے اسی صحابہ کرام کو پایا ہے۔ اور میری آنکھ کی بینائی جاچکی تھی تو میں نے اللہ سے دعا کی تو اس نے میری بینائی لوٹا دی۔

امام بخاری کی اور ابن ابی حاتم کی کتابوں سے جس انداز میں ڈاکٹر وصی اللہ عباس نے اس قصہ کو ذکر کیا ہے یہ انداز بتلا رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق میں امام بخاری اور ابن حاتم والی سند سے اس قصہ مذکورہ کو وہ صحیح تسلیم کرتے ہیں اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اس روایت میں ڈاکٹر صاحب کی ذہنیت کے مطابق بینائی لوٹنے کا قصہ مذکور ہے، یعنی اس کے رد یا اس کے قبول کرنے کی وجہ کوئی علمی تحقیق نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد محض اپنا ذاتی رجحان اور اپنی فکر ہے۔ ایک سند سے جو یہ واقعہ مذکور ہوا ہے، اس کی تفصیل کو ڈاکٹر صاحب کا ذہن قبول نہیں کرتا اس وجہ سے اس کو رد کر دیا گیا ہے اور دوسری سند سے یہی واقعہ اس طرح مذکور ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا ذہن وفکر سے اس کا ٹکراؤ نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس کو قبول کرلیا گیا ہے۔

گویا ڈاکٹر صاحب نے علمی تحقیقات میں بھی تحقیق سے زیادہ اپنے ذہن وفکر کا خیال رکھا ہے۔
حالانکہ پہلی سند کو رد کرنے کی جو وجہ ڈاکٹر صاحب نے بتلائی ہے یعنی مؤمل بن اسماعیل کا ضعیف ہونا تو یہی صاحب تو اس دوسری سند میں بھی ہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل اس اس واقعہ کو جس سند سے بیان کریں اس کو تو ڈاکٹر صاحب رد کردیں، اور امام بخاری کی سند کو قبول کرلیں، اگر رد کریں تو دونوں کو وہ رد کریں اور قبول کریں تو دونوں کو قبول کریں۔جبکہ ہم جیسے کم علم لوگ بھی دونوں سندوں سے مذکورہ واقعہ میں جو تھوڑا اختلاف ہے اس کو بڑی آسانی سے دور کرسکتے ہیں، اور دونوں سندیں اپنی جگہ پر صحیح قرار پاتی ہیں، وہ اس طرح کہ پہلے سماک اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ پروردگار تو میری بینائی واپس کردے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا اس طرح قبول فرمائی کہ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ابراہیم علیہ السلام نے ان کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ پھیرا اور پھر کہا کہ تم فرات دریا میں جاکر غسل کرو اور پانی میں ڈوب کر اپنی آنکھیں کھولو، تمہاری بینائی واپس آجائے گی، جب حضرت سماک نے اس خواب کے مطابق عمل کیا تو اللہ نے اس طرح ان کی دعا کے قبول ہونے کا ان کو مشاہدہ کرایا۔

آخر دونوں سندوں میں موافقت پیدا کرنے کیلئے تطبیق کا یہ طریقہ اختیار کرنے میں کون سی پریشانی ہے، کسی کرامت کو رد کرنے سے بہتر ہے کہ اس کے قبول کرنے کا طریقہ اگر بے تکلف اختیار کیا جاسکتا ہے تو اس کو اختیار کیا جائے۔ یہ حدیث رسول حرام وحلال کا قضیہ تو ہے نہیں کہ کسی راوی کے حافظہ خراب ہونے کی بنا پر اس کی روایت کو رد کردیا جائے جب کہ وہ صدوق یعنی بہت سچ بولنے والا بھی ہو۔

محمد ابوبکر غازی پوری

چند ضخیم تفسیروں کا ذکر

قرآن کریم وہ کتاب الٰہی ہے جس کے اسرار و غوامض حِکَم و دقائق، مطالب و معانی کی کوئی انتہا نہیں، وہ اپنی جامعیت اور کمال کے اعتبار سے تنہا و یکتا کتاب ہے، اس میں جتنا غور و فکر کرو معانی و حقائق کی ایک دنیا نظر آتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ قیامت تک کر سکتا ہے کہ اس نے قرآن کے حقائق و معانی کا احاطہ کر لیا ہے علماء متقدمین و متأخرین نے ضخیم ضخیم قرآن کی تفسیر میں کتابیں لکھی ہیں لیکن وہ اس کے اسرار و حقائق کی تہ تک نہ پہونچ سکے، یہ قرآن کا وہ معجزہ ہے جس نے دنیا کو متحیر کر دیا ہے، قرآن کے معانی کی وضاحت اور اس کے حِکَم و احکام کو بیان کرنے کے لئے ابتداء نزول قرآن میں سے علماء راسخین نے قرآن حکیم کو اپنے غور و فکر کا مرکز بنایا تھا اور جب تصنیف کا دور شباب آیا تو قرآن کی تفسیر میں ضخیم ضخیم مجلدات کے بے شمار مجموعے تیار ہو گئے۔ ہم یہاں ذیل میں چند ضخیم تفسیروں کا ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ علماء اسلام نے کتاب اللہ کے حقائق و اسرار کو پانے کیلئے اپنی توانائی و صلاحیت کا کتنا بڑا حصہ صرف کیا ہے، اور اس کتاب مقدس سے ان کے شغف کا کیا حال تھا، نیز یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ کتاب الٰہی اپنی عظمت و وقعت کے کس مقام پر ہے۔

(۱) امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر میں ایک "المخزن" کے نام سے ہے، جو پانچ سو جلدوں میں ہے۔

(۲) امام ابوبکر بن العربی کی تفسیر "انوار الفجر" اسی ہزار ورق میں ہے، اگر ایک ہزار ورق کی ایک جلد ہو تو اسی جلدیں ہوں گی۔

(۳) حافظ ابو حفص بن شاہین کی تفسیر ایک ہزار حدیثی جزء میں تھی اور عام طور پر ایک جزء حدیثی چالیس صفحہ کا ہوتا ہے۔

(۴) تفسیر حدائق ذات بہجۃ کے مصنف کا نام ابو یوسف عبدالسلام القزوینی الحنفی ہے، یہ تفسیر تین سو جلدوں میں تھی، مصنف نے اس کو بغداد میں مسجد ابو حنیفہ پر وقف کیا تھا ہلاکو خاں نے جب بغداد پر قبضہ کیا تو اس کی لوٹ مار میں یہ تفسیر ضائع ہو گئی۔

(۵) ابو علی جبائی کی تفسیر سو جلدیں ہے۔

(۶) قاضی عبدالجبار کی تفسیر بھی سو جلدیں ہے۔

(۷) ابو النقیب المقدسی کی تفسیر بھی سو جلدیں ہے۔ (یہ حنفی تھے۔)

(۸) محمد زاہد بخاری کی تفسیر بھی سو جلدیں ہے۔ (یہ بھی حنفی)

(۹) تفسیر فتح المنان قطب شیرازی شافعی کی ساٹھ جلدوں میں ہے۔

(۱۰) ابن فرح قرطبی مالکی کی تفسیر بیس جلدوں میں ہے۔

جو تفاسیر کہ دس جلدوں یا اس سے کم کی ہے وہ تو حدو شمار سے باہر ہیں۔
ندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کے علوم و فنون کیسے بحر ناپیدا کنار اس کی گہرائیوں کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

(از مقدمات الامام الکوثری)

محمد اجمل مقتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

حکایات و واقعات

علمی انہماک کا عجیب و غریب واقعہ

ابن دیزیل جن کا پورا نام ابراہیم بن حسین علی ہے، مگر ابن دیزیل کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کو سیفنہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ "سیفنہ" مصر کے شہروں میں پائی جانے والی ایک چڑیا کا نام ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جس درخت پر بیٹھتی ہے اس کی ساری پتی کھا جاتی ہے۔ ابن دیزیل کا بھی اسی چڑیا جیسا حال تھا، یہ جس محدث کی خدمت میں حاضر ہوتے اسی وقت اس کی چوکھٹ کو چھوڑتے جب اس سے اس کی ساری حدیثیں سن لیتے۔

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علمی انہماک کا قصہ خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک روز رات میں لکھنے کیلئے بیٹھا، لکھتا رہا اور اتنا لکھا کہ تھک گیا پھر میں باہر نکل کر جو آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہوا کہ ابھی تو رات کا ابتدائی حصہ ہے، پھر میں گھر گیا اور پھر لکھنے میں لگ گیا، جب تھک گیا تو باہر نکلا کہ دیکھوں کہ اب رات کتنی رہ گئی ہے تو پتہ چلا کہ یہ سحر کا وقت ہے چنانچہ میں نے تہجد کی نماز ادا کر کے جو میرا معمول تھا صبح کی نماز پڑھنے مسجد گیا، نماز سے فارغ ہو کر میں ایک دوکاندار کے پاس گیا کہ کچھ خریدوں تو میں نے جب اس کے حساب کا رجسٹر دیکھا تو اس نے اس پر سنیچر کا دن لکھ کر تاریخ ڈالی تھی تو میں نے اس سے کہا کہ کیا آج جمعہ نہیں ہے۔ میں آج کا دن جمعہ ہی کا دن سمجھ رہا تھا۔ تو وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ کیا آپ نے کل جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، تب میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں دو رات اور ایک دن مسلسل لکھتا رہا۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۰۷/۳۲۲)

بقیہ ص ۴۹ پر

محمد اجمل مفتاحی

طہٰ شیرازی

خمار سلفیت

شیخ جمن حفظہ اللہ نے مردار کھانے کا فتویٰ دیا۔

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ ابا جی، کل جمعہ کے خطبہ میں شیخ جمن حفظہ اللہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو تقریر کی تھی اس کا شہر کے چائے خانوں میں بڑا چرچا ہے۔

باپ۔ بیٹا شیخ جمن حفظہ اللہ کا علم بحر بیکراں ہے، ان کی ہر تقریر چرچا والی ہوتی ہے۔ احتساب پرچہ کے مطالعہ نے ان کا علم دو آتشہ کر دیا ہے۔

بیٹا۔ ابا جی مگر کل والی تقریر کا چرچا کچھ اور قسم کا ہے

باپ۔ کس قسم کا ہے بیٹا۔

بیٹا۔ ابا جی شیخ حفظہ اللہ نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جانور کے پیٹ سے جو مردہ بچہ پیدا ہو اس کا کھانا حلال ہے، جو اس مردار کو نہ کھائیں گے وہ رسول اللہ کی حدیث سے روگرداں قرار دیئے جائیں گے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اب جماعت اہلحدیث کے لوگ مردہ بھی کھائیں گے۔

باپ۔ بیٹا۔ قرآن میں تو صاف وارد ہے حرمت علیکم المیتۃ یعنی تم پر مردار کو حرام کیا گیا ہے، تو مردار کھانے کو جائز کیسے قرار دیا جائے گا۔

بیٹا ۔ ابا جی شیخ نے قرآن کی روشنی میں نہیں، حدیث کی روشنی میں یہ اعلان کیا ہے۔

باپ ۔ حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں ہو سکتی جو قرآن کے حکم سے ٹکراتی ہو۔

بیٹا ۔ ابا جی شیخ حفظہ اللہ کے ہاتھ میں دریاباو ددعار سے شائع ہونے والا سہ ماہی مجلہ احتساب تھا اسی پرچے سے شیخ جی حفظہ اللہ نے حاضرین کو یہ اعلان سنایا۔

اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ (احتساب ۳ جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء)

باپ ۔ بیٹا۔ یہ فتویٰ تو قرآن کے اس حکم مردار کو تم پر حرام قرار دیا گیا ہے "کے صریح خلاف ہے تو کیا اب ہمارے علماء قرآن کے صریح حکم کی مخالفت کریں گے اور مردار کے حلال ہونے اور اس کو کھانے کا فتویٰ جاری کریں گے۔

بیٹا ۔ ابا جی، مگر یہ فتویٰ حدیث کی روشنی میں ہے، ہم لوگ اہل قرآن نہیں اہل حدیث ہیں اسلئے ہم حدیث دیکھیں گے، قرآن نہیں، "ما اہل حدیثیم" تو ہمارا اجماعی نعرہ ہے کل مذبح خانہ میں حاجی بلبل حفظہ اللہ بڑے زور کا یہ نعرہ لگا رہے تھے

باپ ۔ بیٹا وہ کون سی حدیث ہے جس کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا گیا ہے ؟

بیٹا ۔ ابا جی حدیث میں آتا ہے۔ زکوٰۃ الجنین زکوٰۃ امہ، یعنی پیٹ کے بچے کو ذبح کرنا اس کے ماں کو ذبح کرنا ہے۔ (ایضاً ص ۸۷)

باپ ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بیٹا جب جاہلوں کے ہاتھ میں قرآن وحدیث پڑجائے تو ایسا ہی فتویٰ جاری ہوگا، اس احتسابی مفتی کو اردو لکھنی تو آتی نہیں، اس کے ماں کو ذبح کرنا ترجمہ کرتا ہے، ماں مذکر ہے کہ مونث یہ اسے معلوم ہی نہیں۔ اور علم کا غرور یہ ہے کہ وہ قرآن کے صریح حکم کے خلاف فتویٰ دے رہا ہے اور مردار کھانے کو جائز بتلا رہا ہے

بیٹا۔ حدیث میں قرآن کے حکم کے خلاف کوئی حکم نہیں ہوا کرتا، اگر ایسا کہیں ہے تو علماء حدیث اور ائمہ اسلاف نے ہمیشہ قرآن کے حکم کو مقدم رکھا ہے، اور حدیث اگر صحیح ہے تو یا تو اس کو منسوخ بتلایا ہے یا اس کا معنی ایسا کیا ہے کہ اس کا ٹکراؤ قرآن کے

حکم سے نہ ہو، حدیث و قرآن دونوں کا حکم ایک ہی رہے ان میں اختلاف اور تضاد نہ ہو۔

بیٹا ۔ اباجی، تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے جس کو اعتصاب پرچہ میں نقل کیا گیا ہے۔

باپ ۔ اگر حدیث صحیح ہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ اگر جانور ذبح کرنے کے بعد اسکے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے اور وہ زندہ ہے تو اس کو اسی طرح ذبح کیا جائے گا جس طرح اس کی ماں کو ذبح کیا گیا ہے، یعنی اس حدیث کا تعلق مردہ بچہ سے ہے ہی نہیں مردہ کے بارے میں تو قرآن کی نص قطعی ہے کہ وہ حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے حکم کے خلاف کوئی حکم ہرگز نہیں جاری کر سکتے۔

حدیث پاک کا یہ ایسا مطلب ہے کہ قرآن کا حکم اپنی جگہ باقی رہتا ہے اور حدیث کا حکم اپنی جگہ پر، دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے کہا جاتا ہے جود بکر جود حاتم ۔ یعنی بکر کی سخاوت حاتم کی سخاوت ہے، یعنی حاتم کی سخاوت کی طرح ہے یا کہا جاتا ہے شجاعۃ حامد شجاعۃ خالد حامد کی شجاعت خالد کی شجاعت ہے یعنی اس کی شجاعت خالد کی شجاعت کی طرح ہے۔ اس طرح کی تشبیہات عام ہیں۔

بیٹا ۔ اباجی۔ اب مجھ کو اطمینان ہو گیا، ورنہ رات بھر مجھے نیند نہیں آئی ہے، ساری رات جاگتا رہا کہ اب ہم لوگ مردار بھی کھائیں گے۔

مگر اباجی ہمارے مفتیوں اور علمائے کرام کو قرآن کے احکام سے اس قدر بُعد کیوں رہتا ہے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

دودھ دینے والے جانور کی قربانی جائز نہیں، علامہ ہدہد کا اعلان اور سلفی جماعت میں ہیجان

بیٹا ۔ اباجی، علامہ ہدہد کے گھر سے واپس آگیا۔

باپ - بیٹا - کیا واپس آگیا میں نہیں سمجھا ۔

بیٹا - اباجی، اباجان نے شیخ ہدہد کے گھر قربانی کا جو گوشت بھیجا تھا تو شیخ کلو کی بیوی نے اسے واپس کر دیا ۔

باپ - واپس کر دیا ؟ کیوں واپس کر دیا

بیٹا - اباجی، انکی بیوی نے کہا کہ شیخ ہدہد نے کہا تھا کہ شیخ جمن کے گھر سے اگر قربانی کا گوشت آئے تو واپس کر دینا انکے قربانی والے جانور کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے ۔

باپ - بیٹا ہم نے بڑی تندرست بکری ذبح کی تھی، وہ ذبح کے دن بھی سیر بھر دودھ دیتی تھی، اس کا گوشت کھانا جائز کیوں نہیں ہوگا ؟

بیٹا - اباجی شیخ ہدہد حفظہ اللہ نے جمعہ میں اعلان کیا تھا کہ دودھ دینے والے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، اس کا گوشت کھانا حرام ہوگا، اور اس کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کرنی واجب ہوگی ۔

باپ - دودھ والے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، یہ عجیب فتویٰ ہے، ہم نے اپنے علمار کے وہ فتاوی دیکھے ہیں جس میں قربانی کا بیان ہے، انھوں نے کبھی اس قسم کا فتویٰ نہیں دیا ۔

بیٹا - اباجی انکو کتاب وسنت کا علم نہیں تھا۔ شریعت کے مسائل سے وہ جاہل تھے۔ اب ہمارے جو نئے علمار کی علمی و فقہی تحقیقات ہیں، ان سے یہ راز کھلا ہے ۔

باپ - بیٹا شیخ ہدہد کے اعلان کی بنیاد کیا ہے ۔

بیٹا - اباجی جو دریا یا دو دھارا سے احتساب پرچہ نکلتا ہے اس میں ایک عنوان باب الفتاوی کا ہوتا ہے تو مفتی صاحب نے اس سوال کے جواب میں ؛ کیا دودھ والے جانور کی قربانی کرنی جائز ہے ؟ بینوا توجروا، لکھاہے۔ تحریر فرمایا ہے ۔

جواب - دودھ والے جانور کی قربانی کرنا بظاہر درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھارے جانور کو ذبح کرنے سے منع کیا ہے، آپ کا ارشاد ہے ایاکم والحلوب (مسلم شریف) دودھارے جانور سے بچو، اور ترمذی کی روایت میں ہے لاتذبحن ذات در

کسی دودھ والی کو ہرگز ذبح نہ کرو، اس حدیث میں دودھ دینے والے جانور کو ذبح کرنے کی ممانعت ہے خواہ وہ کسی مقصد کی خاطر ہو، چاہے گوشت خوری کا مقصد ہو یا ضیافت مقصود ہو یا قربانی۔ (دمشق ذی الحجہ ۱۴۲۸ تا صفر)

شیخ ہدہد نے جب سے یہ فتویٰ دیکھا ہے، وہ اس کا اعلان کر رہے ہیں کہ دودھ والے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

باپ۔ بیٹا، خیر اس حدیث کی تحقیق تو بعد میں ہوگی، ہم نے تو شیخ ہدہد کو کھڑے ہو کر پانی پیتے، چائے پیتے، جوس کی دوکان پر جوس پیتے بار بار دیکھا ہے، اور آج تک انھوں نے نہ پانی پی کر قے کی نہ چائے پی کر، نہ جوس پی کر، جب کہ مسلم شریف کی حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد موجود ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یشربن احدکم قائماً فمن نسی منکم فلیستقیٔ (رواہ مسلم) مشکوٰۃ ص ۳۷۰

یعنی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کا کوئی ہرگز کھڑے ہو کر کچھ نہ پیئے، اگر کوئی بھول جائے یعنی کھڑے ہو کر بھول سے کچھ پی لے تو اس کو چاہئے کہ قے کر دے۔

دیکھو یہ روایت بھی مسلم شریف کی ہے، اور اس میں کھڑے ہو کر کچھ بھی پینے کی ممانعت ہے، اور اگر کسی سے بھول ہو جائے تو اس پر جو پیا ہے اس کی قے کرنی واجب ہے، مگر شیخ ہدہد کو اس کی پرواہ نہیں ہوئی ہے، اور وہ بھول کر نہیں جان بوجھ کر خود بھی جوس کی دوکان سے جوس پیتے ہیں اور اپنی بیوی کو بھی پلاتے ہیں، حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتلا رہا ہے کہ ایسے کسی بھی مشروب کی قے کرنی واجب ہے۔

بیٹا۔ ابا جی، یہ تو بڑی اہم بات ہے جب بھول سے کھڑے ہو کر کچھ پینے سے اس کی قے کرنی واجب ہے تو جان بوجھ کر مسلسل پیتا ہو اور اپنی بیوی کو بھی پلاتا ہو اس کا

اور اس کبیوی کا پیٹ پھاڑ کر اور ان کے معدہ میں نشتر لگا لگا کر ایک ایک قطرہ نکال لینا واجب ہوگا۔

ابا جی یہ ہمارے علماء اور مفتی صاحبان کو کیا ہوگیا ہے کہ شریعت کے مسائل اور قرآن و حدیث کے معانی سے جاہل ہونے کے باوجود فتویٰ دیکر امت میں انتشار پیدا کرتے ہیں کبھی وہ قرآن کے حکم کے خلاف مردار کھانے کو جائز قرار دیتے ہیں اور کبھی دودھ والے جانور کا گوشت کھانے کو حرام قرار دیتے ہیں۔

کیا ان کا یہ عمل یہودی علماء والا نہیں، وہ بھی تو حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتلایا کرتے تھے۔؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

قارئین سے گذارش

قارئین کرام چندہ کی رقم جو بذریعہ منی آڈر بھیجتے ہیں وہ منی آڈر پر اپنا پتہ صاف نہیں لکھتے، اس لئے ان کا چندہ جمع نہیں ہو پارہا ہے۔ براہ کرم منی آڈر کے نچلے حصہ میں اپنا پتہ بہت صاف انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ضرور لکھیں۔

جن حضرات نے اس ماہ رقم بھیجی ہے، ان کی رقم جمع نہیں ہو سکی ہے براہ کرم اپنا پتہ صاف لکھ کر بھیجیں۔

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونے والا دوماہی دینی وعلمی مجلہ

رجب ، شعبان ۱۴۲۹ھ

مدیر مسئول ومدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی ایک سو پچاس روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل واڑہ سید غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ 233001

موبائل نمبر 9453497685

محمد اجمل مفتاحی

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی ۳۰

اداریہ

جمعیۃ علماء کے زیر اہتمام امن عالم کانفرنس
اور
مخالفین کی ریشہ دوانیاں

آج دنیا میں جگہ جگہ دہشت گردانہ کارروائیاں ہو رہی ہیں، ان کارروائیوں کے پیچھے کن طاقتوں کا ہاتھ ہے، ان طاقتوں کی نشاندہی کرنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی، آسان اسلئے ہے کہ دنیا جان رہی ہے کہ دہشت گردانہ کارروائیوں کا خالق اور بابا آدم امریکہ ہے، امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد اور سب سے بڑا غنڈہ ہے، امریکہ کی خفیہ ایجنسیاں اور اس کا پروردہ اسرائیل کا "موساد" نامی خفیہ ادارہ زیادہ تر دنیا میں دہشت گردانہ کارروائیاں انہیں کے ذریعہ انجام پاتی ہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ پوری دنیا کر رہی ہے۔

اور مشکل اسلئے ہے کہ مسلم دشمن طاقتیں میڈیا کی طاقت کے بل پر اپنا یہ جرم اسلام کے سر اس مکارانہ انداز میں ڈال رہی ہیں کہ دنیا کو اس کا یہ جھوٹ سچ نظر آنے لگتا ہے، اور مسلمان خواہ کتنا بھی کہیں کہ اسلام کا دہشت گردانہ کارروائی سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ اسلام میں کسی قسم کی دہشت گردی کی کوئی گنجائش ہے، مگر اس سچ پر دھیان دینے کیلئے کوئی تیار نہیں ہے۔

آج ہمارا ملک ہندوستان بھی دہشت گردانہ کارروائیوں کے نشانے پر ہے اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے کہیں نہ کہیں یہ کارروائیاں انجام پاتی رہتی ہیں۔ اور چونکہ امریکہ اور اسکے ہم خیال اسلام دشمن ممالک نے دنیا کو یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہوتا ہے۔

اور اس پروپیگنڈائی زہر کو اس نے پوری طاقت سے پھیلایا ہے، اسلئے ہمارے اس ملک کے بھی بہت سے لوگوں کا ذہن بھی کہیں بم دھماکہ ہوا مسلمانوں کی طرف جاتا ہے اور فوراً انھیں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو جاتی ہے، دھماکہ کرنے والی کون سی ایجنسیاں ہیں کون سے لوگ ہیں اس کی تحقیق بھی نہیں ہوتی، مگر مسلمانوں کا نام اور مسلم تنظیموں کا نام فوراً حکومت کے تفتیشی اداروں کی زبان پر آنے لگتا ہے، اور پھر اس حوالے سے اسلام، قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو بھی دریدہ دہنی کا نشانہ بنایا جانے لگتا ہے، مدارس اسلامیہ جہاں دین کی تعلیم ہوتی ہے ان مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ تصور کرایا جاتا ہے اور ان کے خلاف ظالمانہ کاروائیاں کرنے کی مہم چلائی جاتی ہے۔

اس صورت حال سے ہندوستان کا مسلمان ادھر گزشتہ چند سالوں سے بہت زیادہ پریشان ہے، جب پانی حد سے زیادہ اونچا ہو گیا تو ذمہ داران دارالعلوم دیوبند نے محسوس کیا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ دارالعلوم ملک کے اور دنیا کے سامنے صحیح صورت حال کو واضح کرنے کے لئے خود سامنے آئے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی شبیہ بگاڑنے کی جو اسلام اور مسلم دشمن طاقتوں نے سازش کی ہے اسکو بے نقاب کرے، چنانچہ دارالعلوم نے گزشتہ ۲۵ر فروری ۲۰۰۸ء میں دہشت گردی مخالف کانفرنس کے عنوان سے ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جس میں ملک کے بیشتر مدارس کے ذمہ دار اور ملی تنظیموں کے سربراہ اور مختلف مکاتب فکر کی سربرآوردہ شخصیتیں ہزاروں ہزار کی تعداد میں شریک ہوئیں، اس کانفرنس میں دارالعلوم نے واضح کر دیا کہ اسلام کا دہشت گردی سے اور دہشت گردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور اگر کوئی مسلمان اس قسم کی کوئی حرکت کرتا بھی ہے تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے شخصی عمل کو اسلام سے جوڑنا یا اسکو بنیاد بنا کر تمام مسلمانوں کو بدنام کرنا یہ انتہائی ظالمانہ فعل ہے، مدارس دینیہ میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ انسانی اخلاق کو سنوارنے والی ہوتی ہے، نہ کہ بگاڑنے والی، ملک کے کسی حصہ میں اگر کہیں دہشت گردانہ کاروائی ہوتی ہے تو بلا تحقیق مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار

قرار دیکر مسلمان نوجوانوں کی پکڑ دھکڑ اور ان سے جیلوں کو بھرنا اور پھر ان کے ساتھ بلا ثبوت جرم مجرموں جیسا برتاؤ کرنا اسکو نہ کسی طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ اسکو برداشت کیا جا سکتا ہے۔

یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی جس کا پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں چرچا رہا، اور لوگوں کو اسلام کے بارے میں یہ صحیح بات معلوم ہوئی۔

دارالعلوم کی اس کانفرنس میں جمعیۃ علماء ہند بھی ذمہ دارانہ طریقہ پر شریک رہی ہے اور پھر جمعیۃ کی مجلس عاملہ میں فیصلہ کیا گیا کہ دارالعلوم نے اس کانفرنس کے ذریعہ سے جو پیغام دیا ہے کہ دہشت گردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس کے اس پیغام کو پورے ملک میں جگہ جگہ کانفرنس کر کے عام کرنا چاہیئے تاکہ ملک میں بسنے والے جو مختلف فرقے اور مختلف مذاہب سے وابستہ لوگ ہیں ان کا ذہن صاف ہو، چنانچہ مجلس عاملہ کے اس فیصلہ کے مطابق ملک کے مختلف حصوں میں علاقائی پیمانہ کی متعدد کانفرنس علاقائی وصوبائی جمعیۃ علماء کے زیر اہتمام منعقد ہوئیں، پھر مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ ایک کانفرنس کل ہند پیمانہ کی دہلی کے سب سے بڑے میدان رام لیلا گراؤنڈ میں کرنا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کی یہ آواز پوری دنیا میں پہنچے اس کیلئے ۳۱ مئی بروز شنبہ کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔

اللہ کی مدد اور غیبی نصرت

قارئین زمزم کو معلوم ہے کہ جماعت اس وقت شدید بحران سے گذر رہی ہے، مولانا ارشد کو جمعیۃ علماء کی صدارت سے جب سے معزول کر دیا گیا ہے ان کا رویہ جماعت کے ساتھ حد درجہ معاندانہ ہو گیا ہے، ان کے ساتھ جماعت سے وابستہ لوگوں کی اگرچہ مختصر سی تعداد ہے، مگر ان حضرات کی جماعت دشمنی کا کھلا مظاہرہ مختلف طرح ہو رہا ہے، اس کا اثر جماعت کے مالیہ و میزانیہ پر بھی پڑا ہے، جماعت کی ایک بہت بڑی رقم پر مولانا ارشد مدنی نے تسلط جما رکھا ہے، ان حالات میں اتنی بڑی کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کرنا جس پر پچاس لاکھ سے بھی زیادہ خرچ کا اندازہ تھا، ایک بہت بڑا فیصلہ تھا، مگر اللہ نے عجیب وغریب طریقہ سے

سے مدد فرمائی اور عظیم الشان کانفرنس جس شان و شوکت سے ہوئی اس کو دنیا نے دیکھا، اللہ کے چند مخلص بندوں کے تعاون سے یہ کام انجام پا گیا۔

۱۰؍ مئی کی صبح کا جب سورج طلوع ہوا تو اس کے تیور بڑے خطرناک تھے، جوں جوں سورج بلند ہو رہا تھا اس کی تمازت بڑھتی جا رہی تھی، رام لیلا گراؤنڈ کھلا میدان ہے نہ سبزہ نہ درخت نہ پتہ، گراؤنڈ اتنا بڑا کہ اس میں شامیانہ لگانا کارے دارد، زمین سورج کی تپش سے تپ رہی ہے، انتظامیہ حیران و پریشان کہ اللہ ہوگا کیا، شام چھ بجے سے کانفرنس شروع ہونی ہے، اطلاع مل رہی تھی کہ قافلے کے قافلے چل پڑے ہیں، ظہر کی نماز تک فضا کی صورت حال یہی تھی ظہر کی نماز میں اللہ کے حضور نمازیوں کے ہاتھ دعا کیلئے اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ آسمان میں ابر چھا رہا ہے، تھوڑی دیر کے بعد ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوئی جس کی وجہ سے فضا اور خوشگوار ہو گئی پھر بارش کی تو خنک ہواؤں کے چلنے سے رام لیلا گراؤنڈ اور دہلی کے آس پاس کی ساری جگہیں کشمیر کے گل برگ کا نقشہ پیش کر رہی تھیں، اور اب فضا ایسی ہو گئی کہ کانفرنس میں جو پنکھے چل رہے تھے انھیں بند کرنا پڑا، اور جب تک کانفرنس چلتی رہی فضا اور موسم کا یہی حال رہا، یہ گویا غیبی اشارہ تھا کہ جس نیک مقصد کیلئے یہ کانفرنس منعقد ہو رہی تھی، کانفرنس منعقد کرنے والوں کی سعی اللہ کے یہاں مقبول ہے۔

تاریخی کانفرنس رام لیلا گراؤنڈ میں جمعیۃ علماء کے زیر اہتمام حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ کے زمانہ میں متعدد کانفرنسیں اور اجلاس ہوئے ہیں، اور ہر اجلاس اپنی مثال آپ تھا، جمعیۃ کے علاوہ کسی نے اس میدان کا پیٹ نہیں بھرا ہے، اللہ تعالیٰ نے جمعیۃ علماء کو اس کے مخلصانہ کارناموں اور عوام کی خدمت کے نتیجہ میں مسلمانوں میں جو مقبولیت دی ہے یہ مقبولیت کسی دوسری مسلم تنظیم کو حاصل نہیں ہے، اس لئے جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے جب بھی کسی دینی و سماجی مسئلہ کیلئے اس میدان میں اجلاس یا کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو عوام نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور قائد جمعیۃ حضرت

فدائے ملت مولانا اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک آواز پر مسلمانوں کا مجمع ملک کے مختلف گوشوں سے امنڈتا ہوا آیا اور جمعیۃ کے اجلاس اور کانفرنس نے شرکاء کی حاضری سے ایک مثال قائم کی ۔

مگر ۳۱ رمئی کی کانفرنس سے پہلے جمعیۃ کے حالات کچھ اور تھے، جمعیۃ علماء میں کوئی بحران نہیں تھا قیادت بھی حضرت فدائے ملت جیسے مقبول ومحبوب شخص کے ہاتھ میں تھی مگر آج کے حالات پہلے کے حالات سے یکسر مختلف تھے، جمعیۃ علماء مخالف گروپ مولانا ارشد مدنی کی سرپرستی میں اس کانفرنس کو ناکام کرنے کیلئے سرتوڑ کوشش کررہا تھا، غلط پروپیگنڈے کئے جارہے تھے، مختلف الزامات لگائے جارہے تھے، عدالت اور کورٹ کا طواف کیا جارہا تھا، صدر جمعیۃ علماء حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب اور مولانا محمود مدنی سابق ناظم عمومی پر کیچڑ اچھالنے کیلئے شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا، کانفرنس کی ذمہ داری بھی خادم جمعیۃ علماء ہند مولانا محمود مدنی اور جمعیۃ کے نئے صدر حضرت قاری عثمان صاحب پر تھی، یہ حضرات بہرحال ابھی اس مقام پر نہیں ہیں جس مقام پر حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ تھے، ان حالات میں اس کانفرنس کا انعقاد رام لیلا گراؤنڈ میں اور اس میدان کا شرکا کے ہجوم سے پیٹ بھرنے کا مسئلہ سب کے زیر غور تھا، مطمئن تھا تو ایک شخص جس کا نام مولانا محمود مدنی ہے، ۳۱ رمئی سے پہلے کی مجلس عاملہ میں مولانا محمود مدنی نے عاملہ میں یہ بات کہی کہ مجھے پورا انشراح ہے کہ اس کانفرنس میں بہت بڑی تعداد میں لوگ شریک ہونگے اور رام لیلا گراؤنڈ صرف مغربی یوپی کے مسلمانوں سے بھر جائیگا اسلئے میری گذارش ہے کہ ملک کے دوسرے صوبے اور مشرقی یوپی سے لوگ نہ آئیں ورنہ انتظام قابو سے باہر ہو جائیگا، مولانا محمود مدنی نے جس پر اعتماد لب ولہجہ میں یہ بات کہی تھی اسکو سن کر مجلس عاملہ کے لوگ حیران تھے، مگر مولانا محمود بالکل مطمئن تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کسی غیبی بشارت نے انکے اندر اطمینان کی لہر دوڑا دی ہے ۔ اور پھر ہندوستان نے دیکھا اور الکٹرانک میڈیا کے ذریعہ دنیا کے مختلف حصوں کے لوگوں نے دیکھا کہ انسانی قافلہ کا ہجوم

کس طرح راجدھانی دہلی کی طرف امنڈا چلا آرہا ہے، مغربی یوپی کے علاقہ سے بسوں کے قافلے در قافلے دہلی کی طرف روانہ ہیں، بعض بعض علاقے سے تین تین سو بسیں نکلیں، دو سو ڈھائی سو، سو اور ڈیڑھ سو بسیں تو متعدد جگہوں سے دہلی آئیں، پولیس نے آنیوالی جن بسوں کا اندراج کیا تھا صرف انکی تعداد اٹھارہ سو بسوں کی ہے اس کے علاوہ پرائیوٹ گاڑیوں سے، ریل اور بسوں سے عوام وخواص کا ہجوم اتنا آیا کہ رام لیلا کا گراؤنڈ صرف بھرا ہی نہیں بلکہ ابل گیا اور جتنا مجمع گراؤنڈ میں تھا اس کا نصف گراؤنڈ کے باہر تھا، چاروں طرف کے راستے جام تھے، کچھ نظر آرہا تھا تو صرف انسانوں کا سر اور پگڑیاں اور ٹوپیاں، ٹائمس آف انڈیا اور پرتاپ جیسے اخبارات نے اس پر اداریے لکھے، بی جے پی کے دفتر سے اس کے بارے میں اعلامیہ جاری کیا گیا، اور کانفرنس کے مقصد کو سراہا گیا۔

اسٹیج پر ہندو مسلم اور سکھوں کی مختلف تنظیموں کے صدور اور نظماء اور منتخب نمائندے بڑی تعداد میں شریک تھے، ان تنظیموں کے ذمہ داروں کو اس اسٹیج پر جمع کرنا یہ صرف مولانا محمود مدنی کا کارنامہ تھا۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا محمود مدنی کی عمر بہت تھوڑی ہے وہ چالیس کی دہائی پار کر چکے ہیں اور بارہ سال سے زیادہ اپنے والد محترم کی نگرانی وسرپرستی میں جمعیۃ کے کاموں کی ذمہ داری وہی نباہ رہے تھے مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پرانے سیاسی ودینی مسلم قائدین کی ایک بڑی جماعت ہے، جنکے مقابلے میں مولانا محمود مدنی کم عمر ہیں، مگر انھوں نے اس کم عمری میں ہندوستان کے مسلمانوں میں حکومت کے ذمہ داروں میں، ہندوستان کی مسلم وغیر مسلم تنظیموں میں، ملک میں اور ملک سے باہر جو مقام ابھی حاصل کر لیا ہے وہ مقام بہت کم لوگوں کو حاصل ہو سکا ہے، اور اللہ نے ان کی بے لوث خدمات، بلند حوصلگی اور ہمت مردانہ کی وجہ سے عوام وخواص میں انکو جو مقبولیت دی ہے اس کا مشاہدہ ہم نے اس کانفرنس میں کیا۔

دعائیں لگ جاؤ:۔ اس کانفرنس کو شہوتا ز کرنے کیلئے مخالفوں کی سعی وکاوش کی جو

خبریں آرہی تھیں اس سے لوگ متفکر ضرور تھے، مگر مولانا محمود مدنی کے چہرہ پر فکر کا کوئی اثر نہ تھا ہاں میرے کانوں نے یہ ضرور سنا کہ وہ اپنے بعض مخصوص افراد سے کہہ رہے تھے کہ "آپ لوگ دعا میں لگ جائیے،، "فوراً دعا میں لگ جائیے،،

میرے کانوں میں مولانا محمود کی یہ آواز آرہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ اس باپ کا بیٹا ہے جس نے توکل علی اللہ اور توجہ الی اللہ کی طاقت کے بل بوتے پر بڑے بڑے سورماؤں کے حوصلے پست کئے، اونچی اونچی چٹانوں کو تہ خاک کر دیا، کوہ گراں کو تودۂ زمیں بنا دیا، اس کی گرجدار آوازوں سے حکومت کا ایوان لرزتا تھا، اور جابر و ظالم حکومت کے کارندوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے، باپ کی طاقت بھی اعتماد علی اللہ اور توجہ الی اللہ کی دولت تھی، اور بیٹے کو بھی اللہ نے یہی طاقت اور یہی دولت ارزانی فرمائی ہے۔

میں نے مولانا محمود کی اس صفت خاص کا مشاہدہ مسجد عبدالنبی ہی میں ایک دفعہ اور کیا تھا جس دن مولانا ارشد مدنی کو مجلس عاملہ نے عبوری صدارت سے معزول کیا تھا، اور مولانا ارشد نے ایک دوسری مجلس عاملہ کی تشکیل دی تھی، اس کے بعد مولانا ارشد مدنی نے مسجد عبدالنبی میں واقع جمیعۃ علماء کے دفاتر پر قبضہ کرنے کیلئے اپنے آدمیوں کی ایک بہت بڑی بھیڑ جمع کی تھی، اور صورت حال اسقدر دھماکہ خیز تھی کہ ڈر تھا کہ یہاں انسانوں کے لاشے کے لاشے نظر آئیں گے، میں نے اس وقت بھی دیکھا کہ وہ کسی آدمی سے کہہ رہے تھے کہ فوراً فلاں فلاں کو بلاؤ اور فجر بعد مسجد عبدالنبی میں ذکر میں آپ سب لوگ لگ جاؤ، اس موقع پر مسجد عبدالنبی میں جب تک میرا قیام تھا میں نے دیکھا کہ یہ ذاکرین شاغلین فجر بعد اپنے اس وظیفہ میں ہر روز گھنٹہ بھر لگے رہتے تھے۔

ایک اللہ والے کا خواب

ہمارا عقیدہ ہے کہ عام خواب کے ذریعہ سے کوئی شرعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس خواب کو کسی امر کیلئے حتمی و یقینی ذریعہ بنایا جا سکتا ہے مگر خوابوں سے انشراح قلبی ضرور پیدا ہوتا ہے اور خوابوں کے نوید تباشیر ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۳۰ر مئی کی کانفرنس سے پہلے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مجاز نے

(جنکے بارے میں میں خود اپنے تجربات کی روشنی میں گواہی دے سکتا ہوں کہ اللہ کے یہاں انکو قرب خاص کا درجہ حاصل ہے) دارالعلوم دیوبند کے ایک اونچے درجہ کے استاذ حدیث کو اپنا یہ خواب میری موجودگی ہی میں سنایا کہ انھوں نے حضرت مولانا اسعد مدنی کو دیکھا کہ مسجد عبدالنبی کے حوض پر نماز کی تیاری میں لگے ہیں، اور ان کے ساتھ ایک بہت بڑا ہجوم ہے، ان کا خواب سن کر دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث نے فرمایا کہ حضرت مولانا کا نماز کی تیاری میں لگنا اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کانفرنس منعقد کرنے والوں میں اخلاص ہے اور یہ کانفرنس محض نام ونمود کیلئے نہیں بلکہ اس کا مقصد اللہ کی رضا ہے، اور ہجوم ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کانفرنس مجمع کے اعتبار سے بھی بہت کامیاب رہے گی۔

اس کانفرنس میں جتنی بڑی تعداد لوگوں کی شریک ہوئی اور عوام وخواص اور علماء وصلحاء کا جتنا بڑا مجمع اکٹھا ہوا اس نے اس خواب کی اس تعبیر کو سچ کر دکھلایا۔ بقول مولانا محمود۔ انھوں نے مجمع کی کثرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "رام لیلا گراؤنڈ میں ابتک جمعیۃ کے پانچ اجلاس ہوئے ہیں، اس کا پیٹ جمعیۃ علماء کے علاوہ کوئی اور ہندو مسلم تنظیم نہیں بھر سکی، لیکن جمعیۃ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا اس چھٹے اجلاس نے جمعیۃ کے سابقہ پانچوں اجلاس کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔

مولانا ارشد مدنی کا کارنامہ اور ہائی کورٹ دہلی جج کا انکے ساتھ دلچسپ مذاق۔

معلوم ہو چکا ہے کہ جمعیۃ کے زیر اہتمام یہ کانفرنس انھیں اغراض ومقاصد کیلئے تھی جو دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے تھے دارالعلوم کے کام کو آگے بڑھانے اور اس کو ایک تحریک کی شکل دینے کیلئے بڑے پیمانہ پر ایک کوشش تھی، دارالعلوم کی کانفرنس کو مولانا ارشد مدنی کی نہ صرف تائید حاصل تھی بلکہ اس کے کانفرنس کے ذریعہ انھوں نے اپنی شخصیت کا ضرورت سے زیادہ تعارف کرایا، مگر جب انھیں مقاصد کیلئے جمعیۃ علماء کے زیر اہتمام دہشت گردی مخالفت اور امن عالم کانفرنس کا فیصلہ کیا گیا تو مولانا ارشد مدنی اس کے دشمن بن گئے۔

اور اس کانفرنس کو ناکامیاب بنانے کیلئے بلکہ یہ کانفرنس منعقد ہی نہ ہو اس کیلئے انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں آزمائیں، اپنے آدمیوں کا استعمال کیا پیسے کے دریا بہائے اور وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں تھا، حتی کہ انھوں نے ۱۲ رمئی سے تین چار روز قبل دہلی ہائی کورٹ میں اسٹے کیلئے درخواست دی، ایسا معلوم ہوتا ہے جج مولانا ارشد کے بار بار عدالت کا چکر لگانے کی وجہ سے ان سے کافی مانوس ہو گیا ہے اور مولانا کی ذات سے اسکو خاص دلچسپی ہو گئی ہے، جب مولانا نے کانفرنس پر اسٹے کیلئے جب درخواست جج کے سامنے پیش کی تو جج صاحب نے اپنے پیشکار سے کہا کہ اس درخواست کو ۹ رجولائی والی فائیل میں رکھ دو جس میں مولانا کے دوسرے مقدمات کے کاغذات ہیں، اس درخواست پر تو ۹ جولائی کو غور ہوگا، معلوم نہیں مولانا ارشد مدنی نے جج کے اس لطیف مذاق سے کچھ حظ حاصل کیا کہ نہیں کہ ۱۲ رمئی کے اجلاس کو روکنے کی درخواست پر غور کرنے کیلئے وہ ۹ رجولائی کی تاریخ دے رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں ہنگامہ اور توڑ پھوڑ کی کاروائی

مولانا ارشد مدنی اور ان کا گروپ اس تاریخی کانفرنس کو ناکام بنانے کی اپنی کوشش میں جب سب طرف سے ناکام ہو گیا اور اس نے دیکھا کہ یہ کانفرنس جمعیۃ علماء ہند کی سابقہ کانفرنسوں اور اجلاسوں سے زیادہ کامیاب ہے، سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم مولانا مرغوب الرحمن صاحب مدظلہ اور انکے دونوں نائب مہتممین حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی اور حضرت مولانا قاری عثمان اور دیوبند کے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد اس کانفرنس میں شریک ہے، صبح کی مجلس عاملہ میں بھی حضرت مہتمم صاحب شریک ہوئے اور انھیں کی دعا پر عاملہ کی میٹنگ ختم ہوئی، تو ان چیزوں نے مولانا اور ان کے گروپ کے جذبہ انتقام کو شعلہ جوالہ بنا دیا، آتش حسد تیز سے تیز تر ہو گئی، اور جب آدمی میں حسد اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ ہر نا کردنی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اس کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، وہ اچھے اور برے کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، چنانچہ اس گروپ کی طرف سے بھی انھیں سب

چیزوں کا مظاہرہ ہوا۔

۱۲ رمئی کو ادھر رام لیلا گراونڈ میں جمعیۃ کی یہ کانفرنس دنیا کو امن وامان کا پیغام دے رہی تھی، مقررین دہشت گردی کے خلاف تقریریں کر رہے تھے، اور ادھر جمعیۃ مخالف گروپ دیوبند میں دارالعلوم پر حملہ کرنے کی مذموم سازش میں لگا ہوا تھا اور ۱۲ بجے شب میں ان مفسدین نے دارالعلوم میں گھس کر توڑ پھوڑ مچانے کی گندی حرکت کی، اور اسلام دشمن میڈیا اس کارروائی کو دنیا میں نشر کر رہا تھا، دارالعلوم میں جو حرکت ہو رہی تھی، ٹی وی کے آج تک چینل پر لوگ دیکھ رہے تھے۔ وہ تو اتفاق تھا کہ حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری دام مجدہ دیوبند میں موجود تھے، ان کو جب مفسدوں کے اس فساد کی اطلاع ملی تو انھوں نے آکر فوراً حالات پر کنٹرول کیا جو لوگ غنڈہ گردی اور فساد پر آمادہ تھے انکو دارالعلوم سے باہر کیا، مفسدوں کو اتنا موقع نہیں مل سکا کہ وہ کچھ زیادہ نقصان پہونچائیں، دارالاہتمام کے دروازوں کو توڑا پھوڑا، کچھ فائلیں ادھر ادھر پھینکیں اور بعض نئی عمارتوں کے شیشے توڑے، اتنا ہی انکو موقع مل سکا۔

کیا اس کارروائی میں دارالعلوم کے طلبہ کا ہاتھ تھا

لوگوں میں یہ تاثر پیدا کرنا کہ یہ مفسدانہ حرکت دارالعلوم کے طلبہ کی تھی، یہ بالکل غلط اور جھوٹا پروپیگنڈہ ہے، یہ ساری کارروائیاں باہر کے مفسدین اور غنڈہ عناصر کی تھی جن کی قیادت ,, برادران ،، کے دو صاحبزادے کر رہے تھے، اور یہ دونوں صاحبزادے دیوبند میں کافی مشہور ہیں، اگر چند طلبہ شریک ہو گئے ہوں تو تمام طلبہ یا اکثر طلبہ کا نام لینا بالکل غلط ہے۔

اگر دارالعلوم دیوبند کے طلبہ اس میں شریک ہوتے تو صبح تک دارالعلوم کا ماحول خوشگوار نہیں ہو سکتا تھا، میں نے خود دارالعلوم کے ذمہ داروں سے صورت حال معلوم کی تو انھوں نے بتلایا کہ دارالعلوم کا ماحول پوری طرح پرسکون ہے اور پڑھائی جاری ہے، میں نے پھر رات میں ایک اور ذمہ دار سے رابطہ کیا تو انھوں نے بتلایا کہ فسادی سب باہر کے تھے۔

اس تاریخی کانفرنس نے فیصلہ کردیا

جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی اس تاریخی کانفرنس نے فیصلہ کردیا کہ جمعیۃ علماء ہند کی قیادت کس کے ہاتھ میں ہے، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمود اسعد مدنی کے ہاتھ میں، یا مولانا ارشد مدنی دام ظلہ اور مولانا اسجد مدنی سدد اللہ خطاہ کے ہاتھ میں۔

میرا خیال ہے بلکہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ مولانا ارشد صاحب اور ان کا گروپ جو زمینی حقیقت ہے اس کو تسلیم کرلے، اور جمعیۃ پر اپنی جاگیرداری کے دعوی سے دست بردار ہو جائے اور جو کام ان کا ہے اس میں وہ لگے اور اس حقیقت کو بھی تسلیم کرلے کہ جھوٹ فریب اور دولت کے سہارے ہر جگہ کامیابی نہیں ملا کرتی، نہ عدالت کا چکر لگانے سے ہوا کا رخ بدل سکتا ہے۔

ادھر ایک مزید بات سن کر تو مزید افسوس ہوا کہ مولانا ارشد صاحب نے جمعیۃ کو رجسٹرڈ کرانے کیلئے جو نام عدالت میں داخل کئے ہیں اس میں چھٹے نمبر پر ایک نام مولانا اسجد مدنی کا بھی ہے جن کے بارے میں حلفیہ بیان داخل کیا گیا ہے کہ مولانا ارشد مدنی کا ان سے خونی کوئی رشتہ نہیں ہے اور انکی سکونت ترکمان گیٹ دہلی دکھائی گئی ہے، اور مولانا نے خود اپنی سکونت مسجد عبد النبی میں دکھائی ہے اگر یہ سچ ہے اور سچ نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، یہ اطلاع دفتر جمعیۃ کے ایک بہت بڑے ذمہ دار کی فراہم کردہ ہے تو سوچنا چاہئے کہ جانشین شیخ الاسلام جمعیۃ علماء کی صدارت کی ہوس میں کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔

ومن یضلل اللہ فلا ھادی لہ۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) بخاری شریف، مسلم شریف اور ابن حبان وغیرہ احادیث کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی دعا اس وقت قبول کی جاتی ہے جب وہ دعا کی قبولیت کے لئے جلدی نہ دکھائے، اور یوں کہے کہ میں نے دعا کی تھی میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

بندہ اللہ سے دعا کرتا ہے، اللہ بندہ کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، مگر بندہ اگر یہ چاہے کہ دعا کی قبولیت کے آثار اس کے لئے فوراً ظاہر بھی ہو جائیں، اور جب یہ آثار اسے محسوس نہ ہوں تو وہ لوگوں سے شکوہ کرے کہ میں نے دعا کی تھی مگر اللہ نے میری دعا قبول نہیں کی یہ دعا کا طریقہ نہیں ہے، نہ بندہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ جب اسے قبولیت کے آثار محسوس نہ ہوں تو لب شکوہ کھولے، بندہ کو اس یقین کے ساتھ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ اس کی دعا کو قبول ہی کرے گا، خداوند کریم بندہ کی دعا کو اپنی مشیت کے مطابق قبول کرتا ہے، اور اس کے پیش نظر بندہ کی مصلحت ہوتی ہے، کبھی دعا فوراً قبول کرلی جاتی ہے کبھی تاخیر سے قبول ہوتی ہے، اور کبھی بندہ جو دعا کرتا ہے اس کو ذخیرہ بنا کر رکھ دیا جاتا ہے اور قیامت کے روز اس کا اثر ظاہر ہونے کو ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے انھوں نے فرعون کے لئے بددعا کی، حضرت

ہارون بھی نبی تھے انھوں نے حضرت موسیٰؑ کی دعا پر آمین کہا، مگر اس دعا کی قبولیت کا اثر چالیس سال بعد ظاہر ہوا، اور فرعون اور اس کی قوم عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ بندہ اللہ سے شکوہ کرتا ہے کہ یارب میں نے تجھ سے دعا کی، پھر دعا کی بار بار دعا کی مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تو میری دعا کو قبول کرنے والا نہیں ہے، پھر اکتا کر دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

دعا کے قبول ہونے میں جلدی مچانا اور جب تاخیر ہو تو یہ سمجھنا کہ اب میری دعا قبول ہونے والی نہیں ہے، پھر دعا کرنا ہی چھوڑ دینا یہ آداب دعا کے خلاف ہے، اور بندہ کی عبدیت کے لحاظ سے نامناسب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے جلیل القدر پیغمبر تھے، وہ اللہ کے خلیل اور ابوالانبیاء تھے، انھوں نے دعا کی تھی ربنا وابعث فیھم رسولا منھم اے اللہ میری اولاد میں سے ایک رسول بھیج، اللہ نے حضرت ابراہیم کی اس دعا کو قبول کیا مگر کتنے دنوں کے بعد اس دعا کا اثر ظاہر ہوا، حدیث میں آتا ہے کہ ابراہیم میں نے تیری دعا قبول کی مگر جس نبی کے لئے تو نے دعا کی ہے وہ سب سے آخری پیغمبر ہوگا جس کے بعد رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا جائیگا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدتہائے دراز کے بعد آخری پیغمبر بن کر تشریف لائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بندہ کو اللہ سے دعا کرتے ہی رہنا چاہئے گھبرا کر دعا کرنا چھوڑنا نہیں چاہئے، دعا مستقل ایک عبادت ہے، بلکہ عبادت کا جوہر اور گودا ہے، حدیث شریف میں دعا کو مخ العبادۃ یعنی عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔

دعا کے قبول ہونے کیلئے کچھ آداب اور شرائط ہیں، انسان ان شرائط و آداب کا خیال رکھتا نہیں، اور چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کر لے، مثلاً انسان کی غذا حلال ہو اس کا پہننا و احلال کا ہو، دعا میں اللہ کی ذات کی طرف پوری توجہ ہو، خشوع اور الحاح و زاری ہو۔ دعا کی قبول ہونے کے لئے وہ عجلت نہ دکھائے، علمائے کرام نے احادیث کی روشنی میں اور

بھی کچھ آداب ذکر کیے گئے ہیں ، ان آداب و شرائط کی رعایت کرنے کے بعد جب آدمی اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق بندہ کی دعا قبول کرتا ہے یا اس کو وہ جو مانگ رہا ہے اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے ۔

(۲) حدیث پاک میں ہے جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "لا یتمنین احدکم الموت بضر نزل بہ" یعنی کوئی آدمی پیش آنے والی کسی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے ۔ (صحیح ابن حبان)

کچھ کم عقل لوگ کسی پریشانی سے گھبرا کر موت کی دعا مانگنے لگتے ہیں ، اور انکی زبان سے کچھ اس قسم کے الفاظ نکلتے ہیں "اس پریشانی جھیلنے سے تو بہتر تھا کہ مجھے موت ہی آجاتی ۔"

یہ صابر و شاکر انسان کی صفت نہیں ہے ، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ناراضگی کا پتہ دیتی ہے ، پریشانی مصیبت ، صحت و بیماری ، فقر و تونگری سب کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے ، اس وجہ سے منہ سے ایسی کوئی بات نکالنا جس سے اللہ کے فیصلہ سے عدم رضا کا پتہ چلتا ہو بہت بری اور گناہ کی بات ہے ، انسان کو سوچنا چاہیئے کہ اس ایک مصیبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کتنی نعمتیں میسر ہیں ، ہاتھ پاؤں کی عقل و فکر کا کام کرنا ، ہوش و حواس کا درست رہنا ، آنکھ کان ناک زبان کا اپنا اپنا عمل جاری رکھنا ، بال بچوں کی نعمت سے سرفراز ہونا ، اور اس کے علاوہ ہوا پانی ، روشنی تاریکی ، رات دن وغیرہ ہزاروں ہزار نعمت انسان کو ہر وقت میسر ہے ، مگر ذراسی پریشانی اور وہ بھی نہ معلوم بندہ کے لیئے اس میں کتنی راحت کا سامان ہے ، سے وہ اتنا پریشان ہو کہ موت کی دعا مانگنے لگے اور اللہ کے فیصلہ پر ناراضگی کا اظہار کرے ۔

اسی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی پریشانی سے گھبرا کر موت کی دعا کرنا ہی چاہتا ہے تو یوں کہے ۔

اللھم احینی ما کانت الحیاۃ خیراً لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیراً لی ۔

یعنی اے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے اور مجھے موت دے اگر میرے

لئے موت بہتر ہے۔

گویا نہ زندہ رہنے کی دعا اور نہ مرنے کی دعا بلکہ انسان اپنے لئے خیر کی دعا کرے، خواہ زندہ رہنے میں خیر ہو خواہ اس کے مرنے میں خیر ہو۔

ذرا اندازہ کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کا۔ اللّٰھم صلِّ وسلم علیٰ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

ص۳۳ کا بقیہ :-

"میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ تراویح کے موضوع پر حضرت مولانا محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ رکعت تراویح انتہائی جامع ہے اور مخالفین کی باتوں اور ان کے استدلالات اور جمہور امت کے دلائل کو اچھی طرح سے اس میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ ناظرین کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے میرا بھی تراویح کے موضوع پر ارمغان حق جلد اول میں ایک مضمون ہے اس کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔

اور اب اخیر میں یہ کہہ کر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ حافظ صاحب محدث غازیپوری رحمہ اللہ ایک بھی صحیح حدیث سے یہ ثابت کرنے سے عاجز رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح باجماعت رمضان میں آٹھ رکعت ادا کی ہے، اور میرا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھنے والا تراویح باجماعت آٹھ رکعت کا ثبوت صحیح حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین میں سے کسی ایک سے بھی پیش نہیں کرسکتا۔

ص۴۲ کا بقیہ :-

ایک جگہ مولانا لکھتے ہیں بلکہ حضرت عثمانؓ پر برستے ہیں۔

"حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے بھی کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضہ ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے" ص۱۱۶

(جاری)

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

حافظ عبداللہ محدث غازی پوریؒ کے رسالہ "رکعات التراویح" کے بارے میں چند گذارشات

حافظ عبداللہ محدث غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ مشہور غیر مقلد عالم، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے استاد اور مولانا میاں صاحب دہلوی کے ممتاز شاگرد ہیں، رکعات تراویح کے بارے میں ان کا ایک مختصر سا رسالہ "رکعات التراویح" کے نام سے ہے، غیر مقلد علماء نے تراویح کی آٹھ رکعت کو مسنون ثابت کرنے کیلئے جو کتابیں یا رسالے تحریر فرمائے ہیں یا کسی اور جگہ اس مسئلہ سے بحث کی ہے تو زیادہ تر ان کا اعتماد حافظ صاحب غازیپوری کے اسی رسالہ پر رہا ہے، حافظ صاحب کا یہ رسالہ غیر مقلدین حضرات شائع کرتے رہتے ہیں، مولانا مختار ندوی مرحوم نے بھی اپنے ادارہ دار السلفیہ سے اس کو بڑے آب و تاب سے گذشتہ سال ہی شائع کیا تھا، ہمارے ایک دوست نے اس رسالہ کی ایک کاپی نئی اشاعت کی روانہ کی ہے۔

مولانا مختار ندوی مرحوم اس رسالہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"زیر نظر کتاب محدث کبیر علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا

نہایت اہم، تحقیقی اور مدلل علمی شاہکار ہے ...... جس کو پڑھ کر ہر حق پرست مسلمان اس بات کا قائل اور عامل ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ یہی ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں تراویح[1] اور تہجد کی نماز وتر کے علاوہ صرف آٹھ رکعت ہے "۔ انتہیٰ

حافظ صاحب غازی پوری کے اس رسالہ کی علمی تحقیقات کو علامہ ابوالمآثر محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "رکعات تراویح" میں بخوبی الم نشرح کر دیا ہے، اور اپنے محدثانہ طرز بیان سے واشگاف کر دیا ہے کہ حافظ صاحب کی تحقیق اہل تحقیق کی نگاہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی ہے، مولانا اعظمی کا رسالہ رکعات تراویح کے موضوع پر حرف آخر ہے جس کا مطالعہ اہل علم کو ضرور کرنا چاہئے، مولانا کا رسالہ نہایت وقیع علمی تحقیقات پر مشتمل ہے۔

مجھے جس دوست نے حافظ صاحب کا یہ رسالہ بھیجا ہے ان کی خواہش ہوگی کہ میں اس رسالہ کے بارے میں اپنا تاثر ظاہر کروں، غیر مقلدین علماء کی عام کتابوں کے بارے میں میرا تاثر یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی تحقیقات میں علمی دیانت وامانت کا خیال بالکل نہیں رکھتے ہیں، اور نہ علمی مباحث میں انصاف سے کام لینا ان حضرات کا شیوہ ہے، اور میرا یہی تاثر حافظ صاحب محدث غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے، کہ حضرت حافظ صاحب موصوف نے بھی اس رسالہ میں انصاف سے کام نہیں لیا ہے، تراویح کی تعداد کے بارے میں زمزم میں میرا ایک مضمون شائع ہو چکا ہے جو میری کتاب ارمغان حق جلد اول میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے اس بارے میں اب کچھ عرض کرنا بلا وجہ کی تکرار ہو گی، یہاں مجھے حافظ صاحب غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالہ کے بارے میں چند گذارشات عرض کرنی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ حافظ صاحب کا یہ رسالہ کتنا تحقیقی اور باوزن اور اپنے موضوع پر کتنا کامیاب ہے، اور اس سے حافظ صاحب

---

(۱) مولانا ندوی مرحوم کے اس بیان سے نیا انکشاف ہوا کہ تراویح غیر رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

کے اس دعویٰ کی حقیقت بھی کچھ ظاہر ہو جائے گی کہ تراویح کی اصلاً رکعات مسنونہ صرف آٹھ رکعت ہے ۔

(۱) حافظ صاحب اس رسالہ میں لکھتے ہیں ۔

"صحیح حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مع وتر گیارہ رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ثابت نہیں " صہ

حافظ صاحب تو ایک طرف حصر کے ساتھ یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ثابت نہیں ، اور پھر اپنے اس دعوٰی کی تردید بھی کرتے ہیں ، چنانچہ حاشیہ میں فرماتے ہیں ۔

" جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ اللیل یعنی رات کی نماز جسے تہجد بھی کہتے ہیں کبھی کبھی تیرہ رکعت بھی پڑھا کرتے تھے جن میں سے اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے اسلئے کبھی وہ شمار میں آتی تھیں اور کبھی نہیں اس طرح اگر آپ نے تراویح بھی کہ وہ صلوٰۃ اللیل ہی ہے کبھی کبھی تیرہ رکعت پڑھی ہو اور اول کی دو رکعتوں کو ہلکی ہونے کی وجہ سے راوی نے شمار نہ کیا ہو تو اس تقدیر پر یہاں گیارہ رکعت سے اول کی ہلکی دو رکعتوں کے علاوہ یعنی گیارہ رکعتیں مراد ہوں گی " صہ اور صہ۱ پر فرماتے ہیں کہ " حق یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں ، چونکہ ان میں سے اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے اور عام طور پر بھی آپ نے فرمادیا ہے کہ اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھنی چاہئے لہذا کبھی ان دو رکعتوں کا شمار کیا گیا اور کبھی نہیں کیا گیا جب شمار کیا گیا تو تیرہ ہو گئیں ورنہ گیارہ ہی رہیں ۔ صہ۱

پھر اس بات کو بتلانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی صحیح مسلم سے زید بن خالد کی روایت پیش کی ہے ، جس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات والی نماز کو میں نے دیکھنے کا فیصلہ کیا تو میں نے دیکھا کہ پہلے دو رکعت ہلکی پڑھی پھر آٹھ رکعتیں طویل پڑھی پھر وتر پڑھی فذلك ثلث عشرة ركعة یعنی کل ملا کر کے تیرہ رکعتیں تھیں ۔

پھر حافظ صاحب نے یہ بتلانے کے لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ

جب رات کی نماز کے لئے اٹھتے تو پہلے ہلکی دو رکعت سے شروع کرتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسلم شریف سے یہ روایت نقل کی ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل لیصلی افتتح صلوتہ برکعتین خفیفتین۔

یعنی حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کی نماز کے لئے اٹھتے تو نماز کو ہلکی دو رکعتوں سے شروع فرماتے۔

پھر مسلم شریف کی یہ روایت ذکر کی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امر منقول ہے کہ اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح صلوتہ برکعتین خفیفتین

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کا کوئی آدمی جب رات کی نماز کے لئے اٹھے تو اس کو چاہئے کہ دو ہلکی رکعت سے شروع کرے۔

یہ سب باتیں حافظ صاحب کے اس رسالہ میں ہیں، اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز اصلاً تیرہ رکعتیں تھیں، پہلے ہلکی دو پھر آٹھ رکعتیں طویل اور پھر تین رکعتیں وتر کی یعنی کل تیرہ رکعتیں۔

اب آپ خود غور فرمائیں کہ جب حافظ صاحب کے نزدیک ثابت یہی ہے اور صحیح احادیث کی روشنی میں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ رکعتیں تھیں تو پھر ان کا یہ دعوٰی خود ہی باطل ہو گیا کہ صحیح حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مع وتر گیارہ رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ثابت نہیں ہے، اسلئے کہ تراویح صلوٰۃ اللیل ہی ہے۔

اب غیر مقلدین حضرات کو جو مدعی عمل بالحدیث ہیں، صحیح حدیث کی روشنی میں تیرہ رکعتیں تراویح کی پڑھنی چاہیئے اور اس تیرہ رکعتوں کی ابتدا دو رکعت ہلکی سے ہونی چاہیئے، بلکہ دو رکعت ہلکی شروع میں پڑھنا از روئے حدیث واجب ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بصیغۂ امر یہ فرمایا ہے کہ جب تم رات کی نماز پڑھو تو پہلے دو رکعت ہلکی پڑھو، اور حضرت عائشہ کی حدیث سے اوپر معلوم ہو چکا ہے خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، جب حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا یہی حکم تھا اور آپ کا خود اس پر عمل تھا تو تراویح کی رکعتوں میں سے دو ہلکی رکعتوں کا شروع میں پڑھنا ہی تراویح کی سنت قرار پائے گی جو تراویح اس کے بغیر ہو گی وہ غیر مسنون اور حضورؐ کے امر اور عمل کے خلاف ہوگی۔

مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اہلحدیث کہلانے والوں کی کسی مسجد میں اس طرح تراویح نہیں پڑھی جاتی ہے کہ اس کی ابتداء دو رکعت ہلکی سے ہوتی ہو اور وتر سمیت اس کی رکعتیں تیرہ ہوتی ہوں، بلکہ تیرہ کا نام بھی اہلحدیث کہلانے والوں کی زبان پر نہیں آتا، حتیٰ کہ حافظ عبداللہ محدث غازی پوری جیسا آدمی بھی جب تراویح کی تعداد بتلانے کے لئے رسالہ لکھتا ہے تو اس کا بھی دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ سے زیادہ ثابت نہیں۔

"ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے"

دوسری بات جو حضرت حافظ محدث غازی پوری رحمہ اللہ کی شان ارفع سے بہت بعید نظر آتی ہے وہ یہ کہ حضرت حافظ صاحب نے گیارہ رکعت مع وتر ثابت کرنے کے لئے جو حدیث نقل کی ہے، اس کو ناقص نقل کیا ہے، پوری حدیث حافظ صاحب نے نقل نہیں فرمائی ہے، ایسا حافظ صاحب نے کیوں کیا؟ شاید ناظرین اس کی تہ تک نہ پہونچ سکیں، اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ میں اس راز سے پردہ اٹھا دوں اور اس سے معلوم ہوگا کہ حافظ صاحب کی اس رسالہ میں انصاف اور دیانت و امانت کی روش کا حال بھی عام غیر مقلدین علماء ہی کا ہے۔

حافظ صاحب نے مع وتر گیارہ رکعت تراویح ثابت کرنے کے لئے بخاری شریف اور مسلم شریف کی یہ حدیث ذکر کی ہے جو حضرت عائشہ سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

حافظ صاحب نے صرف حدیث سے اتنا ہی ذکر کیا ہے، حافظ صاحب نے حدیث کا آخری حصہ چھوڑ دیا ہے، اور اس طرح جو اصل بات جو حدیث سے ثابت ہو رہی تھی حافظ صاحب

نے اس پر پردہ ڈال دیا ہے، اس حدیث کے ابتدائی حصہ میں ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کی کیفیت کیسی رہا کرتی تھی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلے تو آپ کی نماز کی رکعتوں کو بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں جب رات کی نماز پڑھتے تھے تو گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، پھر حضرت عائشہ نے حضرت ابوسلمہ کا جو اصل سوال تھا یعنی آپکی نماز کی کیفیت کیا ہوا کرتی تھی، اسکو بایں الفاظ بیان کیا ہے یصلی اربعًا فلا تسأل عن حسنھن و طولھن ثم یصلی اربعًا فلا تسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے پس ان کے حسن اور اس کے طویل ہونے کو نہ پوچھو پھر چار رکعت پڑھتے تھے پس ان کے حسن اور ان کے طویل ہونے کو نہ پوچھو پھر تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابوسلمہ کے سوال کا اصل جواب یہی آخر کا حصہ ہے، حافظ صاحب غازی پوری نے اسی کو حذف کردیا، ایسا کیوں کیا؟ اسلئے کہ کسی بھی اہلحدیث مسجد میں چار چار رکعت کر کے نماز تراویح نہیں پڑھی جاتی ہے۔ اہلحدیث حضرات کا کیسا عمل بالحدیث ہے، ناظرین اس سے اندازہ لگالیں، کیا یہ علمی دیانت کی بات ہے کہ کسی حدیث سے آپ صرف اپنے مطلب کی بات تو لے لیں اور اسی حدیث کا وہ حصہ جس پر آپ کا عمل نہیں ہے اس کو چھپالے جائیں یہ تو حدیثِ رسول کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہوا، جو اہل علم کی شان سے بہت بعید ہے، اور پھر یہ دعویٰ کہ ہم ہی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والے ہیں، یہ دعویٰ بڑا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔

(۳) تیسری گذارش مجھے یہ کرنی ہے کہ حافظ صاحب نے اپنے رسالہ میں تراویح کی جو تعریف کی ہے وہ یہ ہے۔

"نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہِ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے" (ص ۶۲)

جب تراویح کی تعریف یہ ہے کہ وہ نماز ہے جو ماہِ رمضان کی راتوں میں عشاء کے

بعد باجماعت پڑھی جائے، تو اب حافظ کو چاہئے تھا کہ ازراہِ انصاف حضرت عائشہ کی مذکورہ بالا حدیث سے تراویح کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں استدلال نہ کرتے، اس لئے کہ اس حدیث میں تو حضور صلی اللہ علیہ سلم کی اس نماز کا تذکرہ ہے جو حضور رمضان و غیر رمضان میں تنہا ادا فرمایا کرتے تھے، دعویٰ خاص پر دلیل عام سے استدلال کرنا یہ علمی تحقیق نہیں ہے، اس حدیث پاک کا تراویح کے باب سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور حافظ صاحب نے اسی حدیث کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پہلی اور سب سے مستحکم دلیل قرار دی ہے، اگر یہ عمل کوئی دوسرا کرتا تو مجھے زیادہ تعجب نہ ہوتا مگر حافظ صاحب جو ایک متدین عامل بالحدیث عالم تھے اور نہایت درجہ محقق بھی ان سے اس طرح کا عمل کا صادر ہونا میرے لئے بہت زیادہ باعثِ تعجب ہے۔

میں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا تراویح کی رکعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ جن محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں تراویح کے عدد بیان کرنے کا باب باندھا ہے انھوں نے اس باب میں اس حدیث کو ذکر ہی نہیں کیا ہے، مثلاً امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں تراویح کے عدد کے بیان کے لئے باب باندھتے ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا اس میں ذکر نہیں کرتے، اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں تراویح کے عدد بیان کرنے کے لئے باب باندھا ہے، مگر اس میں بھی اس آٹھ رکعت والی حدیث کا جو غیر مقلدین کے یہاں سب سے صحیح حدیث ہے کہیں ذکر نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا تراویح کے باب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس حدیث میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تہجد پڑھنے کے معمول کا ذکر ہے نہ کہ رمضان میں باجماعت تراویح کا اس میں ذکر ہے۔

(۳) حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف اور مسلم شریف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں رمضان کی تین راتوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو تراویح پڑھانے کا ذکر ہے، پھر آپ نے لوگوں کا ذوق و شوق دیکھ کر اس خیال سے

اس سلسلہ کو ختم کر دیا کہ کہیں یہ نماز ان پر فرض نہ ہو جائے اور امت اس کی ادائیگی سے عاجز رہے، اس حدیث میں آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم یعنی اے لوگو تم اس نماز کو اپنے گھروں میں ادا کرو، میری گذارش یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صاف ارشاد تھا کہ تم اس تراویح کو اپنے گھروں میں پڑھو تو اب اہل حدیث ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ حافظ صاحب اپنے رسالہ میں بتلاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد کے بموجب اب تراویح کی نماز گھر میں پڑھنی ضروری ہے اور جماعت سے اس کا ادا کرنا مسنون باقی نہیں رہا، مگر حال یہ ہے کہ تمام دنیائے غیر مقلدیت آٹھ رکعت باجماعت تراویح مسجد میں ادا کرتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امر مبارک وارشاد پاک کا کہ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم کہ اے لوگو تم تراویح کی نماز گھر میں ادا کرو، کسی کو پاس نہیں رہا، اور مسلسل اس حدیث پاک کی اہل حدیث کہلانے والے لوگ مخالفت کرتے جا رہے ہیں۔ پورے مہینہ میں تراویح باجماعت تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی ایجاد ہے، اور اہلحدیث کہلانے والا فرقہ کا دعویٰ ہوتا ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کی بات سنی نہیں جائے گی۔

(۵) اس حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جس کا ابھی ذکر ہو رہا ہے اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں، حافظ صاحب غازی پوری فرماتے ہیں۔

"اگرچہ اس حدیث میں اس کا بیان نہیں ہوا کہ راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں" ص ۱۳

چونکہ یہی حدیث تراویح کے باب کی ہے اس لئے اب حافظ صاحب کو چاہئے تھا کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں راتوں میں صحابہ کرام کو آٹھ رکعتیں تراویح کی پڑھائی تھیں، مگر حافظ صاحب نے کسی ایک صحیح حدیث سے اس کا ثبوت پیش نہیں کیا، اور صحیح حدیث کے بغیر کسی بات کو قبول نہ کرنے والے حافظ صاحب غازی پوری نے

اس بارے میں جن حدیثوں سے استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں آٹھ رکعتیں تراویح کی پڑھائی تھیں وہ سب ضعیف ہیں، حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

حافظ ابن حجر، جو فتح الباری شرح صحیح بخاری چھاپہ دہلی جلد ۱ ص ۵۹۷ میں بذیل شرح اس حدیث کے صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے بروایت جابر نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ ص۱۳

اس کے بعد فتح الباری کی عبارت نقل کی ہے، اور حضرت جابر کی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں " یہ روایت صحیح ہے یا حسن " اور اس کی بنیاد اس کو بنایا ہے کہ اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے، اور انھوں نے اس شرح میں یہ شرط کی ہے کہ وہ اپنی اس شرح میں جو حدیثیں نقل کریں گے وہ یا تو صحیح ہوگی یا حسن، غرض حافظ صاحب نے اس حدیث جابر کے بارے میں خود کوئی تحقیق نہیں کی ہے کہ وہ حدیث صحیح یا حسن ہے یا ضعیف ہے بلکہ حافظ ابن حجر کی تقلید میں اس کو حسن یا صحیح قرار دیتے ہیں۔

اب آئیے میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ اس حدیثِ جابر کا حال کیا ہے، یہ حدیث صحیح ابن حبان جلد سادس کے ص۱۶۹ و ص۱۷۳ میں ہے، پوری سند کے ساتھ یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

اخبرنا عبد اللہ بن محمد الازدی قال حدثنا اسحٰق بن ابراھیم قال اخبرنا ابو الربیع الزھرانی قال حدثنا یعقوب القمی قال حدثنا عیسیٰ بن جاریہ عن جابر بن عبد اللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شھر رمضان ثمان رکعات واوتر۔

یعنی عیسیٰ بن جاریہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینہ میں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائی۔

اس حدیث کو حضرت جابر سے روایت کرنے والے عیسیٰ بن جاریہ ہیں، اور عیسیٰ بن جاریہ کون بزرگ ہیں تو ابن معین فرماتے ہیں کہ ان کے پاس منکر حدیثیں ہیں، نسائی ان کو منکر الحدیث فرماتے ہیں، اور انھوں نے ان کو متروک بھی بتلایا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں

ان کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں، ابو زرعہ ان کو لاباس بہ فرماتے ہیں۔
حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

جس حدیث کی سند میں ایسا ضعیف اور منکر الحدیث راوی ہو اس حدیث سے حافظ صاحب کا استدلال کرنا اور یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے، بہت زیادہ قابلِ تعجب ہے۔

صحیح ابن حبان کا محقق کہتا ہے کہ اسنادہ ضعیف یعنی اس کی سند ضعیف ہے اور وجہ اس کی بتلاتا ہے کہ عیسیٰ بن جاریۃ ضعیف یعنی عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہے اور جس کتاب میں بھی حضرت جابر کی یہ روایت منقول ہے سب میں حضرت جابر سے نقل کرنے والا یہی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ اسلئے وہ سب روایتیں ضعیف ہیں۔

اور اس روایت کا منکر ہونا اس سے بھی واضح ہے، احادیث کی کتابوں میں آنحضور کی رمضان میں نماز پڑھانے کا واقعہ بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے مگر کسی ایک روایت میں تعداد کا ذکر نہیں ہے، صرف حضرت جابر سے عیسیٰ بن جاریہ تعداد نقل کرتا ہے اور لطف یہ ہے کہ حضرت جابر سے روایت کرنے والا صرف یہی ایک شخص ہے، جس کے بارے میں ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور کسی راوی کا منکر الحدیث ہونا ایسا وصف ہے کہ بقول محدث مبارکپوری اس کی وجہ سے اس کی روایت ناقابلِ اعتبار ہو جاتی ہے اور وہ روایت متروک ہوتی ہے۔ (دیکھو ابکار)

اب کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مولانا عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف تو ظاہر یہ کرتے ہیں کہ صحیح حدیث کے علاوہ وہ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے اور دوسری طرف جب اپنا مطلب ہوتا ہے تو متروک اور منکر الحدیث راوی کی روایت سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں اور منکر روایت ان کے نزدیک قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اور خود اس روایت کی تحقیق کرنے کے بجائے کبھی حافظ ابن حجر کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی حافظ ذہبی کا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں، ابو زرعہ ان کو لاباس بہ فرماتے ہیں۔

حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعفا میں ذکر کیا ہے۔

جس حدیث کی سند میں ایسا ضعیف اور منکر الحدیث راوی ہو اس حدیث سے حافظ صاحب کا استدلال کرنا اور یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے، بہت زیادہ قابلِ تعجب ہے۔

صحیح ابن حبان کا محقق کہتا ہے کہ اسنادہ ضعیف یعنی اس کی سند ضعیف ہے اور وجہ اس کی بتلاتا ہے کہ عیسیٰ بن جاریۃ ضعیف یعنی عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہے اور جس کتاب میں بھی حضرت جابر کی یہ روایت منقول ہے سب میں حضرت جابر سے نقل کرنے والا یہی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ اسلئے وہ سب روایتیں ضعیف ہیں۔

اور اس روایت کا منکر ہونا اس سے بھی واضح ہے، احادیث کی کتابوں میں آنحضور کی رمضان میں نماز پڑھانے کا واقعہ بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے مگر کسی ایک روایت میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ صرف حضرت جابر سے عیسیٰ بن جاریہ تعداد نقل کرتا ہے اور لطف یہ ہے کہ حضرت جابر سے روایت کرنے والا صرف یہی ایک شخص ہے، جس کے بارے میں ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور کسی راوی کا منکر الحدیث ہونا ایسا وصف ہے کہ بقول محدث مبارکپوری اس کی وجہ سے اس کی روایت ناقابلِ اعتبار ہو جاتی ہے اور وہ روایت متروک ہوتی ہے۔ (دیکھا بکار)

اب کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مولانا عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف تو ظاہر یہ کرتے ہیں کہ صحیح حدیث کے علاوہ وہ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے اور دوسری طرف جب اپنا مطلب ہوتا ہے تو متروک اور منکر الحدیث راوی کی روایت سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں اور منکر روایت ان کے نزدیک قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اور خود اس روایت کی تحقیق کرنے کے بجائے کبھی حافظ ابن حجر کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی حافظ ذہبی کا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۶) حافظ صاحب اپنے اس رسالہ میں مذکور بالا حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو صحیح ثابت کرنے کیلئے اس پر زور صرف کیا ہے کہ یہ حدیث چونکہ صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کی ہے اور ان دونوں کتابوں کے مصنف اپنی کتابوں میں صحیح حدیث لانے کا التزام کیا ہے اس وجہ سے حضرت جابر کی یہ حدیث صحیح ہے۔

حافظ صاحب ایک بڑے محدث اور محقق عالم تھے، ان کو یہ بات کہنے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کرلینی چاہیئے تھی کہ کیا واقعہ یہی ہے کہ صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور ان کتابوں میں ضعیف احادیث نہیں ہیں، اگر حافظ صاحب تحقیق سے کام لیتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ ان دونوں کتابوں میں ضعیف احادیث کا ایک ذخیرہ ہے، اور اسی ضعیف احادیث کے ذخیروں میں سے ایک حدیث حضرت جابر کی یہی حدیث ہے جس میں آٹھ رکعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تراویح پڑھانے کا ذکر ہے، اس کا ضعف اوپر بتلایا جاچکا ہے

اس وقت میرے سامنے صحیح ابن حبان کی چھٹی جلد ہے اس کو جو کھولا تو جس حدیث پر نگاہ پڑی وہ ضعیف نکلی، ابن حبان نے محمد ابن اسحٰق بن خزیمہ کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر ٹیک لگانا جہنم والوں کی راحت ہے۔

اس حدیث کی سند میں عیسٰی بن یوسف ہشام سے روایت کرتے ہیں اس کتاب کا معلق اپنی تعلیق میں کہتا ہے کہ وفی سند هذا الحدیث علة قادحة وهی سقوط راوٍ من اسناده بین عیسٰی بن یونس وهشام هو عبد اللّٰه بن الازور۔

یعنی اس حدیث کی سند میں ایک بڑی خرابی ہے اور وہ یہ کہ اس کی سند سے عیسٰی بن یونس اور ہشام کے درمیان ایک راوی ساقط ہے اور وہ عبداللّٰہ بن ازور ہے۔

ذہبی میزان میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ازور نے ہشام سے ایک منکر روایت ذکر کی ہے اور ازدی اس کو بہت زیادہ ضعیف بتلاتے ہیں۔ (ص ۶۴/۹۶)

اب یہ اتفاق ہی ہے کہ میری نگاہ اس حدیث پر پڑ گئی جو اس بات کی دلیل بن رہی ہے،

کہ صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ یہ دونوں ضعیف احادیث سے پاک کتابیں نہیں ہیں۔ اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ میں صرف صحیح اور حسن ہی احادیث ہے اس کا یہ دعویٰ نہایت درجہ غلط اور عدم تحقیق پر مبنی ہے، صحیح ابن خزیمہ میں اس حدیث کا نمبر ۱۰۷۰ ہے۔

(۷) حافظ صاحب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل سے انکی سند سے نقل کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

اگرچہ اس حدیث کے بعض رواۃ متکلم فیہ ہیں لیکن تاہم مذکورہ بالا حدیث کی تائید سے خالی نہیں۔ ص۱۷

اب حافظ صاحب کو کون بتلائے کہ حضرت قیام اللیل والی حدیث بعینہ وہی حدیث ہے جو صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کی ہے، یہ کوئی دوسری حدیث نہیں ہے کہ اس سے صحیح ابن حبان و صحیح ابن خزیمہ کی حدیث کی تائید ہوگی۔

چونکہ حافظ صاحب کے وقت صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کا مطبوع شکل میں کوئی نسخہ موجود نہیں تھا اس وجہ سے ان دونوں کتابوں کی طرف حافظ صاحب کو خود مراجعت کا موقع نہیں ملا۔ انھوں نے دوسروں کی کتابوں میں بلا سند اس حدیث کو دیکھا تو قیام اللیل والی حدیث سے الگ اس حدیث کو سمجھ لیا، ابن حبان، ابن خزیمہ اور محمد بن نصر مروزی تینوں کی سندیں ایک ہی ہیں یعنی تینوں کتابوں میں یعقوب بن عبداللہ عیسیٰ بن جاریہ سے اور وہ حضرت جابر سے اس حدیث کو نقل کرتے ہیں، قیام اللیل والی حدیث کو ابن حبان اور ابن خزیمہ والی حدیث سے الگ سمجھنے اور اس کو بطور تائید پیش کرنے میں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شدید چوک ہوئی ہے۔

(۸) حافظ صاحب نے اپنے رسالہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رمضان شریف میں ایک روز تشریف لائے اور انھوں نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم رات میں مجھ سے ایک بات ہوگئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ

وہ کیا بات ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میرے گھرانہ کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں، اسلئے ہم لوگ آج آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے، تو میں نے ان کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھادی، تو آپ خاموش رہے اور یہ خاموشی رضامندی کے مشابہ تھی۔

اس روایت کو بھی حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ رکعت تراویح کے ثبوت میں پیش کیا ہے، اور بلا کسی نقد و تبصرہ کے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد خاموشی سے گذر گئے ہیں، حالانکہ انھوں نے اس روایت کو محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل سے نقل کی ہے، اور اس کی سند بعینہٖ وہی ہے جو اس سے پہلے والی حدیث کی ہے، یعنی اس کو بھی حضرت جابر سے نقل کرنے والا وہی عیسیٰ بن جاریہ مجروح و متروک اور ضعیف راوی ہے، مگر حافظ صاحب نے اس کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں کیا اور اس حدیث کو اس طرح ذکر کیا کہ پڑھنے والا اسکو صحیح حدیث سمجھے۔

حالانکہ غیر مقلدین اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث ذکر کرنے کے بعد اس کا ضعف ظاہر نہ کرنا حرام ہے، اور نہایت گناہ کا کام ہے، صلوٰۃ الرسول کا غیر مقلد محقق اس کتاب کے مقدمہ میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ سے نقل کرتا ہے۔

جو شخص ضعیف حدیث کے ضعف کو جاننے کے باوجود بیان نہیں کرتا ہے وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے گناہ گار اور عوام کو دھوکا دیتا ہے۔ (ص۲۲)

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حافظ صاحب باین زہد و تقدس اور علم و تقویٰ قصداً و عمداً اس گناہِ عظیم کے مرتکب ہو گئے اور محض اس وجہ سے کہ رمضان میں آٹھ رکعت تراویح صحیح طریقہ سے ہو یا غلط طریقہ سے ثابت ہو جائے اور عوام حافظ صاحب کی تحقیق کی داد دیں کہ حافظ صاحب نے آٹھ رکعت تراویح کے ثبوت کیلئے کیسے کیسے دلائل قاہرہ اپنے رسالہ میں جمع فرما دیئے ہیں، حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف حدیث سے استدلال کیا اور اس کے ضعف کو ظاہر کرنا پسند نہیں کیا، حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث راوی ہیں، اور لوگوں نے لکھا ہے عندہ مناکیر اس کے پاس منکر روایتیں بہت ہیں، اور

اور انھیں منکر روایتوں میں سے حضرت جابر سے وہ جو روایت کرتا ہے وہ بھی روایتیں ہیں جن پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ مگر حافظ صاحب کو بہر قیمت آٹھ رکعت تراویح کو ثابت کرنا ہے خواہ اس کا ثبوت منکر روایت ہی سے کیوں نہ ہو، جی ہاں حضرات اہل حدیث کے محققین علماء اور زہد و تقویٰ کے مشاہیر کا انداز کلام اسی قسم کا ہوتا ہے۔

(۹) حافظ صاحب اپنے رسالہ صـ۳۲ پر لکھتے ہیں۔

اور جو مؤطا امام مالک صـ۴۰ میں یزید بن رومان سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ۔ یعنی لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں ماہ رمضان میں مع وتر تیئیس رکعت پڑھتے تھے اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ یہ روایت سنداً صحیح نہیں ہے بلکہ منقطع السند ہے۔

مقام تعجب ہے کہ حافظ صاحب خود تو آٹھ رکعت تراویح کو ثابت کرنے کیلئے ضعیف احادیث سے بلا تکلف استدلال کرتے ہیں، اور بیس رکعت تراویح والی حدیث جو مؤطا امام مالک کی ہے اور جس کی صحت پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی اسکو منقطع السند ہونے کا حیلہ اختیار کر کے ناقابل استدلال قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ سنداً صحیح نہیں ہے۔

اگر حافظ صاحب کو اتنا بھی پتہ نہیں ہے کہ موطا امام مالک کی تمام روایتیں علمائے اہل حق کے نزدیک صحیح ہیں اور اس کی مرسل روایات ہوں یا منقطع، اس کے بلاغات ہوں سب کی سب متصل السند ہیں، تو بڑے تعجب کی بات ہے مؤطا کی کسی حدیث کے بارے میں غیر صحیح ہونے کا قول علمائے محققین میں سے کسی کا نہیں ہے، مگر افسوس حافظ صاحب نے اس کی روایت پر عدم صحت کا حکم لگا کر کے اپنی تحقیق کی حقیقت اور اپنے علم حدیث میں مہارت کو بدنام زمانہ اور رسوائے عام کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

فالطبقۃ الاولیٰ منحصرۃ بالاستقراء فی ثلاثۃ کتب المؤطاء

وصحیح البخاری وصحیح مسلم ، قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ
موطا مالک واتفق اھل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رای مالک
ومن وافقہ واما علی رای غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا قد اتصل
السند بہ من طرق اخری فلا جرم انہا صحیحۃ من ھذا الوجہ ۔

یعنی استقراء (یعنی تلاش وتتبع) سے حدیث کی کتابوں میں طبقہ اولیٰ کی جو کتابیں
ہیں وہ تین کتابیں ہیں، مؤطا امام مالک، بخاری شریف ومسلم شریف، امام شافعی کا قول
ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب موطا امام مالک ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق
ہے کہ اس کتاب میں جتنی احادیث ہیں امام مالک کی رائے میں اور ان سے جو اتفاق رکھتے ہیں انکی
رائے میں سب صحیح ہیں، اور دوسروں کی رائے میں اس طرح اس کی ساری روایتیں صحیح ہیں کہ
اس کی مرسل روایتیں اور منقطع روایتیں دوسرے طریقوں سے متصل السند ہیں ۔ (ص ۱۳۲/۱۳۰)

اور پھر حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے ان
اصحاب کرام کے بارے میں جو بیس رکعتیں تراویح پڑھا کرتے تھے فرماتے ہیں ۔

اس روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ تیئیس ۲۳ رکعت پڑھتے تھے
وہ بحکم حضرت عمر پڑھتے تھے ص ۲۳

میں کہتا ہوں کہ ان کو تیئیس ۲۳ رکعت پڑھنے کیلئے حضرت عمر کے حکم کی ضرورت
ہی نہیں تھی اسلئے کہ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یہ نماز ادا کرتے تھے، صحابہ کرام کے
بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ حضور کو تو تراویح آٹھ پڑھتے انھوں نے دیکھا ہو اور وہ اس
کے خلاف تیئیس ۲۳ رکعت تراویح مع الوتر پڑھیں، اور سنت تراویح ادا نہ کریں ۔

جن جن روایتوں میں حضرت عمر کے زمانہ میں تیئیس ۲۳ رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے اور
ان کی سندوں پر حافظ صاحب کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں ملی انھوں نے سب پر یہی کلام کیا کہ
ان کا یہ عمل حضرت عمر کے حکم سے نہیں تھا، میری طرف سے بھی یہی جواب ہے کہ صحابہ کرام
کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ کی سنت کو چھوڑ کر اپنی طرف سے تراویح

کی رکعتیں ایجاد کریں گے، اگر صحابہ کرام تیئس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے تو یقیناً ان کے مشاہدہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا، اور وہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کی روشنی میں ادا کرتے تھے۔

(۱۰) حضرت حافظ صاحب غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں بڑے پُرزور انداز میں لکھا ہے کہ:

صحیح سند سے خلفائے راشدین میں سے سوائے حضرت عمر کے اور کسی سے کچھ ثابت نہیں ہے کہ وہ حضرات تراویح رکعت پڑھتے تھے یا کئی رکعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے ومن ادعیٰ فعلیہ البیان یعنی جس کا یہ دعویٰ ہو وہ دلیل پیش کرے،، ص۳۷

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر آپ کے نزدیک حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ اعتبار ہے اور انکی بات کا آپ کے یہاں کچھ وزن ہے تو سنیں کہ امام ترمذی کیا فرماتے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔

واکثر اھل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ۔ (ترمذی مع تحفہ ص۷۴/۲)

یعنی اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں جو حضرت علی اور حضرت عمر اور دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت کے،

مقام تعجب ہے کہ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت علی اور حضرت عمر اور دیگر اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بلا تکلف تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حضرات صحابہ کرام بیس رکعت تراویح کے قائل تھے اور جن روایتوں میں ان صحابہ کرام کے بارے میں اس کا ذکر ہے انکو بلا تردد اور بلا کسی اعتراض کے صحیح سمجھتے ہیں، لیکن آج کا طبقہ اہلحدیث اجماع امت سے روگردانی کرتا ہوا آٹھ رکعت تراویح کا قائل ہے اور اپنی لن ترانیوں سے صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے عمل کو غلط تبلا رہا ہے۔ فیا غربۃ للاسلام۔

بقیہ ص۱۷ پر

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۱۵

مقام صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں

اور مولانا مودودی

صحابہ کرام کی وہ تصویر جو زمانہ حال کے بعض محققین نے تیار کی ہے

آپ نے گذشتہ صفحات میں بڑی تفصیل کے ساتھ صحابہ کرام کے بارے میں علمائے دین اور اکابرین کے خیالات کو معلوم کرلیا اور آپ نے دیکھ لیا کہ یہ علمائے دین اور اسلاف امت صحابہ کرام کے بارے میں حسن اعتقاد کو واجب قرار دے رہے ہیں اور ان کے مابین واقع ہونے والے اختلاف کو اجتہاد پر محمول کرتے ہیں اور کسی ادنی صحابی کے بارے میں بھی سب وشتم اور لعن طعن، سوء ظن اور بدعقیدگی کو جائز نہیں رکھتے اور اسے اعداء اسلام اور منافقوں کا عمل بتلاتے ہیں۔ وہ سارے صحابہ کو عادل و ثقہ تسلیم کرتے ہیں اور اخلاق وکردار کے اعتبار سے ان کے اعلیٰ معیار پر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور بالاتفاق صحابہ کرام کو افضل امت قرار دیتے ہیں۔

نیز آپ نے کتاب وسنت سے ثابت شدہ صحابہ کرام کی وہ تصویر بھی دیکھ لی جس کی وجہ سے انبیاء ورسل کے بعد اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل قرار پائے، آپ نے دیکھا کتاب وسنت نے سب کو بلا استثناء جنتی قرار دیا۔ اللہ کے رسول نے ان کے بارے میں طعن و تشنیع کرنے والے پر لعنت فرمائی، ان کی عیب جوئی کو کتاب وسنت سے حرام قرار دیا ان کی پاکیزگی وطہارت کی گواہی دی، اہلسنت والجماعت نے اسی کا عقیدہ رکھا اور ان

تاریخی روایات کو کالعدم قرار دیا جس سے اس عقیدے پر ضرب آتی ہو۔

یہ تو دین کے ان علماء کا فیصلہ تھا جو دین کو کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں سمجھتے ہیں لیکن جن لوگوں نے محض اپنی تحقیق کی روشنی میں کتاب و سنت اور اسلاف سے مستغنی ہو کر دین کو یا دینی شخصیتوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے انھوں نے صحابہ کرام کی کیا تصویر پیش کی ہے اس کا نمونہ آپ کو مولانا مودودی کی تحریرات میں ملے گا خاص طور پر ان کی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں آئندہ سطور میں آپ اس دوسری تصویر کو بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہاں ایک بات واضح کر دوں کہ میرا موضوع مولانا مودودی کا جواب دینا نہیں ہے ان کی اس کتاب کے جواب میں متعدد و مختلف انداز کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، میری اس کتاب کا موضوع صرف اتنا ہے کہ میں صحابہ کرام کی وہ تصویر بھی ناظرین کے سامنے پیش کروں جو کتاب و سنت اور سلف کے ارشادات کی روشنی میں ہم نے دیکھی اور سمجھی ہے اور وہ تصویر بھی پیش کر دوں جو مولانا کی تحریرات سے خاص طور پر اس کتاب سے ہمارے سامنے آتی ہے تاکہ ناظرین فیصلہ کریں کہ ان دونوں تصویروں میں سے کون سی تصویر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے مناسب ہے اور بارگاہ نبوت سے تربیت پانے والوں کے حسب حال ہے اور اسی کے مطابق صحابۂ کرام کے بارے میں اپنا عقیدہ بنائیں اور درحقیقت یہی ہے میرا وہ جذبۂ اندروں جس نے مجھے اس کتاب کے لکھنے پر ابھارا ہے، اب آپ کتاب "خلافت و ملوکیت" کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

عام صحابۂ کرام پر مولانا مودودی کی تنقید

ہم خلافت و ملوکیت سے پہلے وہ اقتباس پیش کریں گے جس میں مولانا مودودی نے عام صحابۂ کرام کو اپنے قلم کا یا اپنی تحقیق کا نشانہ بنایا ہے۔

خلافت و ملوکیت صـ۱۴۳ پر مولانا لکھتے ہیں۔

(۱) بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر

پانی پھیر دیا ہے اور ان کے مرتبہ کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے۔

مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو محض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں گے تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے "اجتہادات" سے روک سکتے ہیں . . . . .

(۲) جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۳) کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے ہمیں درج ذیل باتوں کی تعلیم حاصل ہوئی۔

(۱) صحابۂ کرام واجب الاحترام ہیں ان کے مرتبہ کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آنا کمینی اور ظالمانہ حرکت ہے۔

(۲) صحابۂ کرام کے غلط کام کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(۳) ان کے غلط کام کو محض شرف صحابیت کی رعایت کی وجہ سے اجتہاد قرار دینا زیادتی ہے[1]

(نوٹ) ہمارے سامنے خلافت و ملوکیت طبع دوم ۱۹۶۶ء اسلامی پبلیکیشنز لیمیٹڈ لاہور کا نسخہ ہے اس سلسلہ میں اسی نسخہ کی طرف مراجعت کریں، بعد میں اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن کے صفحات الگ الگ ہو سکتے ہیں۔

[1] مولانا مودودی درحقیقت ان سارے علماء اہلسنت والجماعت کا رد کر رہے ہیں جو صحابہ کرام کے آپسی تنازع کو اجتہاد پر محمول کرتے ہیں اور اس کو انکی زیادتی بتلاتے ہیں اور اسمیں تلقین کر رہے ہیں ان کے اس غلط کام کو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت باور کریں یعنی اس کا یقین کریں کہ صحابہ کرام پروگرام بنا کر غلط کام کرتے تھے۔

(۴) صحابہ کرام جان بوجھ کر سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرتے تھے جسے اجتہاد نہیں کہا جا سکتا۔

(۵) کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا۔

(۶) یہاں تفہیمات ص ۲۴۲ ج ۱ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ مولانا لکھتے ہیں:

"ان سب سے بڑھ کر ایک عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے۔"

صحابہ کرام کے بارے میں یہ انداز گفتگو دل ودماغ کو خراب کر دیتا ہے اور ایک مسلمان اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ ذرا آپ خود بھی "چوٹیں کر جاتے تھے" والا جملہ دیکھیں کیا کوئی شریف آدمی صحابہ کرام تو الگ رہے کسی عام آدمی کے لئے بھی یہ تعبیر اختیار کر سکتا ہے۔ دراں حالیکہ مولانا مودودی نے اس "چوٹیں کر جاتے تھے" والے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے جو مثالیں دی ہیں وہ غلط در غلط ہیں اور اس سے اندازہ لگتا ہے کہ مولانا کو حدیث اور اصول حدیث کی کتابوں پر معمولی نظر بھی نہیں تھی۔ میں نے حاشیہ میں ان کی غلطی کو واضح کر دیا ہے[1]

---

[1] مولانا مودودی نے اس چوٹ کر جانے والے دعویٰ کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

ابن عمر نے سنا کہ ابوہریرہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے فرمانے لگے ابوہریرہ جھوٹے ہیں، حضرت عائشہ نے ایک موقع پر حضرت انس اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا کہ وہ حدیث رسول اللہ کو کیا جانیں وہ تو اس زمانے میں بچے تھے، حضرت حسن ابن علی سے ایک مرتبہ وشاھدٍ ومشھود کے معنی پوچھے گئے تو انھوں نے اس کی تفسیر بیان کی، عرض کیا گیا کہ ابن عمر اور ابن زبیر تو ایسا کہتے ہیں فرمایا کہ یہ دونوں جھوٹے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر مغیرہ بن شعبہ کو جھوٹا قرار دیا، عبادہ بن صامت نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس انصاری پر جھوٹ کا الزام لگا دیا حالانکہ وہ بدری صحابہ میں سے تھے۔ (تفہیمات ص ۲۴۸ ج ۱)

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا یا تو مولانا مودودی کو فن حدیث سے واقفیت نہیں یا وہ اس

حضرت عثمان رضؓ پر تنقید | مولانا مودودی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ خلافت کے معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے

فن کی اصطلاح سے جاہل ہیں انھیں معلوم ہی نہیں کہ محاورات عرب میں لفظ کذب کتنے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یا مولانا کو معلوم ہے اور انھوں نے قصداً دجل و فریب سے کام لیا ہے۔

میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ لفظ کذب اپنے معروف معنی کے علاوہ کلام عرب میں دوسرے معنوں میں بھی عام طور پر استعمال ہوتا ہے مثلاً ترغیب، اغرا یعنی ابھارنا، وجوب، لزوم، غلبہ، سہو، خطا، وہم غلط، تعریض، توریہ وغیرہ معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے تفصیل کیلئے دیکھو مجمع البحار ص ۳۸۱/۴ تا ص ۳۸۶ علامہ طاہر پٹنیؒ نے اس کتاب میں یہ سارے استعمالات مثالوں کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

مولانا کی مثالوں میں کذب کا معروف معنی نہیں بلکہ کذب معنی میں اخطأ کے استعمال ہوا ہے اور اس معنیٰ کے علاوہ دوسرا معنی کسی محدث نے بیان نہیں کئے ہیں دیکھو مجمع البحار نیز اوجز المسالک ص ۲۵۶/۲
بلکہ ابن حجر نے تو اہل مدینہ کے متعلق کہا ہے کہ وہ کذب کو اخطأ کے معنیٰ ہی میں استعمال کرتے تھے

قال الحافظ فی التلخیص وقول عبادۃ کذب	حافظ نے تلخیص میں حضرت عبادہ کے اس قول کذب ابو محمد
ابو محمد اذا اخطأ وھذہ لفظۃ مستعملۃ لاھل	کے بارے میں لکھا ہے کہ مراد یہاں کذب سے اخطأ ہے
الحجاز اذا اخطأ احدھم یقال لہ کذب۔	اور اہل حجاز اس لفظ کو اس طرح استعمال کرتے تھے۔
(اوجز المسالک ص ۵۵/۲)	جب کوئی آدمی غلطی کرتا تو کہتے کذب

نیز جتنی مثالیں مولانا مودودی نے دی ہیں سب کا تعلق فتویٰ سے ہے اور فتویٰ میں یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں نے جھوٹ بکا بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے غلطی کی، یہاں ان مثالوں میں اخطأ یا سہا یا وہم کے علاوہ کوئی دوسرا معنی درست ہو ہی نہیں سکتا۔

بہر حال مولانا مودودی نے یہاں زبردست ٹھوکر کھائی ہے یا قصداً انھوں نے تجاہل برتا ہے اور حضرت عائشہؓ کا حضرت انسؓ اور حضرت ابو سعیدؓ کو بچہ کہنا اور یہ کہ حدیث سے زیادہ واقف نہیں تھے اس کو چوٹ کرنے سے تعبیر کرنا یہ مولانا مودودی کے سوء فہم کا نتیجہ ہے اور یہاں حضرت عائشہؓ نے محض ایک حقیقتِ واقعہ کا بیان فرمایا ہے اور بس۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں جو نظام تھا انھوں نے اس کے خلاف ایک نیا قدم اٹھایا جس کی وجہ سے اس کے خلاف شورش برپا ہوئی اور قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سے سلگ اٹھیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

"مگر بدقسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان اس معاملے میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے ان کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے وظیفے دیئے گئے۔ (ص ۹۹ خلافت وملوکیت)

..... اس کا نتیجہ آخر یہی ہوا جس کا حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا ان کے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوئے بلکہ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام کو ہی پھونک کر رہا۔" (ص ۱۰۰ ایضاً)

مولانا مودودی نے اپنی اس عبارت میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر دبے دبے الفاظ میں جو سنگین الزام لگایا ہے وہ کسی دقت نظر کا محتاج نہیں ہے، یعنی مولانا مودودی کنایہ چاہتے ہیں کہ خلافت راشدہ کو جس چیز نے پھونک کر رکھ دیا دراصل حضرت عثمانؓ وہ طرز عمل تھا جس کو انھوں نے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے اور عطیے دینے کی شکل میں اختیار کیا تھا، گویا خلافت راشدہ کے تباہی و بربادی کے اصل باعث حضرت عثمانؓ ہوئے۔

مولانا مودودی نے اس کتاب میں ایک باب کا عنوان قائم کیا ہے۔

"خلافت راشدہ سے ملوکیت تک"

اس باب کے ایک ذیلی عنوان "تغیر کا آغاز" کے تحت لکھتے ہیں:

"اس تغیر کا آغاز ٹھیک اس مقام سے ہوا جہاں سے اس کے رونما ہونے کا حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا، اپنی وفات کے قریب زمانہ میں سب سے بڑھ کر جس بات سے وہ ڈرتے تھے وہ یہ تھی کہ کہیں ان کا جانشین اپنے قبیلہ اور اپنے اقربا کے معاملہ میں اس پالیسی کو نہ بدل دے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ان کے

زمانے تک چلی آ رہی تھی . . . . . لیکن اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ
جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے انھوں نے پے در پے
اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری
ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں۔ (ص ۱۰۶)

مولانا نے اس عبارت میں واضح طور پر حضرت عثمانؓ کو آنحضورؐ اور خلفائے راشدین
کی پالیسی سے ہٹ جانے کے الزام سے متہم قرار دیا ہے اور "ایسی رعایات کیں" والا جملہ بڑا
معنیٰ خیز ہے، ظاہر بات ہے کہ یہ رعایتیں جائز تو تھی نہیں ورنہ کسی کو اس پر اعتراض ہی کیوں
ہوتا؟ اور رعایتیں ناجائز ہی رہی ہوں گی جس کا ارتکاب حضرت عثمانؓ نے کیا۔

مولانا مودودی کا حضرت عثمانؓ پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انھوں نے جن کو اپنا گورنر
بنایا وہ اس کام کے لئے موزوں نہیں تھے وہ اگرچہ ایمان لائے تھے مگر حضورؐ کی صحبت و تربیت سے
ان کو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں ملا تھا کہ ان کے ذہن و کردار کی پوری قلب ماہیت ہو جاتی
یعنی ان کو آنحضورؐ کی صحبت تو میسر ہوئی لیکن آپ کی صحبت نے ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔
مولانا لکھتے ہیں:

"دوسرے یہ کہ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی نہ
ہو سکتے تھے کیونکہ وہ لوگ ایمان تو ضرور لے آئے تھے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی صحبت و تربیت سے ان کو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں مل سکا تھا کہ
ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت ہو جاتی" ص ۱۰۹

ایک جگہ لکھتے ہیں:

"تیسرے یہ کہ ان میں سے بعض کا کردار ایسا تھا کہ اس دور کے پاکیزہ ترین
اسلامی معاشرے میں ان جیسے لوگوں کو بلند مناصب پر مقرر کرنا کوئی اچھا تأثر
پیدا نہ کر سکتا تھا۔ ص ۱۱۱

اس کے بعد مولانا مودودی صاحب نے صحابیٔ رسول حضرت ولید بن عقبہ کے سیرت

وکردار پر بحث کی ہے جن کو حضرت عثمانؓ نے اپنا گورنر بنایا تھا اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ شراب نوش اور فاسق تھے۔ ص۱۱۲

گویا مولانا حضرت عثمانؓ کے بارے میں یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انھوں نے جن کو اپنی خلافت کے زمانہ میں عہدے دیئے اور جن کو خلافت کے نظم ونسق میں شریک کیا وہ اچھے کیرکٹر و نیک سیرت وکردار کے آدمی نہیں تھے[1]

اس کتاب میں تو نہیں لیکن مولانا نے اپنی ایک دوسری کتاب "تجدید احیاء دین" میں تو صاف صاف لکھ دیا ہے کہ حضرت عثمانؓ خلافت کے اہل نہیں تھے، اور ان کے دور خلافت میں جاہلیت کا نظام گھس آیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ

---

[1] لیکن یہ بات یہاں ذہن میں رہے کہ اگر مولانا مودودی کی یہ بات تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ الزام صرف حضرت عثمانؓ تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس الزام سے نبی کی ذات اور شیخین بھی نہیں بچ سکیں گے۔ اسلئے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جو لوگ گورنر تھے ان میں وہ لوگ بھی تھے جن کو آنحضورؐ نے امیر، قائد اور گورنر بنایا تھا اور یہ لوگ اس عہدے پر حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے زمانے میں بھی باقی رہے، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جو لوگ گورنری کے عہدے پر تھے وہ یہ ہیں۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ حضرت عبداللہ بن عامر، حضرت سعید بن العاص، حضرت ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم رضی اللہ عنہم۔ ان میں حضرت معاویہؓ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کاتب وحی تھے، نیز حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فلسطین وشام کے گورنر تھے۔

حضرت ولید بن عقبہ کو حضرت ابوبکرؓ نے مشرق اردن میں لشکر کشی کے سلسلہ میں سپہ سالار بنایا تھا نیز یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی امیر رہے۔

حضرت سعید بن العاص کے بارے میں خود آنحضورؐ نے ان کے ایمان واصلاح کی گواہی دی ہے، آپ کا یہ ارشاد کتاب کے ص۲۲ پر ملاحظہ فرمائیے اب صرف مروان بن حکم اور حضرت عبداللہ بن عامرؓ کے بارے میں مودودی صاحب اعتراض چاہیں کرسکتے ہیں۔

سخت ہوتا جارہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ جن پر اس کا عظیم کا
بار رکھا گیا تھا ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر
پیش روؤں کو عطا ہوئی تھی اسلئے ان کے زمانہ خلافت میں جاہلیت کو
اسلامی نظام اجتماعی میں گھس آنے کا موقعہ مل گیا۔

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ ایک نا اہل آدمی کو خلافت کے لئے مناسب
خیال فرمایا (اس لئے حضرت عثمانؓ ان چھ آدمیوں میں سے ایک تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نے اپنی وفات سے پہلے منتخب کیا تھا) اور صحابہ کرام نے اس نا اہل کو معاذ اللہ خلیفہ بنا کر
باتفاق اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی[1]

افسوس حضرت عمر اور صحابہ کرام تو حضرت عثمان کی اس کمزوری کا ادراک کر سکے
اور آج چودہ سو سال کے بعد ہمارے یہ محققین اس راز کو پا رہے ہیں۔

بقیہ ص۱۰۷ پر

---

[1] مولانا مودودی حضرت عثمانؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ نااہل تھے۔ ان کے نزدیک ان میں
اخلاق کی وہ قوت اور بلند کرداری نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ بار خلافت کے متحمل ہو سکتے لیکن
تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت عثمان کے علاوہ صحابہ کرام کی نگاہ میں اس عہدہ خلافت کیلئے حضرت
عثمان کے موجود ہوتے ہوئے کوئی دوسرا نہیں تھا جسے صحابہ کرام اس عظیم عہدہ کو سپرد کرنا پسند فرماتے
چنانچہ اس کے مدمقابل کوئی تھا تو وہ حضرت علیؓ تھے مگر خلافت کیلئے بالاتفاق صرف حضرت عثمان
کا نام لیا جاتا تھا چنانچہ البدایہ میں حضرت عبدالرحمٰن (جو خود خلافت کیلئے نامزد تھے اور جو اس
کام میں پیش پیش تھے) کا یہ قول نقل کیا گیا ہے فرماتے ہیں۔

انہ سئل من یمکنہ سوالہ من
اهل الشوریٰ وغیرهم فلا یشیر الا
عثمان بن عفان۔
(البدایہ ص۱۴۶ ج۷)

حضرت عبدالرحمٰن نے اہل شوریٰ اور غیر اہل شوریٰ
سے جن سے بھی اس بارے میں دریافت کرنا
ممکن تھا سب کی رائے معلوم کی ہر ایک نے صرف
حضرت عثمانؓ کا مشورہ دیا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۵

اعیان العباد
یعنی
اللہ والے

عطاء بن ابی رباح

حضرت عطاء بن ابی رباح مکہ مکرمہ کے باشندہ تھے، حرم پاک کے مفتی کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔

علم وفضل میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت میں اپنی نظیر آپ تھے، آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام ہانی، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت حکیم بن حزام، حضرت زید ابن ارقم حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام سے ان کو شاگردی کا شرف حاصل ہے۔

ان کے شاگردوں میں سے مجاہد بن جبیر، ابواسحٰق سبیعی، ابوالزبیر، عمرو بن دینار

امام زہری، حضرت قتادہ، عمرو بن شعیب وغیرہ کے علاوہ سیکڑوں تابعین و تبع تابعین ہیں۔

حضرت عطاء فرماتے تھے کہ میں نے دو سو صحابہ کرام کا زمانہ پایا ہے، ان کے علم و فضل کی گواہی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، عمر بن سعد کی والدہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے تھے سید المسلمین عطاء بن رباح یعنی مسلمانوں کے سردار عطاء بن رباح ہیں، حضرت امام جعفر فرماتے تھے کہ لوگو عطاء کی مجلس اختیار کرو، خدا کی قسم وہ مجھ سے بہتر ہیں، نیز فرماتے تھے کہ جتنا ہو سکے ان سے علم حاصل کر لو، انھیں کا ارشاد ہے کہ روئے زمین پر حج کے مسائل کو جاننے والا ان سے بڑا عالم دوسرا نہیں ہے۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ عطاء نے ستر سے زیادہ حج کئے ہیں، ابو حازم کہتے ہیں کہ اہل مکہ میں فتویٰ کے بارے میں عطاء کا مقام سب سے اونچا ہے، اسماعیل بن امیہ کہتے ہیں کہ عطاء خاموش رہا کرتے تھے لیکن جب گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کی طرف سے یہ مؤید ہیں، حضرت امام اعظم کا ارشاد تھا کہ میں نے عطاء سے افضل اور جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا، عبد اللہ دیباج کہا کرتے تھے کہ میں نے عطاء سے اچھا مفتی نہیں دیکھا، انکی مجلس میں اللہ کا ذکر ہوتا، ان کی زبان ذکر اللہ سے خاموش نہیں رہتی تھی، اور جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اس کا جواب وہ نہیں دیتے تھے۔

زہد و اتقاء میں بھی ان کا درجہ بہت اونچا تھا، ابن جریج کہتے ہیں کہ بیس سال تک مسجد ہی ان کا فرش تھی اور ان کی نماز بہت خوب ہوا کرتی تھی، عمر بن ذر کہتے ہیں کہ میں نے ان کے بدن کے کپڑوں کی قیمت کا اندازہ لگایا تو وہ پانچ درہم سے زیادہ کا نہیں تھا۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں عطاء کے ساتھ اٹھارہ سال رہا، بوڑھے اور ضعیف ہونے کے بعد بھی جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو سورہ بقرہ کی دو سو آیت اس طرح تلاوت کرتے کہ بدن میں ذرا بھی حرکت نہ ہوتی تھی۔

شاہی دربار میں ان کا وقار یہ تھا کہ جب یہ خلیفہ کے دربار میں جاتے تو خلیفہ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتا اور اپنے ساتھ ان کو اپنے تخت پر بٹھلاتا، اور یہ بھرے دربار میں ارکانِ دولت کے سامنے پوری قوت ایمانی کے ساتھ کلمۂ حق کہتے اور خلیفہ اس کو بغور سنتا، اس طرح کا

ایک واقعہ اصمعی بیان کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ عبد الملک بن مروان جب حج کے لئے مکہ آیا تو عطاء اس کے پاس گئے، جب خلیفہ کی نگاہ ان پر پڑی تو ان کی طرف وہ بڑھا اور اس نے خود سلام میں پیش قدمی کی اور ان کو اپنے تخت پر بٹھلایا، اور خود نیچے ان کے سامنے بیٹھ گیا، پھر ان سے پوچھا کہ اے ابو محمد ـ (یہ عطاء کی کنیت ہے) کس ضرورت سے آنا ہوا، تو انھوں نے اس سے کہا کہ اے امیر المومنین اللہ اور اس کے رسول کے حرم میں تقویٰ کے ساتھ رہئے آپ حرمین پاک کی آبادی کی فکر میں رہئے، اور اس کی عمارت کی دیکھ بھال کیجئے، ان جگہوں میں مہاجرین اور انصار کی اولاد بستی ہے ان کا خوب خیال رکھئے اور ان کے حقوق میں کوتاہی برتنے سے ڈریے، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کو جو مقام ملا ہے یہ انھیں اولادوں کے باپ دادا کا صدقہ ہے، اور سرحدوں کی حفاظت میں کوتاہی سے ڈریے اور یہ سرحدیں ہی مسلمانوں کا قلعہ ہیں، آپ مسلمانوں کے احوال کا جائزہ لیتے رہا کریں، اسلئے صرف آپ ہی سے روز قیامت ان کے بارے میں سوال کیا جائیگا اور جو آپ کے دروازہ پر جائیں ان کے بارے میں تقویٰ اختیار کیجئے، ان سے غفلت اختیار نہ کیجئے اور اپنا دروازہ ان کے لئے نہ بند کریں۔

عبد الولید نے عطاء کی ان باتوں کو سن کر کہا کہ میں یہ سب کروں گا، پھر وہ کھڑا ہوا اور اس نے عطاء کا ہاتھ پکڑ کے ان سے کہا کہ آپ کی یہ گفتگو تو دوسروں کے بارے میں تھی، آپ کی اپنی ضرورت کیا ہے؟ تو عطاء نے اس کو جواب دیا کہ مخلوق کے سامنے میں اپنی ضرورت نہیں رکھتا۔ یہ کہہ کر اس کے دربار سے نکل گئے، ان کے دربار سے نکلنے کے بعد دربار میں موجود لوگوں سے کہا کہ خدا کی قسم یہی شرف ہے اور یہی سرداری ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی کو علم و فضل اور تقویٰ و طہارت اور عمل و کردار کی صفت سے متصف کرتا ہے تو آپ نے دیکھا کہ اس کے سامنے بادشاہ بھی بے حیثیت ہو جاتے ہیں، اور خود بادشاہ ایسے آدمی کو تخت پر بٹھا کر کے اس کے سامنے با ادب ہو کر بیٹھتا ہے اور اگر اس انسان میں ظاہری ہزار عیوب بھی ہوں تو ان عیوب کی طرف کسی کی نگاہ نہیں پڑتی ہے، آپ کو سن کر تعجب ہو گا کہ عطاء بن رباح ظاہری طور پر سراپا عیب تھے، ان میں کون کون سے عیوب تھے تو لکھا ہے کہ

کان عطاء اعور، اشل، افطس، اعرج، اسود یعنی حضرت عطاء کانے تھے، ہاتھ مفلوج تھا، ناک چپٹی تھی، لنگڑے تھے، اور سیاہ رنگ کے تھے۔ یہ تو ابوداؤد کا بیان ہے۔ اور عثمان بن عطاء کہتے ہیں۔ کان عطاء اسود شدید السواد، لیس فی راسہ شعر الا شعرات۔ یعنی حضرت عطاء بہت کالے تھے، ان کے سر میں صرف چند ہی بال تھے۔

اور امام ذہبی کہتے ہیں کہ ان کی عربی بھی بہت کمزور تھی، نوے سال کی عمر ہو گئی تھی اس وقت ان کی خواہش تھی کہ کاش میں اچھی طرح عربی بولتا۔

اور ان سب کے باوجود عطاء کا تعلق موالی یعنی غلاموں سے تھا، لیکن علم وفضل نے ان کو اتنا اونچا کر دیا تھا کہ ان کی زبان سے جو بھی نکلتا پورے حجاز میں اسے تسلیم کر لیا جاتا، حج کے زمانہ میں خلیفہ وقت کی طرف سے اعلان کیا جاتا کہ لا یفتی الناس الا عطاء بن رباح، یعنی لوگوں کو صرف عطاء بن رباح فتویٰ دیں گے۔

عطاء کی عمر نوے سال سے زیادہ ہوئی، قتادہ کہتے ہیں کہ ان کی عمر اٹھاسی سال تھی، اور ان کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی، بعض حضرات نے ان کی وفات کا سال ۱۱۵ھ اور ۱۱۷ھ بھی بتلایا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۸۴ ج ۵)

میمون بن مہران

میمون بن مہران نام تھا، ابوایوب کنیت تھی، ایک عورت کے غلام تھے، جس نے ان کو آزاد کر دیا تھا، ان کی نشو و نما کوفہ میں ہوئی اور بعد میں رقہ میں سکونت پذیر ہوئے، رقہ جزیرہ کا علاقہ تھا اس وجہ سے ان کو جزری کہا جاتا ہے۔

علم وعمل نے ان کو بڑی شان والا بنایا تھا، امام ذہبی ان کو الامام، الحجۃ، اور عالم الجزیرۃ ومفتی جزیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ان کا شمار تابعین کے اس طبقہ سے ہوتا ہے جنھوں نے متعدد صحابہ کرام سے حدیثیں

سنی تھیں، ان کی روایت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ان کے شاگردوں میں ان کے صاحبزادہ کے سوا حضرت اعمش، حمید الطویل، حجاج بن ارطاۃ، جابر بن برکان، امام اوزاعی، معقل بن عبید اللہ کے سوا ایک بڑی جماعت ہے۔

ان کی پیدائش کا سال وہ ہے جس سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موت ہوئی تھی یعنی سن چالیس ہجری۔

میمون بن مہران کی شخصیت علم و عمل کی جامع تھی، فضل و کمال میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے، عبادت گذاری میں اپنے وقت کے بے نظیر آدمی تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کو عہدہ قضا پر متعین کیا تھا، انھوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو لکھا ہے کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں، مجھے اس ذمہ داری سے معاف فرمایا جائے تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کو لکھا، میں نے تم کو دشواری میں ڈالنے کے لئے اس عہدہ پر نہیں رکھا ہے، بس اتنا کرو کہ جائز طریقہ پر جو خراج کا مال ہو اس کو لے کر میرے پاس بھیجدو اور جو بات واضح طور پر سمجھ میں آئے اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور اگر کوئی مشکل معاملہ ہو تو میرے پاس بھیجدو، پھر لکھا فان الناس لو کان اذا کبر علیھم امر ترکوہ لم یقم دین ولا دنیا یعنی لوگ اگر کاموں کے بوجھ سے ڈر کر اس کو چھوڑ دیں گے تو نہ دین قائم رہیگا اور نہ دنیا۔

اللہ نے حضرت میمون کو عبادت کا کیسا ذوق دیا تھا، ابراہیم محمد فرماتے ہیں کہ میمون نے سترہ روز میں سترہ ہزار رکعتیں نماز ادا کی تھیں، اٹھارہویں روز ان کے پیٹ کا کوئی حصہ کٹ گیا اسی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

میمون بن مہران کے ملفوظات میں سے چند یہ ہیں

فرماتے تھے کہ تین چیزیں وہ ہیں کہ اس میں نیک و بد میں فرق نہیں کیا جائے گا، امانت دونوں کی لوٹائی جائے گی، دونوں سے کیا عہد پورا کیا جائے گا، دونوں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ ہوگا۔

فرماتے تھے کہ آدمی کو اپنی فکر میں رہنا چاہئے، جب تک لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے خیریت سے رہیں گے۔

نیز فرماتے تھے کہ جو پوشیدہ برا کام کرے، پوشیدہ توبہ کرے اور جو علانیہ برا کام کرے اس کو علانیہ توبہ کرنا چاہئے۔

فرماتے تھے سلطان کے پاس حاجت لیجانے سے بہتر ہے کہ دو رکعت نماز پڑھے اور اپنی حاجت اپنے مالک کے سامنے رکھے۔

نیز ان کا قول تھا کہ جب تک آدمی اپنا سخت محاسبہ نہ کرے اور یہ نہ جانے کہ اس کا لباس اور اس کا کھانا کہاں سے ہے، متقی نہیں ہو سکتا۔

فرماتے تھے کہ مجھے بیت المال کا امین بنایا جائے تو میں اس کا امین بن سکتا ہوں مگر ایک کالی بدشکل باندی کے پاس رہنے سے مجھے اپنی امانت داری کے بارے میں شک ہے کہ میں اپنے نفس اور خواہش کو دبا سکوں گا یا نہیں۔

امام بخاری کے علاوہ تمام ارباب صحاح نے میمون بن مہران کی روایتیں لی ہیں، یہ ثقہ محدث تھے، اور علم حدیث کے بڑے عالم تھے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں وقد خرج ارباب الکتب لمیمون بن مھران سوی البخاری فما ادری لم ترکہ یعنی تمام محدثین نے ان کی حدیثوں کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے سوائے امام بخاری کے، مجھے نہیں معلوم کہ انھوں نے ان کی حدیث کیوں چھوڑی۔

میمون بن مہران کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۷۸)

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری

قسط ۱۱

بریلوی مذہب پر ایک نظر

ایصالِ ثواب کا کھانا کس کیلئے

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا۔

زندگی میں اپنے لئے ایصالِ ثواب کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب دیا گیا ہاں کر سکتا ہے۔ محتاجوں کو چھپا کر دے، یہ جو عام رواج ہے کہ کھانا پکایا جاتا ہے اور تمام اغنیاء و برادری کو دعوت ہوتی ہے ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ ایضاً ص ۵۲ ج ۳

فائدہ:۔ بریلوی حضرات اعلیٰحضرت کے اس ارشاد پر عمل کریں اور ایصالِ ثواب کا کھانا صرف فقراء کو دیں اور وہ بھی چھپا کر

قرآن کی تحریف اور اعلیٰحضرت کی تصدیق

اعلیٰحضرت سے سوال ہوا۔ ووجدک عائلا فاغنیٰ اس کے یہ معنی کر سکتے ہیں کہ آپ کو کثیر امت والا پایا کہ شفاعت کا وعدہ فرما کر آپ کو بے پرواہ کر دیا؟

اعلیٰحضرت نے فرمایا کہہ سکتے ہیں تاویل کے درجہ میں ہوگی۔ ایضاً ص ۵۴ ج ۳

فائدہ:۔ بریلوی مذہب کے یہ وہ ذمہ دار حضرات ہیں جو قرآن کو اپنی ہوس کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ اپنی رائے سے قرآن کی آیت کا جو چاہے مطلب بلا تکلف بیان کرتے ہیں۔ ذرا کوئی قرآن اٹھا کر دیکھ لے اس آیت کا کیا ترجمہ ہے۔ اور یہاں اس کا کیا

ترجمہ کیا جا رہا ہے۔

رسول کو عبد کے درجہ سے بڑھانا جائز نہیں

اعلیٰحضرت نے نکتہ بیان فرمایا۔

تمہارا دین یہ ہے۔ اشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ عبدہ پہلے ہے رسول بعد کو کہ عبد کو عبد کے درجہ سے نہ بڑھا دینا۔ احادیث میں کس قدر تاکید کے ساتھ سجدہ کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ کہیں فرمایا۔ سجدہ لغیر اللہ حرام ہے۔ کہیں فرمایا۔ سجدہ اللہ کے لئے خاص ہے، کہیں فرمایا سجدہ غیر اللہ کو نہ کرو۔ اتنی احتیاطوں کے ساتھ سجدہ حرام کیا گیا ہے۔

(ایضًا ص ۲۷، ج ۴)

فائدہ :۔ بریلوی مذہب میں تو رسول بھی صفات الٰہیہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے، وہ مختار کل ہوتا ہے، وہ متصرف فی الکائنات ہوتا ہے، وہ عالم الغیب ہوتا ہے، وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتا ہے، وہ دور اور قریب سب کا سننے والا ہوتا ہے، اس کی نگاہ میں کائنات کا ذرہ ذرہ ہوتا ہے، بندے کے قلوب اس کی مٹھی میں ہوتے ہیں، وہ مالک نفع و ضرر ہوتا ہے، وہ اللہ کی تمام صفات کمال کا جامع ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ ساری باتیں وہی نہیں کہ رسول کو مرتبہ عبدیت سے اٹھا کر مرتبہ الوہیت تک کر دیا گیا ہے؟

گانا بجانا سننے والے کی امامت مکروہ ہے

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا۔

زید عالم بالسنہ ہے، عالم باعمل سماع بالمزامیر سنتا ہے، اس کی امامت جائز ہے۔ اس کی امامت میں کراہت تو نہیں؟ ارشاد ہوا۔

مزامیر حرام ہیں، ان کا سننا عالم باعمل کا کام نہیں، اگر اعلانیہ اس کا مرتکب ہوا اس کو امام نہ کریں اور کراہت سے تو کسی حال میں خالی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۶۸، ج ۳)

فائدہ :- اعلیٰحضرت کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ جس قوالی میں باجا سارنگی اور اس قسم کی گانے بجانے کی چیزیں ہوں تو قوالی ناجائز اور حرام ہے، اور اس قوالی کا سننے والا فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ ہے۔

شبینہ مکروہ ہے

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں :

شبینہ ایک یا چند حافظ مل کر کرتے ہیں مکروہ ہے۔ اکابر نے ایک رات میں پورا ختم فرمایا مگر وہ خاص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں۔ (ایضاً ص ۵۰۲ ج ۳)

فائدہ :- بریلوی حضرات اس شبینہ کو کار ثواب سمجھتے ہیں، مگر اعلیٰحضرت نے فیصلہ کر دیا کہ یہ عمل مکروہ ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی کام کتنا بھی اچھا بظاہر کیوں نہ اگر شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے تو وہ مکروہ اور ناجائز ہی ہوگا، البتہ اعلیٰحضرت سے یہ ضرور پوچھنا ہے کہ آپ کے یہاں تو وہی کام مکروہ و ممنوع ہوتا ہے، جس کی ممانعت کی صراحت قرآن و حدیث میں ہو، آپ بتلائیے کہ شبینہ کو قرآن و حدیث میں کہاں منع کیا گیا ہے اصل اشیاء میں اباحت ہے اپنا یہ کلیہ بھول گئے۔

اعلیٰحضرت کا دین ومذہب

اعلیٰحضرت نے مرتے وقت وصیت کی تھی۔

رضا حسین، حسنین اور تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا، ہر فرض سے اہم فرض ہے۔

فائدہ :- معلوم ہوا کہ اعلیٰحضرت کا دین و مذہب عام مسلمانوں کے مذہب سے الگ کوئی مذہب ہے، جس کی بنیاد اعلیٰحضرت کی کتابوں پر ہے۔

اعلیٰحضرت کی فاتحہ کے سلسلہ کی وصیت

اعلیٰحضرت نے دم واپسین اپنے اعزا، کو وصیت کی

" اعزاسے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں - دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فرینی، اردکی پھریری دال مع ادرک و لوازم گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے تو یوں کر دیا جیسے مناسب جانو " (وصایا ص۱۱)

فائدہ :- معلوم نہیں اعلیٰحضرت کی اس وصیت کا اعزار کی جانب سے استقبال ہوا یا نہیں ؟ اور کبھی ان چیزوں کی فاتحہ بھیج کر اعلیٰحضرت کے کام و دہن کو ان اعزا رنے لذت آشنا کیا یا نہیں، بہرحال بریلوی حضرات پر بھی اعلیٰحضرت کی اس فاتحہ کا قرض ہے، اسے حسب وصیت اعلیٰحضرت چکانے کی فکر کرنی چاہیئے ۔

قرن الشیطٰن کا مطلب دیوبندی گروہ

مفتی یار محمد خاں لکھتے ہیں ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہاں سے قرن الشیطن یعنی شیطانی گروہ نکلے گا۔ اردو میں قرن الشیطٰن کا ترجمہ ہے ۔ دیوبندی گروہ۔ اردو میں دیو کہتے ہیں شیطان کو بند کہتے ہیں گروہ یا تابعدار ۔ "جاء الحق "

فائدہ :- حدیث میں ہے کہ آپ نے نجد کے بارے میں فرمایا تھا کہ ھنالک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطٰن جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سر ظاہر ہوگا ۔

اس کا ترجمہ مفتی صاحب نے دیوبندی گروہ کیا ہے، جس طرح قرآن کا ترجمہ غلط حرام ہے اسی طرح حدیث رسولؐ کا بھی غلط ترجمہ حرام ہے ۔ مفتی صاحب معلوم نہیں کیسے مفتی ہیں کہ

بلا تکلف اس امر حرام کا ارتکاب کیا اور آنحضورؐ کی طرف وہ بات منسوب کی جو آپ نے فرمائی نہ تھی۔ اس طرح انھوں نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا۔ صحیح حدیث ہے مَن تقوّلَ علیَّ فلیتبوّأ مقعدہ من النّار یعنی جس نے میری طرف کوئی بات منسوب کی جس کو میں نے کہا نہیں اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، مفتی صاحب اپنا انجام سوچ لیں۔

قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے

مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ "قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے بلکہ اس کے لئے نقل کی ضرورت ہے۔ (ایضاً ص ۱۱)

فائدہ :- بریلوی حضرات نے قرآن کو اپنی ہوس کی جولانگاہ بنایا ہے اور بلا تکلف قرآن کا مطلب اپنی طرف سے گڑھتے ہیں۔ حدیث کے سلسلہ میں تو ابھی ایک نمونہ آپ کے سامنے خود مفتی صاحب کے قلم کا گذرا ہے اور اس کتاب میں اس کا نمونہ جگہ جگہ آپ نے دیکھا ہو گا۔

تحریف کا مطلب

مفتی صاحب لکھتے ہیں :

"تحریف یہ ہے کہ قرآن کے ایسے معنی یا مطلب بیان کرے جو کہ اجماع امت یا عقیدۂ اسلامیہ یا اجماع مفسرین کے خلاف ہو۔ (ایضاً ص ۱۵)

فائدہ :- کاش یہ بات مفتی صاحب اور دیگر علمائے بریلی کو بھی سمجھ میں آجاتی تو بشر کا مطلب یا "قل لا املك لنفسی نفعاً ولا ضراً" کا مطلب یا "ووجدك عائلاً فاغنیٰ" کا مطلب یا غیب کے سلسلہ کی جو آیات ہیں ان کا مطلب بریلوی حضرات وہ نہ کرتے جو کرتے چلے جارہے ہیں۔

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

شیخ کلو حفظ اللہ نے شیخ جمن حفظ اللہ کے گھر ناشتہ کیلئے بھوسا بھیجا

بیٹا ۔ ابا جی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ ابا جی ابھی تھوڑی دیر پہلے شیخ کلو ایک بورا بھوسا شیخ جمن حفظ اللہ کے گھر چھوڑ گئے ہیں اور ان کی بیوی سے کہا ہے کہ شیخ جمن سے کہہ دینا کہ کل سے ناشتہ اسی کا کیا کریں، یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور شیخ جمن حفظ اللہ کی بیوی بڑبڑا رہی ہے کہ شیخ کلو نے ہم لوگوں کو جانور سمجھ لیا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا شیخ کلو تو شیخ جمن کا بڑا احترام کرتے ہیں انھوں نے ان کے ساتھ ایسا بھونڈا مذاق کیسے کیا ؟

بیٹا ۔ ابا جی شیخ جمن نے پرسوں کی رات جامع مسجد میں ایک تقریر کی تھی ۔

باپ ۔ جی بیٹا میں نے بھی سنا ہے کہ شیخ جمن حفظ اللہ کی وہ تقریر رکعات تراویح کے موضوع پر تھی اور بڑی زبردست تھی، لوگوں نے ان کے نام کے خوب خوب نعرے لگائے ۔

بیٹا ۔ ابا جی اصل میں ان کی اسی تقریر نے شیخ کلو کو ان کے گھر بھوسا لیجانے پر آمادہ کیا ہے

شیخ کلو کا کہنا یہ ہے کہ شیخ جمن حفظہ اللہ حیوان ناطق ہیں اور حیوان کی غذا بھوسا ہوتی ہے اس لئے شیخ جمن حفظہ اللہ کو اب ناشتہ میں بھوسا کھانا چاہیئے۔

باپ - بیٹا یہ تو صحیح ہے کہ حیوان کی غذا بھوسا ہوتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ شیخ جمن ہی نہیں بلکہ ہر انسان حیوان ناطق ہوتا ہے مگر اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حیوانِ ناطق کی غذا بھوسا ہوتی ہے، دعویٰ تو شیخ جمن کے حیوان ناطق ہونے کا ہے یعنی دعویٰ تو خاص ہے اور جو دلیل دی جا رہی ہے وہ عام ہے، دعویٰ خاص پر دلیل عام سے استدلال کرنا اور اس پر کوئی حکم مرتب کرنا انتہائی درجہ کی حماقت ہے۔

بیٹا - اباجی یہی حماقت تو تراویح کے باب میں شیخ جمن نے کی ہے اور ہمارے تمام بڑے اور چھوٹے علماء کرتے ہیں کہ دعویٰ خاص پر دلیل عام سے استدلال کرتے ہیں، شیخ کلو کا اعتراض تو یہی ہے۔

باپ - بیٹا میں نے سمجھا نہیں، تم کہنا کیا چاہتے ہو، ذرا صاف صاف بات کرو۔

بیٹا - اباجی شیخ جمن نے آٹھ رکعت تراویح ثابت کرنے کے لئے بخاری شریف کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پیش کی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ رات کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اور ہمارے علماء لکھتے ہیں کہ تراویح اس نماز کو کہتے ہیں جو رمضان کے مہینہ میں باجماعت عشاء کے بعد ادا کی جائے، تو دعویٰ تو ہمارا خاص ہے کہ تراویح اس نماز کو کہتے ہیں جو ماہ رمضان میں باجماعت عشاء کے بعد ادا کی جائے اور دلیل میں ہم حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تنہا رمضان اور غیر رمضان میں یعنی پورے سال پڑھا کرتے تھے، یعنی ہم اپنے دعویٰ خاص پر دلیل عام سے استدلال کرتے ہیں۔ یہاں بھی تو ہم وہی حماقت کر رہے ہیں جو شیخ کلو نے شیخ جمن کو حیوان ناطق مان کر بھوسا کھلانے کی کی ہے، جس طرح شیخ کلو خاص حیوان یعنی حیوان ناطق کے لئے بھوسا کھانے کا ثبوت پیش کرنا چاہیے

چاہیئے اسی طرح ہمارے علماء کو بھی کوئی ایسی صحیح حدیث پیش کرنی چاہیئے تھی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کی باجماعت نماز ادا کی ہو جس کو تراویح کہتے ہیں اور آپ نے یہ نماز آٹھ رکعت پڑھی تھی۔

مگر شیخ جمن نے بھی اپنی تقریر میں اور ہمارے تمام علماء جب اس موضوع پر زبان کھولتے ہیں تو یہی حماقت کرتے ہیں کہ دعویٰ خاص پر دلیل عام سے استدلال کرتے ہیں۔

باپ۔ بیٹا، بات تو تمہاری معقول ہے، ہمارا دعویٰ خاص ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلیل عام ہے، نہ اس میں جماعت کا ذکر ہے نہ خاص رمضان کا ذکر ہے۔

بیٹا۔ ابا جی ہمارے محدثین کرام اور علمائے عظام کو یہ معقول بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

حافظ عبداللہ محدث غازیپوری نے یہ کیا کیا؟

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ ابا جی حافظ عبداللہ محدث غازی پوری کون بزرگ ہیں؟

باپ۔ تعجب ہے بیٹا، تم جماعت اہل حدیث کے اتنے بڑے عالم کو نہیں جانتے؟ یہ ہماری جماعت کے مشہور محدث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کے استاذ خاص اور شیخ الکل فی الکل حضرت جی میاں صاحب دہلوی کے شاگرد رشید تھے، پوری زندگی علم حدیث کی خدمت میں گذری، سلفیت کو ان سے بڑا فروغ ہوا۔

بیٹا۔ ابا جی، میں حافظ صاحب کو خوب جانتا ہوں، مگر شیخ کلو حفظہ اللہ ان سے کچھ ناراض

ناراض سے دکھائی پڑتے ہیں، کل ایک مجلس میں حافظ صاحب کا ذکر ہورہا تھا تو ان کے چہرہ پر ناگواری کے اثرات دکھائی پڑ رہے تھے۔

باپ۔ بیٹا۔ اس کی ایک وجہ ہے، اس کو تم معمولی بھی کہہ سکتے ہو اور وہ وجہ بڑی بھی ہوسکتی ہے، اصل میں شیخ کلو حفظہ اللہ نے ان کا رسالہ رکعات تراویح پڑھا تھا، اور اس کے سارے مضامین کو انھوں نے مستحضر کرلیا تھا اور وہ چاہ رہے تھے کہ کسی حنفی آدمی سے ان کی تراویح کی تعداد کے بارے میں گفتگو ہو تو وہ حافظ صاحب کے رسالہ کے مضامین کی روشنی میں اس کو ناکوں چنا چبوائیں۔

بیٹا۔ اباجی پھر کیا ہوا، کسی حنفی عالم سے گفتگو ہوئی،

باپ۔ جی بیٹا ہوئی، اور اس گفتگو نے تو ان کو حافظ صاحب سے برہم کردیا۔

بیٹا۔ اباجی ہوا کیا؟ پورا قصہ سنائیے۔

باپ۔ بیٹا۔ اتفاق سے جس حنفی عالم سے انکی گفتگو ہوئی وہ دیوبند کا پڑھا ہوا تھا، تھا تو نوجوان ہی مگر تھا بڑا تیز، جب شیخ جمن نے اس سے گفتگو شروع کی تو وہ خاموش کھڑا مسکرا رہا تھا، جب شیخ جمن کی گفتگو کا تسلسل ٹوٹا تو اس نے کہا کہ جس رسالہ کے مضامین کی روشنی میں آپ گفتگو کر رہے ہیں، پہلے وہ رسالہ سامنے رکھئے اور ساتھ میں بخاری شریف بھی لیتے آئیے گا۔

شیخ جمن گھر گئے اور حافظ محدث غازی پوری کا رسالہ رکعات التراویح اور بخاری شریف لے کر آئے۔

بیٹا۔ پھر کیا ہوا، اباجی۔

باپ۔ اس دیوبندی نوجوان نے کہا کہ حافظ صاحب نے اس رسالہ میں جو آٹھ رکعت کے ثبوت کی سب سے قوی دلیل دی ہے، اس کو دکھلائیے وہ کیا ہے؟

شیخ جمن نے جھٹ سے رسالہ کا صفحہ سات کھولا اور اس کے سامنے یہ حدیث پڑھی عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن أنہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا

كيف كانت صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى رمضان فقالت ما كان يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدىٰ عشرة ركعة۔ یعنی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انھوں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں۔

بیٹا۔ جب شیخ کلو نے بخاری شریف کی یہ حدیث سنائی ہوگی تو اس دیوبندی کا چہرہ فق پڑ گیا ہوگا؟

باپ۔ نہیں بیٹا، وہ کھڑا مسکرا رہا تھا، جب شیخ کلو حدیث پڑھ چکے تو اس نے کہا کہ شیخ جی پوری حدیث پڑھیے، تو شیخ کلو نے کہا کہ میں نے پوری حدیث پڑھی ہے، کیا ہمارے حافظ محدث غازی پوری ناقص حدیث ذکر کریں گے، حدیث میں چوری کرنا حنفیوں کا کام ہے، اہلحدیث کا نہیں۔

بیٹا۔ ابا جی پھر کیا ہوا، وہ حنفی اب بھی کھڑا مسکرا ہی رہا تھا کہ بھاگ کھڑا ہوا۔

باپ۔ نہیں بیٹا، وہ اب بھی کھڑا مسکرا ہی رہا تھا، اور اس نے بڑے تحمل سے شیخ کلو کو مخاطب کیا کہ شیخ جی آپ خفا نہ ہوں آپ کے حافظ صاحب نے یہ حدیث ناقص ذکر کی ہے اور اگر آپ کے خیال میں ناقص حدیث ذکر کرنا چوری ہے تو حافظ صاحب غازی پوری نے یہ چوری کی ہے، بخاری شریف آپ کے پاس ہے، میں نے اس کو اسلئے منگوایا تھا بخاری شریف میں دیکھئے کہ یہ حدیث پوری ہے یا ناقص۔

بیٹا۔ ابا جی پھر کیا ہوا، کیا بخاری شریف سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب نے حدیث کو ناقص نقل کیا ہے۔

باپ۔ جی بیٹا، بخاری شریف کو جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ حافظ صاحب نے اپنے رسالہ میں حدیث کو ناقص نقل کیا ہے، حدیث کا آخری حصہ جس میں یہ ہے کہ حضورؐ کس طرح نماز

ادا کرتے تھے حافظ صاحب نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

بیٹا۔ ابا جی اس آخری حصہ کے الفاظ کیا ہیں

باپ۔ بیٹا اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں، حضور صلے اللہ علیہ وسلم رات کی نماز چار چار رکعتیں بڑی طویل بڑے خوب انداز میں پڑھتے تھے، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

بیٹا۔ ابا جی جب بخاری شریف میں پوری حدیث موجود تھی تو حافظ صاحب نے اس حدیث کو ناقص کیوں ذکر کیا اور اس کا آخری حصہ کیوں چھوڑ دیا؟

باپ۔ بیٹا یہی تو شیخ کلو حفظہ اللہ سے وہ دیوبندی سوال کر رہا تھا، اور شیخ کلو سے اس کا کوئی جواب نہیں بن رہا تھا اور شرم سے ان کا سر جھکا ہوا تھا اور غصہ سے ان کا چہرہ لال ہو رہا تھا۔

پھر اس دیوبندی نے کہا کہ حضرت حافظ عبداللہ محدث غازی پوری صاحب نے اس وجہ سے حدیث کے آخر کا حصہ چھپا لیا تھا کہ خود اہلحدیث کا اس حدیث کے مطابق عمل نہیں ہے، کسی بھی اہل حدیث مسجد میں اس طرح نماز تراویح یعنی چار چار رکعت ایک سلام سے ادا نہیں کی جاتی ہے، اور عام طور پر وتر بھی اگر تین رکعت پڑھتے ہیں تو دو رکعت پر سلام پھیر کر کے ایک رکعت الگ سے پڑھتے ہیں۔

بیٹا۔ تو گویا یہی وجہ ہے کہ جب شیخ کلو کے سامنے حافظ صاحب محدث غازی پوری کا نام لیا جاتا ہے تو ان کا چہرہ بگڑ جاتا ہے

باپ۔ جی بیٹا، اس دیوبندی کے سامنے ان کی بڑی سبکی ہوئی تھی، وہ دیوبندی ان سے بار بار پوچھ رہا تھا کہ جس حدیث پر اہلحدیث علماء کا خود عمل نہیں اس کو دوسروں کیلئے بطور حجت وہ کیوں پیش کرتے ہیں؟

بیٹا۔ ابا جی ہمارے بڑے بڑے علماء بھی ہم کو شرمسار کر دیتے ہیں ایسا کیوں؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

حافظ محدث غازی پوری کا علامہ عینی کی عبارت کا قابل توجہ ترجمہ

بیٹا ، ابا جی

باپ ، جی بیٹا

بیٹا - ابا جی ذرا اس عبارت کا ترجمہ کر دیں - فالجواب ان الزیادۃ فی العشر الاخیر یحمل علی التطویل دون الزیادۃ فی العدد -

باپ - بیٹا یہ عبارت عمدۃ القاری کی ہے ، اس کا ترجمہ تو بالکل سہل ہے - ترجمہ یہ ہے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو عشر آخیر میں نمازیں زیادہ پڑھتے تھے تو اس کو طویل نماز پڑھنے پر محمول کیا جائے گا نہ کہ رکعتوں کی تعداد میں زیادہ کرنے پر -

بیٹا - ابا جی اگر کوئی اس عبارت کا یہ ترجمہ کرے تو
آپ عشر رمضان میں صرف رکعتوں کو طول دیتے تھے یعنی لمبی لمبی رکعتیں پڑھتے تھے رکعتوں کی تعداد نہیں بڑھاتے تھے -

باپ - بیٹا یہ ترجمہ غلط ہے ، صرف رکعتوں کو طول دیتے تھے ، رکعتوں کی تعداد نہیں بڑھاتے تھے ، اس میں اولاً تو صرف کا لفظ جو حصر کے لئے آتا ہے ، مترجم کا اپنا اضافہ ہے دوسرے یہ ترجمہ جزم اور یقین کو بتلا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے ، جبکہ علامہ عینی کی عبارت میں صیغہ مجہول ہے اور وہ اپنا خیال ظاہر فرما رہے ہیں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کرتے ہیں -

بیٹا - ابا جی مگر یہ ترجمہ تو حافظ محدث غازی پوری نے کیا ہے ؟

باپ - بیٹا حافظ صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے ؟ انا للہ وانا الیہ راجعون -

بیٹا - ابا جی کہیں حافظ صاحب نے اپنا ذاتی رجحان کو تو اس ترجمہ میں داخل تو نہیں کر دیا ہے ؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا -

محمد اجمل مفتاحی

(ادارہ)

اہل علم کیلئے دو عظیم تحفے

برصغیر کا جامعہ ازہر دارالعلوم دیوبند کو اللہ نے دین اور علوم دین کا سب سے بڑا مرکز بنایا ہے، یہاں سے ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں فضلاء نکلتے ہیں، اور دین کے ہر شعبہ میں نمایاں خدمات انجام دیتے ہیں، دین کا کون سا شعبہ ہے جس میں ان فضلاء دارالعلوم دیوبند کے انمٹ نقوش نہ ہوں، یہ صرف برصغیر ہی کی بات نہیں ہے بلکہ دنیا کے جس کونہ اور جس گوشہ میں آپ جائیں گے اور وہاں اگر مسلمانوں کی چھوٹی سی بھی بستی ہوگی تو دیوبند کا فیضان آپ کو وہاں نظر آئے گا، اللہ نے بزرگوں کے اخلاص کے طفیل اس ادارہ کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں جتنی ڈالی ہے اور دین کا جتنا اس درسگاہ سے کام لیا ہے اور اس کے فضلاء نے علم اور دین و دعوت کے مختلف شعبوں میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اس کی مثال پوری دنیائے اسلام میں کہیں نظر نہیں آتی، یہاں کے فضلاء اور اس درسگاہ سے نسبت والوں کا اگر آپ کام دیکھیں گے تو آپ کو ان میں سے بعض ایسے اشخاص بھی نظر آئیں گے جنھوں نے تنہا ایک پوری اکیڈمی اور ادارہ کا کام کیا ہے۔

ادھر گزشتہ کچھ مدت سے تصنیف و تالیف کے میدان میں کوئی نمایاں کام نظر نہیں آرہا تھا جس کا دارالعلوم سے ہر تعلق رکھنے والوں کو بڑا قلق تھا۔ خدا جزائے خیر دے حضرت فدائے ملت مولانا اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ کو انھوں نے اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور دارالعلوم میں مجلس شوریٰ سے کہہ کر متعدد شعبے کھلوائے، ان شعبوں کا کھلنا تھا

کہ تصنیف و تالیف کا میدان پھر اپنی سابقہ روایات پر نظر آنے لگا۔

بعض اساتذہ کرام کے ذاتی شوق نے اور بھی اس میدان کو سرگرم کر دیا۔ ان میں نمایاں نام حضرت مولانا ریاست علی بجنوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری زید مجدہ کا ہے۔

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری کی ایضاح البخاری بخاری کی اردو شرح میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکی ہے، اس کی چار جلدیں طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہونچ چکی ہیں، اور پانچویں جلد اب آنے ہی والی ہے، ان جلدوں کا مطالعہ کرنے سے حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم کے علمی ذوق حدیث میں تحقیق و تدقیق اور تلاش و جستجو، محنت اور لگن اور دماغ سوزی کا اندازہ ہوتا ہے، اگر حضرت مولانا کا اشہب قلم ذرا اور تیزی دکھلائے اور مکمل بخاری کی شرح ان کے قلم سے وجود میں آجائے تو اہل علم کیلئے بہترین علمی تحفہ ہوگا اور یہ شرح اپنے موضوع پر بے نظیر ہوگی، اب تک جہاں تک ہمارا علم ہے بخاری کی اردو شرح مکمل کسی دیوبندی فاضل کے قلم سے وجود میں نہیں آئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید پالنپوری دامت برکاتہم کی یوں تو متعدد چھوٹی بڑی علمی کتابیں ہیں، اور کسی کتاب کے سلسلہ میں ان کا نام ہی آجانا اس کتاب کے باوقار اور معیاری اور باوزن ہونے کی دلیل ہے، مگر خاص طور پر انکی بے نظیر تالیف حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعۃ نے تو اہل علم کی دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے، کسی علمی اردو کتاب کو ایسی پذیرائی ادھر بہت عرصہ کے بعد دیکھنے کو ملی ہے، مولانا پالنپوری کے قلم جادو رقم کا کمال یہ ہے کہ ایسی ادق اور خالص علمی کتاب کو ان کے قلم نے ایسی آسان بنا دیا ہے کہ کم استعداد کے لوگ بھی اس سے استفادہ کر رہے ہیں، اور اب معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا بعض دوسری تصانیف کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اردو میں قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھ رہے ہیں، مولانا پالنپوری کا علم بہت گہرا اور ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے اسلئے امید ہے کہ ان کی یہ اردو تفسیر بھی اہل علم کے حلقہ میں ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ (۱)

---

(۱) مزید خوشخبری یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی تقریر ترمذی تحفۃ الالمعی کے نام سے منصۂ شہود پر آ رہی ہے، اسکی پانچ جلدیں آچکی ہیں یہ تقریر غالباً سات جلدوں میں پوری ہوگی۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ ان بزرگوں کے علمی ذوق اور ان کے میدان تصنیف کے کارہائے نمایاں نے دارالعلوم دیوبند کے بعض نوجوان فضلاء کو بھی علمی وتحقیقی ذوق عطا کر دیا ہے، ان میں ایک نمایاں تر نام دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے نوجوان استاذ حضرت مولانا عبداللہ صاحب پورہ معروفی کا ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب بالکل نوجوان ہیں، مگر اللہ نے ان کو بلند علمی ذوق سے نوازا ہے اور بطور خاص علم حدیث کا ان کا گہرا اور وسیع مطالعہ ہے، تحریری صلاحیت بھی قابل رشک ہے، اردو کے ساتھ عربی زبان پر بھی قدرت ہے، حضرت مولانا عبداللہ صاحب کی ادھر دو بلند پایہ علمی کتاب منظر عام پر آئی ہے، ایک عربی میں اور ایک اردو میں، عربی کتاب کا نام

(۲) العرف الذکی شرح جامع الترمذی ہے۔

یہ کتاب اصلاً حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقاریر وافادات کا مجموعہ ہے مگر فاضل مرتب کی خود اپنی محنت وجستجو اور تحقیق نے اس کو ترمذی کی باقاعدہ شرح بنا دیا ہے اگر اس کی بقیہ جلدیں بھی آجائیں تو مکمل ترمذی کی اسے شرح کہا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا نے علامہ کشمیری کے ان افادات کو جو مختلف شاگردوں نے دوران درس اپنے اپنے انداز میں اردو وعربی میں ضبط کیا تھا۔ ان کو ایک مستقل تصنیف کی شکل دی ہے، اور احادیث کی تحقیق وتخریج نے جو صرف مؤلف ہی کی قلم سے ہے، ان افادات کی قدر وقیمت کو بہت بڑھا دیا ہے بہرحال بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے حضرت کشمیری کے علوم وفنون اور ان کی نادر علمی تحقیقات کا یہ کتاب گراں قدر مجموعہ ہے، اور اہل علم اور خصوصاً حدیث وفقہ سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ ہے، اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی محنت کا بہترین بدلہ دے اور انکو توفیق دے کہ وہ بقیہ جلدیں بھی جلد سے جلد اہل ذوق کی خدمت میں پیش کر سکیں۔

مصنف کی دوسری کتاب

(۲) حدیث اور فہم حدیث ہے۔ یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر بے حد وقیع ہے مصنف سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں احادیث کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا ہے، خصوصاً اصول

نقد حدیث کی جو بحث اس کتاب میں آگئی ہے اتنی جامعیت کے ساتھ اور اتنے دل نشین انداز میں کہیں دوسری جگہ نہیں ملتی۔ اس کتاب میں جو موضوعات ہیں وہ بقول مصنف یہ ہیں، علم حدیث کی تعریف، تقسیم، حجیتِ حدیث، تاریخ تدوین حدیث، درسی کتابوں کا تعارف وخصوصیات نقد حدیث کا روایتی معیار، نقد حدیث کا درایاتی معیار، فقہی اختلاف میں حدیث کا کردار ضعیف حدیث کی استدلالی حیثیت، امام اعظم ابو حنیفہ اور علم حدیث۔ ان سارے عنوانات پر مصنف کا الگ الگ مقالہ ہے، اور ہر مقالہ پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں ایسا لے لیتا ہے کہ جب تک کہ پورا مقالہ وہ پڑھ نہ لے اس کی تشنگی باقی رہتی ہے۔ یہ خالص علمی کتاب ہے مگر مولانا عبد اللہ معروفی نے اس کو بڑے دلنشین اور سادہ انداز میں اس طرح پیش کیا ہے کہ نہ دماغ تھکتا ہے اور نہ طبیعت اکتاتی ہے، بلکہ ایک صفحہ کے بعد دوسرے صفحہ کی طلب رہتی ہے۔ علم حدیث کے موضوع پر یہ اردو میں بہترین کتاب ہے، اور طلبہ حدیث کے لئے عظیم علمی تحفہ ہے، مصنف کی اس کاوش پر ہم ان کو مبارکباد دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے مزید حدیث اور علم حدیث اور دوسرے علمی موضوعات پر داد تحقیق دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

عربی والی کتاب فہرست کے ساتھ چھ سو سے زائد صفحات کی ہے اور اردو والی کتاب پونے پانچ سو صفحات سے زائد کی ہے، اور دونوں کتابوں کی طباعت اور کاغذ انتہائی معیاری اور ان کی جلدیں بہت خوبصورت ہیں۔ عربی کتاب مولانا انظر شاہ صاحب کے اہتمام میں جامعۃ الامام انور شاہ الکشمیری دیوبند سے چھپی ہے، اور اردو کتاب مکتبہ عثمانیہ دیوبند نے چھاپی ہے ـــــــ ہم مصنف سلمہ اللہ کو ان دونوں کتابوں کی تالیف وتصنیف پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو مزید توفیق و ہمت عنایت فرمائے۔

محمد اجمل مفتاحی

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونیوالا دوماہی دینی و علمی مجلہ

جلد ۱۱ شمارہ ۵
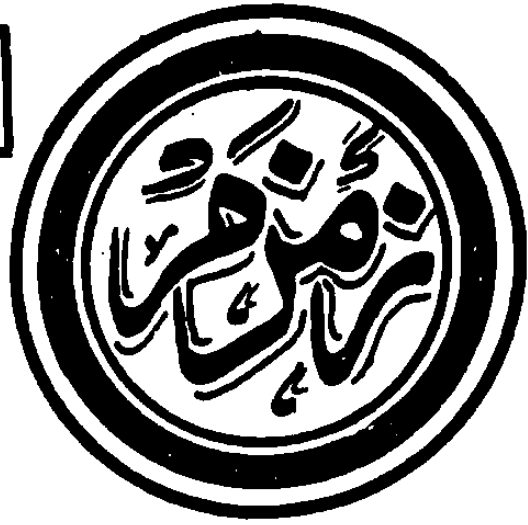
رمضان المبارک و شوال المکرم
سنہ ۱۴۲۹ھ

سالانہ چندہ ——— ۷۰/ روپے
پاکستان کیلئے
پاکستانی ایک سو پچاس روپے سالانہ
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ
غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مدیر مسئول و مدیر التحریر
محمد ابوبکر غازی پوری

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ 233001
موبائیل نمبر 9453497685

محمد اجمل مفتاحی

فہرستِ مضامین

اداریہ

باسمہٖ تعالیٰ

ایک طرف ہمارا یہ رونا ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی نے ہماری کمر توڑ دی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اشیائے خوردنی کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں، غریبوں کے گھروں میں چولھا نہیں جل رہا ہے، دو وقت کا کھانا ملنا مشکل ہو رہا ہے، مریضوں کیلئے دوا علاج کے پیسے نہیں ہیں، یہ سب حقیقت ہے، مگر دوسری طرف ہمارا حال یہ بھی ہے کہ شادی ہو، بیاہ ہو، گھروں کی آرائش و زیبائش ہو، موبائیل کا استعمال ہو، ٹی وی ہو ان میں ہمارا پیسہ بے دریغ خرچ ہو رہا ہے، شادی بیاہ کی محفلوں میں جاؤ تو معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی مہنگائی نہیں ہے، امراء اور رؤسا کی بات نہیں ہے، شادی بیاہ پر بے تحاشا خرچ کر رہے ہیں، غریب گھرانے بھی، موبائیل بچے بچے کے ہاتھ میں ہے، ایک گھر میں کئی کئی موبائیل ہے، ہر گھر میں ٹی وی ہے۔ آخر یہ پیسے کہاں سے آرہے ہیں، ہزاروں ہزار کا جہیز بیٹی کی شادی میں دیا جا رہا ہے، اب عام طور پر پلازے کے نام سے جو شادی گھر بنے ہوئے ہیں، شادیاں ان میں ہو رہی ہیں، جس کا کرایہ صرف ایک رات کا ہزارہا ہزار روپے ہوتا ہے، پھر کھانے کے متنوع اقسام جو ہوتے ہیں ان کا خرچ اور جو دولہا اور دلہن کو سجانے کا انتظام ہوتا ہے اس پر آنے والا خرچ ان اخراجات کو دیکھ کر عقل حیران رہتی ہے کہ گرانی کے اس زمانہ میں ان اخراجات کو پورا کرنے کیلئے رقمیں کہاں سے فراہم ہو رہی ہیں؟

ہم غیروں کی بات نہیں کرتے ہیں، اپنوں کی بات کرتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں آج وہ ساری باتیں عام ہو گئی ہیں جن کا تصور بھی ہم کبھی نہیں کر سکتے تھے، مسلمان نوجوانوں میں چوری، لوٹ مار، نشہ آور چیزوں کی خرید و فروخت، جو ملازم پیشہ لوگ ہیں ان میں

رشوتوں کا چال چلن، دھوکہ دہی سے مال کا حصول ان راستوں سے پیسے آرہے ہیں، چونکہ دینداری کا رجحان عام طور پر ختم ہو گیا ہے اس وجہ سے ان بیہودہ کاموں کے کرنے والوں کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم کوئی گناہ کا کام یا غلط کام کر رہے ہیں۔

جب کسی معاشرہ میں مذکورہ باتیں اور ان جیسی باتوں کا رجحان عام ہو جائے اور ان کو گناہ یا غلط کام سمجھنا بھی ذہنوں میں باقی نہ رہے، تو وہ معاشرہ فساد کی جس انتہا کو پہونچے گا اسکو بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔

آج ہم اسی گندے اور غلط معاشرہ میں جی رہے ہیں کچھ اہل درد اور اہل اخلاص ہیں جو ان برائیوں کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، تو ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ بس اپنا فضل فرمائے، ورنہ ہم نے اپنی تباہی کا سامان جٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

اس حقیقت کے واشگاف ہونے کے باوجود بھی کہ اس وقت اسلامی دنیا میں بلکہ پوری دنیا میں جو تباہی و بربادی مچی ہوئی ہے اس کی جڑ امریکہ ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمام مسلم ممالک ایران کو چھوڑ کر اپنی قربت امریکہ سے بڑھاتے چلے جا رہے ہیں اور اسکی چودھراہٹ کے سامنے سرنگوں ہیں۔ گویا امریکہ ہی ہمارا خالق و مالک ہے، وہ جو چاہے کرے اور جو چاہے کہے ہمیں بہرحال اسے تسلیم کرنا ہے، وہی ہمارے سیاہ سفید کا مالک ہے۔

اگر ہمارے اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کا ضمیر اس حد تک مردہ ہو چکا ہے کہ ان کو امریکہ کا ہر کڑوا شیریں نظر آتا ہے اور ان کا ہر جھوٹ سچ نظر آتا ہے، اور اس کے مکر و فریب میں اس کا اخلاص نظر آتا ہے اور اس کی ہر دھمکی ہمارے لئے صاعقہ آسمانی بن جاتی ہے تو ہمارے ان ممالک کا خدا ہی حافظ ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہندوستان جیسا سپر طاقت ملک بھی امریکہ کی گود میں جا رہا ہے ہمیں اپنے اس ملک سے توقع تھی کہ وہ امریکہ سے آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرے گا اور

امریکہ کی چال کو سمجھے گا، اور کسی امریکی مفاد کے لئے اپنے ملکی و قومی مفاد کو قربان نہیں کریگا مگر ہم دیکھ رہے ہیں کانگریسی گورنمنٹ نے اور ہمارے پرائم منسٹر نے امریکہ کی چاپلوسی میں اور اس کو اس ملک کے سیاہ سفید کا فیصلہ کرنے میں اسی طرح اپنی نکیل اس کے ہاتھ میں دیئے ہوئے ہیں جس طرح ہمارا پڑوسی ملک پاکستان کا حال ہے، پاکستان بہر حال ایک کمزور ملک ہے، مشرف جیسا آدمی پاکستان کا صدر ہے، جس کی مسلم دشمنی اور امریکہ نوازی سب پر عیاں ہے، وہ اگر امریکہ کا غلام بنا ہوا ہے تو بنے مگر ہمیں تو اپنی حیثیت کا احساس ہونا چاہیئے۔ آج ہمارا ملک ہندوستان طاقت وقوت اور سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی میں جس مقام پر ہے وہ ہم سب کیلئے باعث فخر ہے، اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس حال میں ہم اگر امریکہ نوازی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو یہ ہمارے لئے باعثِ شرم ہے ہمیں اپنا مفاد مقدم رکھ کر امریکہ ہو یا اور کوئی مغربی ملک اس سے آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کی خو پیدا کرنا چاہیئے اور اپنی حیثیت کو ان ملکوں سے تسلیم کرانی چاہیئے۔

ہمیں بار بار یہ کہتے ہوئے خراب معلوم ہوتا ہے کہ زمزم کے قارئین و خریدار حضرات زمزم کا بقایا جمع کرانے میں اور زرسالانہ کی تجدید میں بہت سستی دکھلاتے ہیں بار بار یہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ زمزم کے پاس کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں ہے، اس کا خرچ میں بڑی کفایت کی جاتی ہے اس کے باوجود بھی اسکا خرچ پورا نہیں ہوتا، ربانی بکڈپو دہلی جہاں زمزم چھپتا ہے اسکی ایک بہت بڑی رقم زمزم کے اوپر بقایا ہے۔

ہم اپنے خریداروں سے کوئی اور درخواست کرنے کے بجائے صرف یہ گذارش کرتے ہیں کہ براہ کرم آپ حضرات زرسالانہ بھیج کر زمزم کی خریداری کی تجدید کرالیں اور جن کے ذمہ گذشتہ سالوں کا بقایا ہے اسے ادا کر دیں، نوازش ہوگی، کرم ہوگا۔ ادارہ زمزم آپ کا شکر گذار ہوگا، اور اگر کسی وجہ سے زمزم کی خریداری ختم کرنی ہے تو اسکی اطلاع کر دیں تاکہ زمزم آپ کے نام نہ جائے اور ادارہ خسارہ سے بچے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

۱ ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھیتوں اور باغات میں (ضرورت سے) زیادہ مت لگو کہ دنیا میں تمہاری رغبت بڑھ جائے ۔ (ترمذی)

کھیت اور باغات، زمین اور جائداد بنانے کا بہت زیادہ شوق آخرت سے بے رغبت کرنے والی چیز اور دنیا میں لگانے والی چیز ہے، انسان ان چیزوں میں جب بہت زیادہ لگتا ہے تو اس کے دل میں دنیا کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور آخرت میں جو چیز کام آنے والی ہے یعنی ذکر اللہ، عبادت اور توجہ الی اللہ، اور حساب و کتاب کی فکر دوزخ اور جنت کا تصور ان چیزوں سے انسان غافل ہو جاتا ہے، اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زیادہ زمین وجائداد بنانے سے منع فرمایا ہے ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زمین وجائداد، کھیتی وباغات بنانے سے جو منع فرمایا ہے اس کی علت بھی آپ نے بیان فرمائی کہ فترغبوا فی الدنیا یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری رغبت دنیا میں ہو جائے گی یعنی آخرت کے مقابلہ میں تم دنیا کو مقصود بنالوگے اس سے معلوم ہوا کہ اگر زمین وجائداد کی کثرت کی وجہ سے انسان کا رشتہ اللہ سے ٹوٹتا نہیں ہے اور یہ چیزیں اس کو اللہ کے حقوق ادا کرنے سے مانع نہیں بنتی ہیں اور زمین و

جائداد کھیتی باڑی ہونے کے باوجود آدمی پر فکر آخرت سوار رہتی ہے تو پھر ایسے آدمی کیلئے جائداد وغیرہ کا بنانا ناجائز ہوگا، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا رجحان نہ پیدا ہو کہ یہی چیز باعثِ خسران ہے اور اگر یہ رجحان نہیں پیدا ہوتا ہے اور زمین وجائداد کی وجہ سے شرعی امور انجام پانے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوتی ہے تو پھر زمین وجائداد بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جائز امور میں جو کچھ خرچ کرتا ہے اس پر اسکو اجر ملتا ہے سوائے تعمیر پر خرچ کرنے کے۔ (ترمذی)

گھروں اور عمارتوں پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور بلا ضرورت اونچی اونچی عمارتوں کی تعمیر کرنا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ چیز نہیں ہے، آدمی کیلئے ایسا گھر جس میں وہ اطمینان سے رہ لے وہ زندگی گذارنے کیلئے کافی ہے، بلاضرورت گھر کی تعمیر پر ہزاروں اور لاکھوں روپیہ خرچ کرنا یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے کہ اینٹ گارے پر اپنی وہ کمائی لگائی جائے کہ اگر وہی فقیر و فقراء پر خرچ ہو تو کتنے غربت کے ماروں کا پیٹ بھرے، اور اگر اس مال کو مسجدوں کے بنانے میں، مدرسوں کی تعمیر میں، جہاں پانی کی قلت ہو وہاں کنویں وغیرہ کی تعمیر میں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد میں، کسی غریب گھرانے کی بچیوں کی شادی بیاہ کرانے میں قرضداروں کے قرض کی ادائیگی کرانے میں، تو اس سے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو۔

اونچی اونچی بلڈنگوں کے بنانے والوں میں عام طور پر کبر اور فخر کا زہر پیدا ہو جاتا ہے جو بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو معلم اخلاق اور روحانی طبیب تھے، آپ کے فرمودات میں اخلاقی بیماریوں کا علاج بھی ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس کام سے منع فرماتے ہیں جس سے انسان کا اخلاق بگڑے اور اس کی آخرت برباد ہو۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ

کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال (یعنی اپنے مال کی کثرت پر فخر کرتا ہے اور اتراتا ہے) حالانکہ بندہ کا مال صرف وہ ہے جو اس نے کھایا اور ختم کردیا، یا پہنا اور لباس کو پرانا کردیا، یا اللہ کے لئے دیا تو اس نے آخرت میں اپنے لئے ذخیرہ بنا لیا، اس کے علاوہ جو کچھ وہ اس کیلئے نہیں لوگوں کے لئے چھوڑ کر اس کو جاتا ہے۔ (مسلم)

انسان ہر طرح سے مال حاصل کرنا چاہتا ہے اور جب اس کے پاس زیادہ جمع ہوجاتا ہے تو فخر کرتا ہے کہ میرے پاس تو بہت زیادہ مال ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہے آدمی کتنا بھی مال جمع کرلے اس کے کام کا مال تو بس تین قسم کا ہے، ایک یہ کہ جس سے وہ اپنا پیٹ بھرتا ہے، کھاتا ہے پیتا ہے اور اس کا کھانا پینا پیشاب پیخانہ کے راستہ سے باہر ہوجاتا ہے، یا بدن کا حصہ بن کر تحلیل ہوجاتا ہے، دوسری قسم یہ ہے کہ جو وہ اپنے لباس پر خرچ کرتا ہے پھر وہ لباس بھی پرانا ہوجاتا ہے، تیسری قسم وہ ہے کہ جو وہ کار خیر میں خرچ کرتا ہے اور اس کو آخرت میں اپنے لئے ذخیرہ بناتا ہے جس کا بدلہ اس کو اللہ کے یہاں ملے گا، اس کے علاوہ اس کا جو مال بھی ہے وہ اس کے کام کا نہیں ہے یا تو وہ ضائع ہونے والا ہے، چوری ہوجائے، ڈاکہ پڑے تو اسے ڈاکو لے جائیں یا اور کسی طرح وہ برباد ہوجائے یا جب وہ مرے گا تو اس کے ہاتھ میں کچھ نہ ہوگا سب ورثہ کا ہوجائے گا۔

جب صورتِ حال یہ ہے اور واقعہ یہی ہے تو عقلمند وہ ہے جو اپنے مال کو واقعی اپنا بنائے اور اس کو اس کام میں لگائے جس سے اس کا فائدہ ہو، اور اس کی شکل یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرے تاکہ آخرت میں وہ اپنے مال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔

(۴) حضرت سہل بن سعد کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ تعالیٰ کے یہاں مچھر کے برابر بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کافروں کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ پلاتا۔ (ترمذی وابن ماجہ)

یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں دنیا بڑی بے حیثیت چیز ہے اس کی کوئی قیمت اللہ کی نگاہ میں نہیں ہے اگر ذرا بھی اس کی کوئی قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کو جو اللہ کے باغی اور نافرمان ہیں، اللہ ان کافروں کو اس دنیا سے کچھ بھی نہ دیتا، جب دنیا کی یہی حقیقت ہے تو اب جو خدا پرستار ہیں انکو اس بے حیثیت اور بے قیمت چیز میں اپنا دل لگانا اور اس کو مقصود بنانا اور اس کی فکر میں ہر وقت لگے رہنا اور دوسروں کو خوش حالی میں دیکھ کر جلنا اور کڑھنا نہایت نامعقول حرکت اور خدائے تعالیٰ کو ناراض کرنے والی بات ہوگی کہ تم نے اس کی حیثیت سمجھی جس کو اللہ نے بے حیثیت بنایا تھا تم نے اس کی قیمت سمجھی جس کو اللہ نے بے قیمت بنایا تھا۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کے پیچھے تین چیز رہتی ہے، ان میں سے دو تو میت کو چھوڑ کر واپس چلی آتی ہیں، ایک میت کے ساتھ قبر میں جاتی ہے۔ میت کے پیچھے اس کے گھر والے ہوتے ہیں اس کا مال ہوتا ہے اور اس کا عمل ہوتا ہے، میت جب قبر میں جاتا ہے تو اس کے گھر والے اور اس کا مال دنیا میں رہ جاتا ہے، اس کے ساتھ جو چیز جاتی ہے اس کا عمل ہوتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

یعنی انسان کو آخرت میں کام آنے والی چیز صرف اس کا اچھا عمل ہے، نہ آخرت میں اس کا مال کام دے گا اور نہ اس کے اہل و اقارب اس کے کام آئیں گے۔ بس عقلمند وہ ہے جو آخرت کی تیاری میں لگا رہے۔ مال و اولاد کی فکر میں لگ کر اپنی آخرت کو تباہ کرنا حد درجہ بے وقوفی ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

جمعہ کے خطبہ کے وقت نماز کا مسئلہ

محترم المقام حضرت الاستاذ المکرم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی !

زمزم اور آپ کی کتابوں سے ہم نے غیر مقلدین کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لیا ہے اور اب وہ سامنے آکر گفتگو سے گھبراتے ہیں، مگر جاہل عوام میں خفیہ تبلیغ سے باز نہیں آتے، مثلاً کسی کتاب سے بخاری مسلم وغیرہ احادیث کی کتابوں سے عوام کے سامنے کوئی حدیث پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو امام ابوحنیفہ کا مسئلہ اس حدیث کے خلاف ہے، اس طرح بڑی آسانی سے لوگوں کو اپنا شکار بنالیتے ہیں۔

ابھی چند روز قبل جمعہ کے خطبہ کے وقت نماز کے بارے میں انھوں نے فتنہ اٹھایا اور عوام کے سامنے مشکوٰۃ کے حوالہ سے مسلم شریف کی یہ روایت پیش کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم جمعہ کیلئے آؤ اور امام خطبہ دے رہا ہو تو مختصراً دو رکعت پڑھو۔ جبکہ حنفیہ کے یہاں خطبہ کی حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

براہ کرم آپ اس مسئلہ پر کچھ لکھ دیں تاکہ ہم اس کا جواب دے سکیں۔

والسلام محمد ابرار اعظمی

مقیم حال مجگاؤں۔ ممبئی

نزھزام !

عزیزم سلمہ، جب تمہارا خط آیا تھا تو میں لمبے سفر پر تھا، پھر عمرہ کے لئے چلا گیا، اور رمضان بعد دوسری مصروفیات نے ایسا گھیرا کہ تمہارے خط کی طرف توجہ نہ ہو سکی، کل اتفاق سے وہ کاغذات میں نظر آگیا تو اب اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔

غیر مقلدین کی بڑی بیماری یہ ہے جس کا علاج آسان نہیں ہے کہ وہ فریب دینے میں اور حقائق کو چھپانے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں، چونکہ ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی پر عمل کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کا جو ایک خود ساختہ مذہب ہے اسکی پاسداری ملحوظ ہوتی ہے، اس لئے وہ اس کیلئے دھوکہ اور فریب دہی کا ہر عمل اپنے لئے جائز رکھتے ہیں، اور چونکہ اللہ تعالیٰ ان کے مقدر میں احکام شرعیہ پر عمل سے محرومی رکھی ہے اس وجہ سے وہ صرف دو ایک حدیث کو دیکھتے ہیں متعلقہ مسئلہ کی تمام حدیثوں کو نہیں دیکھتے، نہ انکی نگاہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے عمل پر ہوتی ہے، حالانکہ احادیث کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کیلئے صحابہ کرام کا عمل نگاہ میں رکھنا ضروری ہے، صحابہ کرام کے عمل ہی سے حدیث کا صحیح مفہوم واضح ہوتا ہے، اور ان کا عمل ہی بتلاتا ہے کہ حدیث کس موقع کی ہے، ناسخ ہے یا منسوخ اس کا حکم عام ہے یا خاص واقعہ یا خاص حالت سے اس کا تعلق ہے، اس حدیث پر عمل کرنا محض جواز کے درجہ میں ہے یا واجب اور سنت کے درجہ میں ہے۔

غرض جب تک کہ متعلقہ مسئلہ کی ساری احادیث نگاہوں میں نہ ہوں اور اسکے بعد صحابہ کرام کے عمل پر نگاہ نہ ہو، اس وقت تک احادیث مبارکہ کے صحیح مفہوم اور انکی صحیح مراد تک رسائی بہت دشوار ہے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ کا یہی امتیاز تھا کہ انکی نگاہ احادیث کے پورے ذخیرہ پر ہوتی ہے اور انکی نگاہ میں صحابہ کرام کا عمل بھی ہوتا ہے۔ اور صحابہ کرام سے تابعین نے جو سیکھا تھا وہ اس کو بھی دیکھتے تھے پھر اللہ نے جو ان کو فقہی صلاحیت اور دینی بصیرت دی ہوئی تھی اس سے وہ کام لیتے اور کسی مسئلہ دینی و شرعی کے بارے میں انتہائی غور و فکر کے بعد

وہ کوئی رائے ظاہر کرتے، اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تو اس بارے میں حزم واحتیاط بہت مشہور ہے، انکی مجلس میں تو اکابر فقہاء کی موجودگی میں بحث و مباحثہ اور پوری تحقیق کے بعد ہی کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کیا جاتا تھا۔

ظاہر پرستوں کی نگاہ دو ایک حدیث پر ہوتی ہے، وہ ان کے ظاہر معنی کو دیکھ کر اچھلنے کودنے لگتے ہیں جبکہ فقہاء رحمہم اللہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عمل صحابہ ان تینوں کو نگاہ میں رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں، اور سنت رسول اللہ کا علم ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ احادیث کے تمام ذخیرہ پر نظر نہ ہو، اور کسی مسئلہ میں واقعی حکم شرعی معلوم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور عمل صحابہ کا علم نہ ہو۔

اب آپ اس مسئلہ میں دیکھیں کہ خطبہ جمعہ کے وقت نماز کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں، وہ دو ایک سے زیادہ نہیں، جب کہ جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر فرض تھی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دور دور سے جمعہ پڑھنے کیلئے لوگ حاضر ہوتے، مگر جمعہ کے خطبہ کے وقت دو رکعت نماز جو تحیۃ المسجد کہلاتی ہے، اس کا حکم احادیث کی کتابوں میں عام طور پر نہیں ملتا، اگر آپ صرف مشکوٰۃ شریف ہی کو دیکھیں گے تو اس کا فیصلہ کرلیں گے کہ احادیث میں اس تحیۃ المسجد کا ذکر شاذ و نادر ہے، مشکوٰۃ شریف میں صرف اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث نہیں ملتی جس میں خطبہ جمعہ کے وقت تحیۃ المسجد دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہو، مشکوٰۃ شریف کی مندرجہ ذیل احادیث میں آپ غور کریں۔

(۱) صاحب مشکوٰۃ بخاری شریف سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلمان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، جو آدمی جمعہ کے روز غسل کرے، خوشبو جو اسے میسر ہو لگائے اور پھر جمعہ کے لئے مسجد میں اس طرح آئے کہ بیٹھتے ہوئے لوگوں میں سے دو آدمیوں کو ادھر ادھر نہ کرے پھر جو اس کیلئے مقدر ہے نوافل پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو خاموش رہے، تو اللہ اس کی گناہیں دوسرے جمعہ تک کی معاف کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں آپ غور کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے ثم ینصت اذا تکلم الامام یعنی امام خطبہ شروع کرے تو آنے والا خاموش ہو کر اس کا خطبہ سنے۔

یعنی اصل چیز اس موقع پر جمعہ کا خطبہ سننا ہے نہ کہ کسی اور کام میں خواہ وہ نماز ہی ہو اس میں مشغول ہونا ہے، یہی امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں تو کیا ان کا یہ مذہب حدیث کے خلاف ہے؟

(۲) مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قریب قریب اسی معنی کی ایک روایت ہے جس کو مسلم نے روایت کیا ہے، اس میں ہے۔ ثم انصت حتی یفرغ من خطبتہ کہ پھر آنے والا خاموش رہے تا آنکہ خطیب خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث پر اگر امام ابو حنیفہ کا عمل ہے تو غیر مقلدین کو ناگواری ہوتی ہے، اسلئے کہ خود ان کا عمل اس پر نہیں ہے۔

(۳) مشکوٰۃ شریف ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث اور ہے اس کو بھی امسلم شریف کے حوالہ سے نقل کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح سے وضو کرے پھر جمعہ کو حاضر ہو۔ پھر کان لگا کر خطبہ سنے اور خاموش رہے تو دوسرے جمعہ تک کے اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور تین روز مزید کے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا من مس الحصا فقد لغا یعنی جس نے کنکری کو بھی ہاتھ لگایا تو اس نے لغو کام کیا۔

آپ اس سے اندازہ کریں کہ شریعت میں جمعہ کے خطبہ کی کتنی اہمیت ہے کہ شریعت کو اس میں ذرا بھی خلل حتی کہ کنکری کا چھونا بھی برداشت نہیں۔

اب اگر امام ابو حنیفہؒ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے یہ فرمائیں کہ خطبہ جمعہ کے درمیان کوئی ایسا عمل جو خطبہ سننے میں اور اس کی

طرف کان لگانے میں حارج ہو جائز نہیں تو غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ حدیث کی مخالفت، یعنی احادیث پر عمل کرنا ان کے نزدیک احادیث کی مخالفت ہے ۔

(۴) بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم نے خطبہ کے دوران اپنے ساتھی سے یہ بھی کہا کہ "تو خاموش رہ" تو بھی تو نے لغو کام کیا ۔ (مشکوۃ)

آپ اندازہ لگائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک میں خطبہ جمعہ کی کتنی اہمیت ہے کہ اگر کوئی بات کر رہا ہو تو اس کی طرف بھی بالکل دھیان نہ دو حتیٰ کہ اس کو اتنا بھی نہ کہو کہ "تو خاموش رہ"

اور غیر مقلدین باقاعدہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں خواہ اس کی وجہ سے خطبہ جمعہ کا سننا اور خاموش رہنا مفقود ہوتا رہے ان کو اس کی پرواہ نہیں ہے ۔

(۵) مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت سنیں جس کو ابوداؤد سے صاحب مشکوٰۃ ہی نے نقل کیا ہے، حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی جمعہ کے روز غسل کرے، اچھا لباس پہنے اور جو اس کے پاس خوشبو ہو اس کو لگائے پھر جمعہ میں حاضر ہو اور کسی کی گردن نہ پھاندے، پھر جو نوافل مقدر ہو پڑھے پھر جب امام خطبہ کیلئے نکلے تو اس کے خطبہ سے فارغ ہونے تک وہ خاموش رہے تو اس جمعہ اور اسکے پہلے والے جمعہ تک جو اس کے گناہ تھے اللہ تعالیٰ انکو معاف کر دے گا ۔

اس حدیث میں صاف ارشاد ہے کہ یہ بشارت اس کیلئے ہے جو امام کا خطبہ شروع سے لے کر آخر تک خاموش رہ کر بغور سنے، اور امام کے خطبہ دینے کیلئے نکلنے کے بعد مصلی کا وظیفہ صرف خاموش رہنا ہے، کوئی دوسرا عمل جائز نہیں ہے ۔

(۶) مشکوٰۃ ہی میں ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کی روایت ہے، حضرت اوس

بن اوس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز اپنا کپڑا صاف کیا پھر نہایا اور جمعہ میں جلدی سے پیدل چلتا ہوا پہونچا اور امام سے قریب ہو کر خطبہ اور کوئی بیکار کام نہیں کیا تو اس کو ہر قدم کے بدلہ ایک سال روزے کا ثواب ملتا ہے اور ایک سال نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث میں بھی آپ غور کریں گے تو خطبہ سننے کی اہمیت اور اس موقع پر خاموش رہنے کی اہمیت واضح ہوگی۔

(۷) مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے اسکو بھی مشکوٰۃ والے نے نقل کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کے خطبہ کی حالت میں جو کلام کرے وہ گدھے کی طرح جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں (گدھے کو کیا پتہ کہ کتابوں میں کیا ہے) اور جو شخص کسی کو خاموش رہنے کو کہے تو اس کا جمعہ ہی نہیں۔

آپ اندازہ لگائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں جمعہ کا خطبہ کیا اہمیت رکھتا تھا، اب اگر اسی اہمیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے احناف یہ فرمائیں کہ خطبہ جمعہ کے وقت صرف خطبہ کا سننا واجب ہے تو کہا جاتا ہے کہ احناف احادیث کے خلاف کرتے ہیں کتنی عجیب بات ہے۔

ہم نے یہ حدیثیں اسی مشکوٰۃ سے نقل کی ہیں جس سے غیر مقلدین نے آپ کے سامنے وہ حدیث نقل کی تھی جس میں دو رکعت نماز کا حکم موجود ہے۔

آپ مندرجہ بالا احادیث میں غور فرمائیں گے تو کسی ایک حدیث میں بھی آپ کو دو رکعت پڑھنے کا ذکر نہیں ملے گا۔

(۸) اسی مشکوٰۃ میں سنن ابو داؤد سے نقل کیا گیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ کیلئے منبر پر بیٹھے، آپ نے منبر سے لوگوں کو بیٹھنے کا حکم فرمایا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے کہ ان کے کان میں آپ کی آواز "بیٹھ جاؤ" کی پہونچی تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دروازہ کے پاس بیٹھ گئے، آپ نے جب ان کو دیکھا تو فرمایا عبداللہ بن مسعود تم قریب آؤ۔

اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر مسجد میں داخل ہو کر امام کے خطبہ کے وقت دو رکعت پڑھنا ضروری ہوتا یا یہ شریعت کا حکم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ کو پہلے ان دو رکعتوں کو ادا کرنے کا حکم دیتے یا عبداللہ بن مسعود آتے ہی دو رکعت نماز پڑھتے پھر بیٹھتے مگر نہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے خود دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کا حکم دیا، اسلئے کہ حضور خطبہ کیلئے نکل چکے تھے اور منبر پر بیٹھ چکے تھے اور اس وقت شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام یعنی جب امام خطبہ کیلئے نکل چکا ہو تو نہ تو کوئی اب نماز پڑھے اور نہ بات چیت کرے، اب صرف خطبہ کا سننا ہی اس کیلئے واجب اور ضروری ہے۔

غیر مقلدین نے ان تمام احادیث کو چھوڑ دیا ہے اور پھر بھی اہلحدیث بننے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

خیر اب آپ دیکھئے کہ اس بارے میں صحابہ کرام کا کیا عمل تھا، ان کا جو عمل ہوگا وہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوگا، اسلئے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے دلدادہ اور عاشق تھے ان کا کوئی کام خلافِ سنت نہیں ہوا کرتا تھا۔

(۱) حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانہ پایا ہے، اس زمانہ میں ہمارا معمول یہ تھا کہ جمعہ کے روز جب امام خطبہ کے لئے نکلا کرتا تھا تو ہم نماز چھوڑ دیا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ تحقیق استاذ عوامہ ج ۴ ص ۷۲)

معلوم ہوا کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ میں تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ میں مسجد نبوی میں نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے ان کا معمول یہی تھا کہ جب امام جمعہ کے روز خطبہ کے لئے آتا تو صحابہ کرام کوئی نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

(۲) ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کو اس وقت حاضر ہوئے جب حضور خطبہ شروع کر چکے تھے تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دھوپ میں کھڑے رہے آپ نے ان کو سایہ میں بیٹھنے کا حکم فرمایا، حضرت ابی نے دو رکعت نماز پڑھی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو۔ (ایضاً ص ۸۶)

(۳) حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خطبہ کیلئے امام کے نکلنے کے بعد نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۰۳)

(۴) اور حضرت عطا بطور خاص حضرت ابن عمر کا یہ عمل ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کو حاضر ہو کر نماز ادا کرتے رہا کرتے تھے، لیکن جب امام آجاتا تو آپ نماز ترک کر دیتے۔ (ایضاً ص ۱۰۳)

(۵) اور مجمع الزوائد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور کا یہ فرمان نقل کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا۔ اذا دخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلوٰۃ ولا کلام حتی یفرغ الامام۔ (ج ۲ ص ۱۸۴)

یعنی جب تم میں کوئی مسجد میں اس وقت آوے جب امام منبر پر جا چکا ہو تو اب نہ کوئی نماز ہے اور نہ بات چیت کرنا ہے، تا آنکہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین کا اس مسئلہ میں کیا معمول تھا تو اگر ہم صرف مصنف ابن ابی شیبہ کو دیکھیں تو تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت کا وہی مسلک نظر آتا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی وغیرہ ائمہ کا ہے۔ چند نام ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن عطاء ! انھم کرھوا الصلوٰۃ والامام یخطب یوم الجمعۃ۔

(ج ۲ ص ۱۷ مصنف ابن ابی شیبہ)

یعنی حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ تابعین کرام اور صحابہ کرام جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ دیکھئے حضرت عطاء کے زمانہ میں عام طور پر مسلمانوں کا یہی عمل تھا کہ وہ دورانِ خطبہ نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(۲) عن ابن سیرین انہ کان یقول : اذا خرج الامام فلا یصل احد حتی یفرغ الامام ۔ یعنی حضرت ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب امام خطبہ کیلئے نکلے تو امام کے فارغ ہونے سے پہلے کوئی نماز نہ پڑھے ۔ (ایضاً)

(۳) اسماعیل بن ابی خالد فرماتے ہیں ۔ رأیت شریحاً دخل یوم الجمعۃ من ابواب کندہ فجلس ولم یصل ۔ یعنی میں نے شریح کو دیکھا کہ یوم جمعہ کو ابواب کندہ کی طرف سے مسجد میں آئے اور بیٹھ گئے اور نماز نہیں پڑھی ۔ (ایضاً)

(۴) ہشام بن عروہ اپنے والد حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں ۔ قال اذا قعد الامام علی المنبر فلا صلوٰۃ ۔ (ایضاً)

یعنی جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو پھر کوئی نماز نہیں ۔

(۵) امام زہری فرماتے ہیں ۔ عن الزہری ۔ فی الرجل یجیئ یوم الجمعۃ والامام یخطب فجلس ولا یصلی ۔ یعنی جو آدمی جمعہ کے روز اس وقت مسجد میں آئے جب امام خطبہ دے رہا ہے تو بیٹھ جائے نماز نہ پڑھے ۔

(۶) سعید بن المسیب فرماتے ہیں ۔ خروج الامام یقطع الصلوٰۃ (ایضاً ص ۲۷) یعنی امام کا خطبہ کے لئے نکلنا نماز کو قطع کر دیتا ہے ۔

آپ دیکھ رہے ہیں یہ تمام تابعین وہی کہہ رہے ہیں جو احناف کا مسئلہ ہے کہ جمعہ کے روز خطبہ کے دوران نماز پڑھنی مکروہ ہے ۔

اب سوال یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کرام کو دو رکعت اختصار کے ساتھ پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے، تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ جمعہ کی نماز مہینہ میں چار دفعہ پڑھی جاتی ہے، اور ہر بالغ مسلمان پر یہ نماز فرض ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امر دو ایک ہی صحابہ کے بارے میں مروی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان دو ایک صحابہ کو جو اس کا حکم دیا تھا اس کی کوئی خاص وجہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اگر عام مسلمانوں کے بارے میں ہوتا تو ایسا ممکن نہ تھا کہ

صحابہ کرام اور خصوصًا خلفائے راشدین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تابعداری نہ فرماتے، اور پھر تابعین کی ایک بڑی جماعت اس حکم کے خلاف اپنا مذہب بناتی، صحابہ کرام اور تابعین کے بارے میں ہم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اگر اس خاص وجہ کا غیر مقلدین پتہ لگالیں تو بہتر ہے ورنہ ہم سے پوچھیں ہم ان کو بتلادیں گے، ہم اس سے سردست صرف نظر کرکے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بعض صحابہ کرام کو دوران خطبہ نماز پڑھنے کا حکم دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی دیر خطبہ کو موقوف کر دیا تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ نے ان کو مختصراً نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا تاکہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ خطبہ شروع کرسکیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں محمد بن قیس کی روایت سے یہ بات صاف ہورہی ہے۔

عن محمد بن قیس : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث امرہ ان یصلی رکعتین امسک عن الخطبۃ حتی فرغ من رکعتیہ ثم عاد الی خطبتہ۔

یعنی محمد بن قیس فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو (یعنی سلیک غطفانی کو) دوران خطبہ دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا تو آپ خطبہ سے رُکے رہے، جب وہ نماز سے فارغ ہوگئے تب دوبارہ آپ نے خطبہ شروع کیا۔ (مصنف ایضًا)

اس حدیث سے مسئلہ کو بالکل واضح کردیا کہ دوران خطبہ اگر امام کسی کو کسی وجہ سے دو رکعت پڑھنے کا حکم کرے تو وہ خطبہ سے رکا رہے، جب نماز پڑھنے والا اپنی دو رکعت سے فارغ ہوجائے تو دوبارہ خطبہ شروع کرے، یہی فقہ حنفی کا بھی مسئلہ ہے کہ اگر کسی مصلحت سے امام کسی کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم کرے تو وہ خطبہ سے رکا رہے نماز سے جب وہ شخص فارغ ہو تو خطبہ دینا شروع کرے۔

اب اگر اس حدیث کو سامنے رکھا جائے تو ساری احادیث میں تطبیق ہوجائے گی کسی حدیث کا چھوڑ لازم نہ آئے گا اور نہ یہ کہنے کی کسی کو جرأت ہوگی کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے والے تھے۔

ابن جریج مشہور تابعی ہیں، مصنف عبدالرزاق میں ان کی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مذکور ہے، حضرت جابر فرماتے ہیں:

جاء رجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ یخطب فقال له: ارکعت رکعتین؟ قال لا قال فارکع۔

قال ابن جریج واقول انا: لیست فاتک الرکعتان لاحد الا لامرئ قطع له الامام خطبته وامر کا بذالک۔ ص ۲۴۴/۳۷۰

یعنی ایک آدمی اس وقت آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو اس نے کہا کہ نہیں تو آپؐ نے اس سے فرمایا، تو پڑھ لو۔

ابن جریج اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔

" میں کہتا ہوں یہ دو رکعت اس شخص کے لئے ہے جسے امام نے حکم کیا ہو اور اس کیلئے خطبہ کو اتنی دیر کیلئے موقوف کر دیا ہو۔

اس سے بھی یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ تابعین رحمہم اللہ کے نزدیک اس دو رکعت نماز ادا کرنے کا مفہوم کیا تھا اور کس کیلئے دورانِ خطبہ یہ دو رکعت جائز ہو گی۔

غیر مقلدین کی مصیبت یہ ہے کہ وہ صرف ایک دو حدیث کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں خواہ اس کی وجہ سے کتنی بھی احادیث کا انکار ہوتا ہو، اور خواہ صحابہ کرام و تابعین کا عمل اس کے خلاف گواہی دے رہا ہو، اس کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی ہے، جبکہ محتاط علمائے کرام متعلقہ مسئلہ کی تمام احادیث، پھر خلفائے راشدین کا عمل پھر عام صحابہ کرام کا عمل اور پھر تابعین اور ائمہ دین کا عمل ان سب کو نگاہ میں رکھ کر کوئی فیصلہ کرتے ہیں، اور کوشش کرتے ہیں کہ حدیث کا ایسا مطلب لیا جائے کہ وہ حدیث دوسری احادیث سے ٹکرائے نہیں اور صحابہ کرام اور اسلاف امت کا عمل اس کی روشنی میں غلط نہ قرار پائے، اور اسی کا نام فقہ ہے، اور اسی فقہ کے بارے میں اللہ کے

رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ من اراد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین
کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو فقہ فی الدین کی دولت سے نوازتا ہے۔
غیر مقلدین اس نعمت سے محروم ہیں، اس لئے ان کی بات لائق اعتناء نہیں نہ ان کا
کوئی فتویٰ جب تک کہ جمہور اہل سنت سے ان کی تائید حاصل نہ ہو قابل قبول ہے ۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

ص۵۴ کا بقیہ :-

ہمارے دوستوں کو اور بزرگوں کو خصوصاً ان لوگوں کو جن کو اللہ نے علم سے نوازا
ہے اور مدت دراز سے جن کا مشغلہ حدیث کی تدریس وتعلیم ہے وہ اپنی زندگی کو اللہ
والوں کی دشمنی سے پاک وصاف رکھیں اور کوئی ایسا نقش نہ چھوڑیں جن کی پیروی
کرنے سے ان کے تلامیذ، مریدین، خلفاء، عقیدت مند حضرات اپنے خراب انجام
سے دوسروں کے لئے باعث عبرت بن جائیں ۔

وما علینا الا البلاغ، اللھم صل وسلم علی النبی الامی

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۱۶

مقامِ صحابہؓ کتاب و سنت کی روشنی میں

اور مولانا مودودی

مولانا مودودی کی حضرت علیؓ پر تنقید

جن کو خلافت و ملوکیت کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے وہ جانتا ہے کہ مولانا مودودی نے حضرت علیؓ کو خلیفۂ راشد کی ساری خصوصیات کا حامل بتلایا ہے اور اس بارے میں ان کا قلم حضرت علیؓ کی مدح و توصیف میں خوب چلا ہے جیسا کہ ایک صاحبِ ایمان کے ایمان کا جو حضرت علیؓ کے مقام و مرتبہ سے واقف ہے یہی تقاضا ہے اور اس سے فی الحقیقت ہمیں مسرت تھی لیکن چونکہ مولانا مودودی کا مزاج تنقیدی ہے اسلئے وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے بارے میں کچھ ایسے حقائق دریافت کرلیتا ہے جس کی وجہ سے وہ شخصیت بھی ان کے ہدف تنقید سے بچ نہیں پاتی، چنانچہ حضرت علیؓ کے بارے میں بھی سارے محاسن و محامد کے باوجود مولانا موصوف کو ایک ایسا نکتہ مل گیا جس کی بنا پر مولانا نے حضرت علیؓ کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنا ہی لیا۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کا قصاص نہ لے سکے، قاتلین عثمان سے قصاص لینا واجب تھا۔ یہ قاتلین عثمان حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، حضرت علیؓ نے ان سے کیوں قصاص نہیں لیا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت علی کو جس انتشار کا سامنا تھا اس کی وجہ سے قاتلین عثمان پر ان کی گرفت مضبوط نہیں تھی، وہ موقع کے منتظر تھے اور حالات پر قابو پالینے کے بعد شریعت کے اس حکم کو وہ ضرور نافذ کرتے لیکن سازشیوں کی سازش نے اس کا موقع

نہیں پہونچایا تا آنکہ وہ خود قتل کردیئے گئے اور اس طرح قصاص عثمانؓ کا مسئلہ رہ گیا۔

لیکن مولانا مودودی کے نزدیک حضرت علیؓ نے قصداً حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا بلکہ ان قاتلین کو ان کا تقرب حاصل ہوتا گیا بلکہ انھوں نے قاتلین عثمان میں جو سرغنہ تھے ان کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے اور گویا اس طرح انھوں نے کتاب وسنت کے ایک قطعی حکم کو نافذ کرنے سے پہلو تہی برتی مولانا لکھتے ہیں:

"البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انھوں نے قاتلین عثمان کے بارے میں اپنا رویہ بدیا، جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے، بادل نخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کرنے کیلئے موقع کے منتظر تھے . . . . لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے یہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انھیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انھوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکرؓ کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے، درانحالیکہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوںؓ کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے، حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں"

(ص ۱۴۶)

حضرت عائشہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ پر تنقید

مولانا مودودی نے خلافت کو ملوکیت کی طرف لے جانے والے اسباب پر بحث کرتے ہوئے ان کے تین بڑے اسباب ذکر کیے ہیں ان میں سے دو بڑے سبب کا منشا خود حضرات صحابہ تھے۔ ایک تو وہ لوگ جو حضرت علیؓ کی خلافت سے الگ رہے۔(۱) دوسرے خون عثمان کا مطالبہ کرنے والے حضرات

---

(۱) ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، حسان بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید، کعب بن مالک

بقیہ اگلے صفحہ پر

جن میں پیش پیش حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم تھے۔

ان دونوں فریقوں کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

"ان دونوں فریقوں کے بارے میں اور جلالت قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی سکتی۔" (ص ۱۴۲)

ان صحابہ کرام پر اس الزام کے بعد یہ لوگ خلافت کو ملوکیت[ا] کی طرف لے جانے والے تھے انھوں نے صحابہ کرام کے مطالبہ خون عثمان کے طریقہ کو جاہلانہ اقدام قرار دیا ہے۔ چنانچہ بڑے غیظ وغضب میں لکھتے ہیں:

"ظاہر ہے یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اٹھ کھڑا ہو اور جو طریقہ چاہے اسے پورا کرانے کیلئے استعمال کرے۔ (ص ۱۲۴)

مزید ان صحابہ کرام یعنی حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ کے مطالبۂ خونِ عثمان کو ناحق اور غیر آئینی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریقہ کار یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اس کے کہ وہ جاکر اپنا مطالبہ پیش کرتا، جہاں خلیفہ، مجرمین، اور مقتول کے ورثا رسب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جاسکتی تھی بصرے کا رخ کیا اور فوج جمع کرکے خون عثمان کا بدلہ لینے کی کوشش کی (ص ۱۲۶)

پھر ان صحابہ کرام کے اس اقدام کو خلافِ شریعت بتلاتے ہوئے نہایت غیظ میں

بقیہ گذشتہ صفحہ ۷

مسلم بن مخلد ابوسعید، محمد بن سلمہ، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، کعب بن عجرہ، قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن سلام، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص، صہیب، سلمان سلامہ، اسامہ بن زید (البدایہ ص ۲۲۶ ج ۷)

[ا] یاد رہے کہ مولانا کے نزدیک "ملوکیت" جاہلانہ نظام ہے مد

آگے فرماتے ہیں :

"شریعتِ الٰہی تو درکنار، دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جا سکتا۔" (ص ۱۲۴، ۱۲۵)

حضرت معاویہؓ کے بارے میں لکھتے ہیں :

اس سے بدرجہا غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہؓ کا تھا۔ ص۱۲۵

اور ٹیپ کا آخری بند بھی سن لیجئے۔

"یہ سب کچھ دورِ اسلام کے نظامِ حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کے قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے۔" (ص۱۲۵)

یعنی مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عائشہ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت معاویہؓ وغیرہ کا یہ طریقہ جو انھوں نے قصاص عثمان کے مطالبہ کے لیئے اختیار کیا تھا۔

(۱) غیر آئینی اور غیر شرعی تھا

(۲) جو شرعی طریقہ ان صحابہ کرام کو اپنانا چاہیئے تھا اس کے بجائے انھوں نے جاہلیت کے زمانہ کے طریقہ کو اپنایا تھا۔

(۳) ان صحابہ کرام کو گویا یہ معلوم نہیں تھا کہ کسی مطالبہ کو پیش کرنے کیلئے آئینی اور شرعی طریقہ کیا ہے۔

(۴) جاہلیی اور اسلامی، آئینی اور غیر آئینی طریقہ میں وہ امتیاز نہ کر سکے یا قصداً انھوں نے شرعی طریقہ کو چھوڑ کر غیر شرعی اور آئینی کو چھوڑ کر غیر آئینی اور اسلامی کو چھوڑ کر غیر اسلامی طریقہ اپنایا۔

یہ ہے مولانا مودودی کا ان صحابہ کرام کے بارے میں نقطۂ نظر جن کے علم و تفقہ کے آگے مسلمانوں کے سر جھکے ہوئے ہیں، کیا صحابہ کرام کا یہ مقدس گروہ آنحضورؐ کی وفات کے فوراً بعد یک بیک جاہلی نظام اور جاہلیت کی طرف اس تیزی سے جھکتا چلا گیا تھا ؟ تو پھر

آنحضورؐ کی تعلیم و تربیت کا ان پر اثر کیا رہا ؟ اور آپ کے فیض صحبت سے انکی باطنی زندگی میں کون سا انقلاب برپا ہوا ؟ ذرا اندازہ لگائیے کہ جب آدمی محض اپنے ذاتی مطالعہ پر کسی تحقیق کی بنیاد رکھتا ہے تو یہ تحقیق اس کو راہِ حق سے گمراہی کے راستے پر لیجاتی ہے ۔

حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ پر مولانا مودودی کا اعتراض

مولانا مودودی نے اپنی اس کتاب میں حضرت معاویہؓ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت مغیرہ اور ان میں خاص طور پر اول الذکر کے بارے میں سخت لب و لہجہ میں گفتگو کی ہے، ہمیں ان کی عبارتیں پڑھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کوئی شیعہ یا کوئی اور دشمن دین اس سے بدتر انداز گفتگو ان حضرات کے بارے میں اور کیا اختیار کر سکتا ہے ؟ کسی صحابیٔ رسول کے بارے میں ان بیہودہ عبارتوں کا نقل کرنا نفس پر بڑا شاق ہے مگر ہمیں نفس کی انتہائی کراہت کے باوجود اس فریضہ کو انجام دینا ہے تاکہ صحابہ کرام کے بارے میں مولانا مودودی کا موقف واضح ہوسکے ۔

مولانا مودودی اپنی اس کتاب کے صـ۱۳۲ پر لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور ان کی کٹی ہوئی انگلیاں منظر عام پر لٹکا دیں، کیوں! "تاکہ اہل شام کے جذبات بھڑک اٹھیں ۔

اور اس سے حضرت معاویہؓ کا مقصد کیا تھا وہ بھی سن لیجئے ، مولانا فرماتے ہیں:

"یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہؓ خون عثمان کا بدلہ قانون کے راستے سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں "

ایک جگہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں ارشاد ہے :

" اس کے صاف معنی یہ تھے کہ شام کا گورنر (حضرت معاویہ) صرف اطاعت ہی سے منحرف نہیں ہے بلکہ اپنے صوبہ کی پوری فوجی طاقت مرکزی حکومت سے لڑنے کیلئے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس کے پیش نظر تلین

عثمان سے نہیں بلکہ خلیفۂ وقت سے خون عثمان کا بدلہ لینا ہے۔" ص۱۳۲

حضرت معاویہ نے حضرت عمرو بن عاص کے ساتھ حضرت علیؓ کے جنگ لڑنے کے لئے ایک سازش رچی، وہ کیا! مولانا فرماتے ہیں:

پھر حضرت عمرو بن عاص کے مشورہ سے انھوں نے (حضرت معاویہ نے) یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے۔ ص۱۳۴

اور اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان صحابہ کرام نے جھوٹے گواہ تیار کئے چنانچہ مولانا موصوف رقمطراز ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ نے دمشق میں شام کے با اثر لوگوں سے ملاقاتیں کرکے ان کو یقین دلایا کہ خون عثمان کی ذمہ داری سے حضرت علیؓ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت معاویہ کو اس سے تشویش لاحق ہوئی اور انھوں نے ایک صاحب کو اس کام پر مامور کیا کہ کچھ ایسے گواہ تیار کریں جو اہل شام کے سامنے یہ شہادت دیدیں کہ حضرت علیؓ ہی حضرت عثمان کے قتل کے ذمہ دار ہیں چنانچہ وہ صاحب پانچ گواہ تیار کرکے لے آئے اور انھوں نے لوگوں کے سامنے یہ شہادت دی کہ حضرت علی نے حضرت عثمان کا قتل کیا ہے۔" ص۱۳۵

یہ ہے صحابہ کرام اور قرن اول کے لوگوں کی وہ تصویر جو ہمارے سامنے اور ہماری نسل کے لئے حضرت مولانا پیش کر رہے ہیں اور الحمدللہ یہ بھی دین کی خدمت ہی ہے اور نئی نسل کو اسلامی تاریخ کے غلط تصور سے بچانا ہے تاکہ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے اور اپنی روشن تاریخ سے واقف رہے۔

ص ۱۳۹ پر مولانا حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاص کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"حضرت عمار کی شہادت کے دوسرے روز ۱۰ ر صفر کو سخت معرکہ برپا ہوا جس میں حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہونچ گئی اور اس وقت حضرت عمرو بن

عاص نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے "ھٰذا حکم بیننا و بینکم" اس کی مصلحت خود حضرت عمرو نے یہ بتائی کہ اس سے حضرت علی کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی"

اس کے بعد مولانا مودودی نے حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص کی نیت پر سخت حملہ کیا ہے اور یوں رقم طراز ہوئے ہیں۔

"اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی، قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا" (ص ۱۲۹)

یعنی ان صحابہ کرام نے قرآن کو محض نامشروع کام کے لئے استعمال کیا اور اس کی حرمت و تقدیس بڑی بے تکلفی کے ساتھ پامال کر دیا۔

ص ۱۴۱ ص ۱۴۲ میں تحکیم کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مولانا مودودی نے صحابہ کرام کی خصوصاً حضرت عمرو بن العاص کی بڑی گندی تصویر پیش کی ہے جس میں ان کو خائن، بدعہد، فاجر وغیرہ دکھلانے کی پوری کوشش کی ہے، اگرچہ یہ الفاظ صاف صاف تو وہ ان کے حق میں نہیں استعمال کر سکے مگر انھوں نے ان دو صفحوں میں صحابہ کرام کو انھیں اوصاف سے متصف دکھلانے کی پوری کوشش کی ہے اگر ان کو نقل کرنے جاؤں تو یہ اقتباس بڑا طویل ہو جائے گا، آپ خود اس کو اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت معاویہؓ کے باب میں مولانا مودودی کا ذہن بڑا مسموم ہے، ان کا قلم ان کے خلاف زہر پر زہر اگلتا چلا جا رہا ہے اور وہ ان کو گندے سے گندے الزام میں بھی متہم کرتے ہوئے باک محسوس نہیں کرتے۔

ص ۱۴۳ پر رقمطراز ہیں:

"حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا، بصیرت رکھنے والے لوگ اسی مرحلے میں یہ سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ

در پیش ہے "

ص۱۴۸ پر حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنے جذبات کا یوں اظہار کرتے ہیں :

" لیکن اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لئے خوف و طمع کے ذرائع سے
بیعت لے کر انھوں نے اس امکان کا (یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے
بحال رہنے کا) بھی خاتمہ کر دیا ۔

یزید کی ولی عہدی کس طرح عمل میں آئی ؟ اس کی جو تصویر مولانا مودودی نے پیش کی
ہے وہ خطرناک حد تک تکلیف دہ ہے ۔ لیکن مولانا ہیں کہ لذت نفس کے ساتھ بڑی
دراز نفسی سے بیان کر رہے ہیں ۔ دل پر جبر کر کے آپ بھی ان کا یہ بیان سن لیں ۔

" اور اس تجویز کی ابتدا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی طرف سے ہوئی، حضرت
معاویہؓ انھیں کوفے کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انھیں
اس کی خبر مل گئی فوراً کوفے سے دمشق پہونچے اور یزید سے مل کر کہا کہ صحابہ
کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں میری
سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمہارے لئے بیعت لینے میں تامل
کیوں کر رہے ہیں ص۱۴۸

اور پھر حضرت معاویہؓ سے کہا :

" اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت
لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو، حضرت معاویہؓ
نے پوچھا کہ اس کام کا پورا کرا دینے کی ذمہ داری کون لے گا ؟ انھوں نے
کہا کہ اہل کوفہ کو میں سنبھال لوں گا اور اہل بصرہ کو زیاد اس کے بعد پھر
کوئی مخالفت کرنے والا نہیں ہے "

(جاری)

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری قسط ۔ ۱۲

بریلوی مذہب پر ایک نظر

انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا عین قانونِ اسلامی ہے

مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں :

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانونِ اسلامی اور منشاء الٰہی کے بالکل مطابق ہے ۔ (ایضاً ص ۲۴۳)

فائدہ :۔ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا چاہے قانونِ اسلامی اور منشاء الٰہی کے مطابق ہو یا نہ ہو مگر اس تقریر سے اتنا تو ضرور ظاہر ہو گیا کہ بریلوی حضرات کا یہی مذہب اور یہی دین ہے ۔

غیر خدا سے مدد مانگنا واجب ہوتا ہے

مفتی صاحب قبلہ لکھتے ہیں :

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) غیر خدا سے مدد مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہوتا ہے ۔ (ایضاً ص ۲۴۹)

فائدہ :۔ رضاخانی شریعت کا یہ مسئلہ ہے، رضاخانی یاد کر لے اور مفتی صاحب سے ذرا معلوم کرے کہ غیر خدا تو گدھا بھینس، گائے، کتا، بکری، چیل، کوا، اینٹا، پتھر، لوہا، کوتیلا، گھانس، پھونس بھی ہیں، کیا ان سب سے مدد مانگنا

واجب ہے۔ مفتی صاحب جو فرمائیں رضاخانی اس پر عمل کریں۔

بدعت کسے کہتے ہیں

مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:

بدعت کے شرعی معنی ہیں، وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے، نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی، بدعت اعتقادی، بدعت عملی۔ (جاء الحق ص ۲۵۱)

فائدہ :۔ مفتی صاحب کی یہ تعریف بریلوی حضرات یاد رکھیں اور فرمائیں کہ عرس، فاتحہ، نیاز، قوالی، تعزیہ کا چوک، تعزیہ، نیز آنحضور کو بشر نہ ماننا آپ کو عالم الغیب کہنا، آپ کو مالک و مختار سمجھنا، آپ کو نفع و ضرر کا مالک جاننا، آپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا، کیا اس کا ثبوت ہے کہ کیا صحابہ کرام یہ چیزیں کیا کرتے تھے، یا ان کا انبیاء و اولیاء کے بارے میں یہی اعتقاد تھا، اگر نہیں تو بریلوی لوگ بدعت اعتقادی و بدعت عملی میں دونوں بدعتوں میں گرفتار نہیں تو بریلوی لوگ بدعتِ اعتقادی و بدعتِ عملی میں دونوں بدعتوں میں گرفتار ہیں۔

دین عقائد کا نام ہے

مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں:

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد جو شخص اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے، ہم نے ما کے معنی عقیدے اسلئے کئے ہیں کہ دین عقائد ہی کا نام ہے۔ (ایضاً ص ۲۵۲)

فائدہ :۔ مفتی صاحب کا ترجمہ غلط ہے۔ اس لئے کہ ما عام ہے اعمال اور عقیدے سب کو شامل ہے۔ اور حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو غیر شرعی

عقیدے اور عمل ایجاد کئے جائیں گے جن کا دین سے کوئی ثبوت نہ ہو وہ مردود ہے، اور وہ عقیدہ یا عمل اختیار کرنے والا بدعتی کہلائے گا، لیکن مفتی صاحب چونکہ اپنے بدعتی مذہب کے رسوم و اعمال کو صحیح قرار دینا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے انھوں نے حدیث کے ترجمہ میں تحریف کی ہے۔ اور اپنا من مانا ترجمہ کیا ہے، البتہ اس سے اتنی بات ضرور معلوم ہوئی کہ بریلوی مذہب میں دین صرف عقائد کا نام ہے۔ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اذان کے علاوہ جو اعمال ہیں ان کو دین نہیں کہا جائیگا۔

صحابہؓ کے زمانہ میں جو دینی کام ہوئے ہیں وہ بدعت ہیں

مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں:

بدعت عملی وہ کام ہے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہو خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہو یا اس کے بعد۔ (ایضاً ص ۲۵۳)

فائدہ:۔ صحابہ کرامؓ کے کام کو بدعت کہنا یہ بریلوی مذہب کی نئی ایجاد ہے، علمائے امت تو صحابہؓ کے عمل کو بھی سنت کہتے ہیں۔ خود حدیث بھی اس کی شاہد ہے۔ آنحضور کا ارشاد ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

میلاد بدعت ہے

مفتی صاحب کہتے ہیں:

بدعت عملی کی دو قسم اس بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ، بدعت حسنہ وہ دنیا کا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو، جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے۔ (ایضاً ص ۲۵۴)

فائدہ:۔ اس عبارت سے اتنا تو معلوم ہی ہوگیا کہ میلاد کے نام سے جو چیز ہے وہ بدعت ہے اور بعد کی پیداوار ہے، اور اس کا درجہ وہی ہے جو عمدہ عمدہ

کھانے کا ہے ۔ مفتی صاحب کی یاد داشت کی داد بھی دیجئے کہ انھوں نے اس موقع پر بھی عمدہ عمدہ کھانے کو یاد رکھا۔ ہاں اتنا سوال مفتی صاحب سے ضرور کوئی کرے کہ عمدہ عمدہ کھانے ہی کیوں بدعت ہیں معمولی قسم کے کھانے بدعت کیوں نہیں ؟

فاتحہ بزرگان اور میلاد نہ کرنے والا گناہ گار نہ ہوگا

مفتی صاحب فرماتے ہیں :

"بدعتِ مستحبہ، وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کارِ ثواب جانتے ہوں۔ یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے۔ جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں اس کو کرنے والا ثواب پاوے گا اور نہ کرنے والا گنہگار نہ ہوگا ۔ (ص ۲۵۷)

فائدہ :- معلوم ہوا کہ محفل میلاد اور فاتحہ بزرگان کی آنحضورؐ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں کوئی اصل نہ تھی ورنہ یہ چیز بدعت نہ ہوتی اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا کرنیوالا گنہگار نہیں ہوتا ہے ۔ بریلوی حضرات جو میلاد اور فاتحہ نہ کرے اس کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے مذہب کا یہ مسئلہ معلوم نہیں۔ ذرا مفتی صاحب یہ بھی فرمائیں کہ کسی بدعت کو وجوب کا درجہ دینے والے کا کیا حکم ہے ؟ کہیں وہ بدعت اعتقادی میں تو مبتلا نہیں ؟

میلاد شریف قرآن وحدیث، اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں :

میلاد شریف قرآن واحادیث واقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے۔ (ایضاً ص ۲۶۲)

فائدہ :- ابھی مفتی صاحب نے میلاد کو بدعت اور آنحضور کے زمانہ کے

بعد کی ایجاد بتلایا ہے، اور اب فرماتے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے گویا بریلوی مذہب میں جو چیز قرآن وحدیث سے ثابت ہو وہ بھی بدعت ہوتی ہے۔

اللہ اپنے کاموں میں رسولؐ کی امداد کا محتاج ہے

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں:

خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رہے اور تین سو سال تک رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پاک ہوا، رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر بغیر میرے محبوبؐ کی امداد کے پاک نہیں ہو سکتا۔ (ایضاً ص ۲۲۹)

فائدہ:- اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ کسی کام میں کسی کا محتاج ہے صریح کفر ہے۔ مفتی صاحب کو اس پر غور کرنا چاہیئے۔

اگر جائز کام میں ناجائز کام مل جائے تو بھی جائز ہے

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں:

مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ایضاً ص ۲۹۲

فائدہ:- مفتی صاحب نے بریلوی حضرات کیلئے یہ وہ نکتہ بیان کر دیا ہے کہ اب ان کیلئے کوئی ناجائز کام باقی ہی نہیں رہے گا۔ تجارت حلال ہے اور سود حرام ہے۔ وہ تاجر جو سود والی تجارت کرے جب بھی وہ تجارت جائز رہے گی اسلئے کہ حلال کام میں حرام کے مل جانے سے حلال کام حرام نہیں ہو جاتا ہے، میلاد جائز ہے اور ناچ حرام اگر محفل میلاد میں ناچ بھی ہو تب بھی وہ میلاد جائز اسلئے کہ حلال کام میں حرام کے مل جانے سے وہ حلال حرام نہیں ہو جاتا۔ ربیع الاول کا جلوس نکالنا جائز اور کفریہ مضامین کے اشعار پڑھنا ناجائز لیکن اس جلوس میں کفریہ اشعار بھی گائے جائیں جب بھی وہ جلوس جائز رہے گا اسلئے کہ حلال کام میں حرام کے ملجانے سے وہ حلال کام حرام نہیں ہو جاتا اس پر اور چیزوں کو قیاس کرتے چلے جاؤ۔

امام صاحب کے قول کے ہوتے ہوئے دلائلِ شرعیہ کی ضرورت نہیں

مفتی صاحب لکھتے ہیں :

" جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل کو اپنے لیئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے " (ص ۱۶ ایضاً)

فائدہ :- ایک مسلمان کے نزدیک کسی کا قول وفعل کوئی چیز نہیں ہے، اصل دلائل شرعیہ ہیں اگر شریعت کے مطابق کسی کا قول وفعل ہوگا قبول کیا جائے گا ورنہ رد کر دیا جائے گا۔ مفتی صاحب حنفیت کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں، امام صاحب کا خود ارشاد ہے جو حدیث صحیح ہے وہی ہمارا مذہب ہے۔

بوڑھی عورتیں باپ دادا کے رسموں کی پیروی کریں تو ناجائز! مگر جوان عورتیں یا مرد کریں تو ؟

مفتی صاحب لکھتے ہیں :

" بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی رسموں کی پابندی کریں جو خلافِ شریعت ہے تو حرام ہے۔ (جاءالحق ص ۱۷)

فائدہ :- سنا آپ نے مفتی یار محمد خاں کا فرمان عالی، اگر خلاف شریعت رسموں کا بوڑھی عورتیں پابندی کریں تو حرام ہے لیکن اگر مرد یا جوان عورتیں ان حرام اور غیر شرعی رسموں کی پابندی کریں تو جائز، یہ ہے وہ فتویٰ جو بریلوی مسلک کی مسند افتاء سے جاری ہوا ہے۔

کون سا علم غیب ہے

مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

مدارک کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب

ہی نہیں کہا جاتا، غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں
علم غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے۔ (ص۱۱ ایضاً)

فائدہ:۔ ذرا مفتی صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ حضرات آنحضور کو تب
عالم الغیب کیوں کہتے ہیں اس لئے کہ غیب وہ علم ہے جو ذاتی ہو اور حضور کا علم آپ حضرات
کے یہاں ذاتی نہیں عطائی ہے اور علم عطائی پر غیب کا اطلاق نہیں ہوگا تو پھر آنحضور کو عالم الغیب
کہنا باطل ہوا، بس آپ توبہ کریں اور آنحضور کو عالم الغیب نہ کہیں۔

قل انما انا بشر مثلکم کا مطلب

مفتی یار محمد خاں قل انما انا بشر مثلکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے۔ چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے۔
لہذا فرمایا گیا اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں میں تمہاری ہی جنس سے ہوں۔ یعنی بشر ہوں۔
(ایضاً ص ۲۰۴)

فائدہ:۔ مفتی صاحب نے یہاں تو تسلیم کر لیا کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
بشر ہیں۔ البتہ ان کی ذات اور شان رسول میں گستاخی ہے کہ وہ آنحضور کو کفار کے جنس کا
قرار دے رہے ہیں۔ کوئی صاحب ایمان یہ پیرایہ بیان کیوں کر اختیار کر سکتا ہے۔

مفتی صاحب نے اس کے بعد ایک عجیب بات لکھی ہے۔ اس کو بھی سن لیجئے کہتے ہیں۔
شکاری جانوروں سے جیسی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو اپنی طرف مائل
کرنا مقصود ہے۔ (ایضاً)

یعنی مفتی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور کا کفار سے یہ کہنا اسی طرح کا ہے جس طرح
شکاری اپنے شکار کو شکار کرنے کے لئے اس جیسی آواز نکالتا ہے یعنی وہ اس جیسا جانور تو نہیں
ہوتا ہے۔ مگر اپنے کو اس جیسا جانور ظاہر کرتا ہے تاکہ وہ شکار اس کو اپنے ہی جنس کا جانور سمجھ کر
اس کی طرف آجائے تو گویا آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حقیقت میں بشر تو نہیں ہیں لیکن کفار

کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے آپ اپنے کو جھوٹ بشر ظاہر کیا جس طرح شکاری شکار جیسی جھوٹی آواز نکالتا ہے۔ دیکھا خاں صاحب کہاں پہونچے۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان کلام الٰہی یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گستاخانہ کلام بھی کر سکتا ہے۔

محض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کوئی اثر نہیں رکھتی ہے

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں۔

"اور دوسرے یہ کہ عذاب کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے، اگر محض دعا سے کمی ہوتی تو حدیث میں خشک ہونے کی قید کیوں لگائی جاتی"

(جاء الحق ص ۲۵۶)

فائدہ :- گویا مفتی صاحب کے یہاں حضورؐ کی دعا بے اثر اور سبزہ با اثر، عذاب کی کمی سبزہ کی برکت سے تو ہو سکتی ہے مگر محض حضور کی دعا سے نہیں، خدا ان جاہلوں سے سمجھے، بارگاہ رسالت میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی گستاخی ہو سکتی ہے؟

دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور سے مانگو

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں

شیخ عبد الحق کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، اولاد مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو۔ (ایضاً ص ۲۳۰)

فائدہ :- بریلوی حضرات ذرا شرم کرتے ہیں اور کھل کر آنحضور کو خدا نہیں کہتے، ورنہ آنحضور کے بارے میں جو ان کا عقیدہ ہے وہ خدائیت ہی کا ہے۔ مفتی احمد یار کی یہ عبارت اس کا ثبوت ہے۔

(جاری)

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

ایسی سلفیت سے خدا بچائے

سیر اعلام النبلاء حافظ ذہبی کی مشہور کتاب ہے، اس کتاب میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ تک کی اسلامی دنیا کی ممتاز شخصیتوں کا تذکرہ کیا ہے، ان مذکورہ شخصیتوں کا تعلق مختلف طبقات سے ہے، ان میں فقہاء بھی ہیں، محدثین بھی ہیں، اولیاء اللہ اور اہل تصوف بھی ہیں، حکماء بھی ہیں، ادباء بھی، ملوک اور وزراء بھی ہیں، اطباء اور شعراء بھی ہیں غرض یہ کتاب اسلامی دنیا کی ممتاز شخصیتوں کا تعارف حاصل کرنے کا بہترین خزانہ ہے یہ کتاب دار الحدیث قاہرہ سے اٹھارہ جلدوں میں چھپی ہے، اس کتاب کے محقق اور معلق استاذ محمد ایمن شبراوی ہیں، یہ صاحب مزاجاً و عقیدۃً سلفی المسلک ہیں، اس کتاب کی تحقیق و تعلیق میں ان کی سلفیت جگہ جگہ نظر آتی ہے، بعض جگہ تو ان کا کلام ایسا ہوتا ہے کہ بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور زبان سے بے اختیار نکلتا ہے کہ اگر سلفیت یہی ہے تو ایسی سلفیت سے خدا بچائے، آئیے ان سلفیت زدہ محقق صاحب کی سلفیت کا آپ بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جو خود عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ ابن تیمیہ کے بڑے مداحوں میں سے ہیں، اس کتاب کی تیرہویں جلد میں انھوں نے ابن فورک اصبہانی کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کو شروع ترجمہ میں ان القاب سے یاد کیا ہے۔ الامام العلامة الصالح شيخ المتكلمين ابو بكر محمد بن الحسن بن فورك الاصبهاني

اور لکھاہے کہ قال عبد الغفار فی "سیاق التاریخ" الاستاذ ابو بکر قبرہ بالحیرۃ یستسقیٰ بہٖ۔ یعنی عبد الغفار نے "سیاق التاریخ" میں کہا ہے کہ ابو بکر کی قبر مقام حیرہ میں ہے اور اس کے ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے، یعنی جب بارش نہیں ہوتی ہے اور لوگ قحط میں ہوتے ہیں تو ان کی قبر کے پاس جاتے ہیں اور وہاں خدائے تعالیٰ سے بارش کے لئے دعا کرتے ہیں تو اس قبر کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتے ہیں۔

اور قاضی ابن خلقان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ بزرگ بغداد میں مدت تک درس دیتے رہے، پھر رے گئے وہاں مبتدعہ نے یعنی کرامیہ فرقہ کے لوگوں نے ان کے خلاف سازش رچی تو نیشاپور کے لوگوں نے ان سے خط و کتابت کر کے نیشاپور بلا لیا اور ان کیلئے ایک مدرسہ قائم کیا وظہرت برکتہ علی المتفقھۃ یعنی ان کی برکت فقہ کا علم حاصل کرنیوالوں پر ظاہر ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انکی برکت سے علماء کا ایک طبقہ پیدا کیا جو علوم شریعت کا ماہر تھا، ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو کے قریب ہے پھر ان کو غزنہ بلایا گیا۔ مبتدعین سے غزنہ میں ان کا مناظرہ کرامیہ فرقہ سے ہوتا رہا، پھر وہ غزنہ سے نیشاپور واپس ہو رہے تھے کہ دشمنوں نے راستہ میں ان کو زہر دیدیا، جس کے سبب "بُست"(۱) مقام کے پاس پہونچتے پہونچتے انکی موت ہوگئی، انکی لاش نیشاپور لائی گئی، پھر حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ابن خلقان کے حوالہ سے لکھتے ہیں ومشھدہ بالحیرۃ یزار ویستجاب عندہ الدعاء یعنی انکی قبر حیرہ میں ہے لوگ انکی زیارت کو آتے ہیں اور اس جگہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

امام ذہبی جیسا امام حدیث تو اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا اور قبروں کی زیارت اور اللہ والوں کی قبر کے پاس دعاؤں کے قبول ہونے میں اس کو کوئی اشکال نہیں ہے اور نہ یہ بات اس کو کتاب و سنت اور شریعت کے خلاف نظر آتی ہے، مگر جو سلفی اس

---

(۱) بُست سجستان اور غزنی وہراۃ کے درمیان ایک شہر ہے۔

کتاب کے محقق ہیں، وہ اس پر جو حاشیہ چڑھاتے ہیں اسے آپ پڑھئے اور اگر خدا توفیق دے تو انکی سلفیت پر لاحول پڑھئے۔

ویستجاب عندہ پر حاشیہ سلفی صاحب لگاتے ہیں۔

الدعاء عند قبور الانبیاء والصالحین من البدع المنکرۃ التی لا یقرھا الشرع وھو ذریعۃ الی الشرک۔

یعنی انبیاء (علیہم السلام) اور صالحین کی قبر کے پاس دعا کرنا بڑی خراب بدعتوں میں سے ہے جس کو شریعت روا نہیں رکھتی ہے اور وہ شرک کا ذریعہ ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

وقد کان صحابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد احدھم ان یدعو لنفسہ استقبل القبلۃ ودعا فی مسجدہ کما کانوا یفعلون فی حیاتہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) میں کا کوئی جب اپنے لئے دعا کرتا تھا تو قبلہ کی طرف رخ کرتا تھا اور مسجد میں دعا کرتا تھا جیسا کہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے۔

وکل من یقصد زیارۃ القبر ای قبر ولو کان قبر سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم للدعاء عندہ فھو ضال مبتدع۔

اور جو بھی کسی بھی قبر کے پاس جا کر دعا کا قصد کرے خواہ وہ سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہی کیوں نہ ہو، پس وہ شخص گمراہ اور بدعتی ہے۔

ہائے ظالم یہ تو نے کیا کہہ دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پاک کا نام لینا بھی یہاں تیرے لئے ضروری تھا، لعنت ہے تیری سلفیت پر اور لعنت ہے اس قلم پر جس کی زبان سے یہ گندی عبارت نکلی ہے، اس حاشیہ نگار نے ایک ارشاد پاک رسول کا نقل کیا ہوتا کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ قبروں کے پاس دعا مانگنا ناجائز ہے، خلافِ

شرعاً ہے، شرک ہے، بدعت ہے، اگر اسے حضورؐ کا کوئی ارشاد صحیح یا ضعیف نہیں ملا تو خلفائے راشدین سے اس کی ممانعت نقل کی ہوتی، کسی صحابی سے، کسی تابعی سے کسی امام فقہ وحدیث سے قبروں کے پاس بطور خصوص حضور فداہ ابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے پاس دعا کرنے کی ممانعت ذکر کی ہوتی، اس حاشیہ نگار نے صرف دعویٰ کیا اور دلیل نہ اسے کتاب اللہ سے ملی، نہ حدیث رسول اللہ سے نہ صحابہ کرام کے قول سے، نہ کسی امام فقہ وحدیث کے ارشاد سے، دعویٰ بس دعویٰ نرا دعویٰ کھوکھلا دعویٰ۔

حدیث پاک میں انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کیا گیا ہے قبروں کو سجدہ گاہ بنانا یعنی ان قبروں کو سجدہ کرنا اور قبروں کے پاس اللہ سے دعا کرنا ان دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، مگر محشی محترم سجدہ گاہ بنانے والی حدیث کو قبروں کے پاس اللہ سے دعا کرنے پر فٹ کر رہے ہیں، اور اس غلط کاری کا ان کو ذرا احساس نہیں ہوتا، اور اگر محشی صاحب کے یہاں قبروں پر سجدہ کرنا اور قبروں کے پاس دعا کرنا ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے تو تف ہے ایسی علمیت پر، اس علم کے بل بوتے پر جو انبیاء علیہم السلام کا نام لے کر اور خصوصاً سید الخلق صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر پاک کو خاص کر کے قبروں پر دعا کرنے کو حرام ناجائز اور شرک وبدعت بتائے، تو وہ یقیناً بہت بڑا جاہل ہے۔

کوئی صحیح العقیدہ مسلمان رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو براہ راست نافع وضار نہیں سمجھتا، وہ دعا خدا ہی سے کرتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ محتاط علمائے کرام نے یہ لکھا ہے کہ قبر مبارک کے پاس اگر دعا کی جائے تو رخ قبلہ کی طرف کرے، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ خود صاحب قبر سے دعا مانگی جارہی ہے، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دعا کی قبولیت اور اس کے با اثر ہونے میں زمان ومکان کی بھی بڑی اہمیت ہے، جو جگہ جتنی متبرک ومقدس ہوگی یا جو زمانہ جتنا مقدس ومتبرک ہوگا وہاں دعا کی قبولیت کے زیادہ آثار ہوتے ہیں، خانہ کعبہ کا تعلق براہ راست بارگاہ خداوندی سے ہے وہ تجلیات الٰہی کا مرکز ہے اس وجہ سے وہاں پر دعا کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے، رمضان مبارک

کی جو اہمیت ہے وہ دوسرے مہینوں کی نہیں ہے اس وجہ سے اس ماہ میں جو دعا کی جائے اس کا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونا زیادہ ارجیٰ ہے، غرض دعا کے مقبول ہونے میں زمان کا بھی اثر ہوتا ہے اور مکان کا بھی اثر ہوتا ہے، تو وہ جگہ جہاں پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ہو اور جو جگہ کہ زمین و آسمان میں جتنی جگہیں ہیں ان میں سب سے زیادہ مقدس و مبارک ہو وہاں پر دعا کرنے کی تاثیر کا کیا عالم ہوگا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور یہی وجہ ہے کہ تمام اکابر اہل سنت سلفا وخلفا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دعا کرنے کو عین سعادت سمجھتے رہے ہیں، موجودہ زمانہ کے سلفیوں کے علاوہ گزشتہ زمانہ کے تمام سلف کا یہی عقیدہ رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قبروں کے پاس دعا کرنے کا ثبوت تو ہے مگر اس سے انکار ان سے ثابت نہیں ہے۔

اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کی معاذ اللہ کوئی حقیقت نہیں ہے نہ وہ بابرکت جگہ ہے کہ اس کی برکت سے بندوں کی دعائیں اللہ قبول فرمائے، تو یہ محشی صاحب جن کا نام محمد امین الشبرادی ہے، امام بخاری کے بارے میں کیا فرمائیں گے اور ان کی کتاب بخاری شریف کے بارے میں ان کا کیا ارشاد ہوگا، حافظ ابن حجر شارح بخاری مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف کو جو یہ مقبولیتِ عامہ حاصل ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کتاب کے تراجم کی تبییض روضہ شریف اور منبر نبوی کے پاس کی تھی۔ لیجئے حافظ ابن حجر کی پوری عبارت پڑھئے فرماتے ہیں:

وانما بلغت هذه الرتبة وفازت بهذه الحظوة لسبب عظيم اوجب عظمها وهو ما رواه احمد بن عدي عن عبد القدوس، قال: شهدت عدة مشايخ يقولون حول البخاري تراجم جامعه۔ يعني بيضها بين قبر النبي صلى الله عليه وسلم ومنبره وكان يصلي لكل ترجمة ركعتين۔

یعنی بخاری شریف کو یہ عظیم رتبہ جو حاصل ہوا ہے اس کی ایک بڑی وجہ ہے اسی نے

اس کی عظمت کو قائم کیا ہے، اور وہ وجہ وہ ہے جس کو ابو احمد بن عدی قدوس بن ہمام سے روایت کرتے ہیں، عبدالقدوس فرماتے ہیں کہ میں نے متعدد مشائخ سے سنا ہے کہ امام بخاری نے بخاری شریف کے تراجم کی تبییض حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر اور منبر نبوی کے مابین بیٹھ کر کے کی تھی، اور ہر ترجمہ پر دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ (مقدمہ ص ۱۳)

اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بالکل عام سی جگہ ہے تو آخر امام المحدثین امام بخاری نے بخاری شریف کے تراجم کی تبییض کیلئے اسی جگہ کا کیوں انتخاب کیا؟ اس سے امام بخاری کا مقصود قبر شریف اور منبر شریف سے فیض حاصل کرنا نہیں تھا تو اور کیا تھا؟

خیر یہ تو بخاری شریف کا قصہ ہے، امام بخاری اپنی کتاب تاریخ کے بارے میں خود فرماتے ہیں۔ صنفت التاریخ فی المدینۃ عند قبر النبی صلے اللہ علیہ وسلم

(مقدمہ ص ۴۷۸)

یعنی میں نے تاریخ کی تصنیف مدینہ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کے پاس کی ہے۔

میں ان سلفیوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کون ایسے دم خم والا ہے جس کی سلفیت امام بخاری سے بھی بڑھی ہو، اور کتاب وسنت پر جس کی نگاہ امام المحدثین سے بھی زیادہ ہو، اور جو شریعت میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز اس کا جاننے والا امام ممدوح سے بھی بڑھ کر ہو؟

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ امام بخاری کو تو حضور کی قبر اور اس کے آس پاس کا حصہ ایسا بابرکت نظر آئے کہ وہ مسجد نبوی کی ساری جگہوں کو چھوڑ کر منبر اور قبر شریف ہی کی جگہ کو تصنیف وتالیف کیلئے اختیار کریں اور سلفیت کی مار کا آج کا مارا طبقہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنے کو بدعت، شرک اور گمراہی بتلائے۔ ہائے بد بختو تم کہاں سے کہاں پہنچ گئے؟

سعودیہ کے سابق رئیس الافتا شیخ ابن باز بھی پکے سلفی تھے بلکہ سلفیت کا موجودہ

عروج انھیں کا فیض ہے، مگر اس شیخ السلفیہ کو بھی اتنی جرأت نہ ہو سکی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و تبرکات کے بابرکت ہونے کا انکار کر سکیں۔ ابن باز صاحب صالحین اور اولیاء کرام کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کو تو ناجائز بتلاتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و تبرکات سے برکت حاصل ہونے کا انھیں اقرار ہے۔ فرماتے ہیں:

ان التبرك بآثار الصالحين غير جائز وانما يجوز ذلك بالنبي صلى الله عليه وسلم خاصة لما جعل الله في جسده وما ماسه من البركة واما غيره فلا يقاس۔ (حاشیہ فتح الباری ج ۳ ص: ۱۳۰)

یعنی صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت حاصل کرنا بطور خاص جائز ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن مبارک میں اور جو چیز کہ آپ کے بدن مبارک سے لگے۔ اس میں برکت رکھی ہے، پس دوسروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

لیجیئے یہ اس کا فتویٰ ہے جو اپنے زمانہ میں سلفیوں کا سب سے بڑا امام تھا، اس بڑے امام شیخ ابن باز کو بھی جرأت نہ ہو سکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک اور آپ کے جسد مبارک سے جو چیز چھوئی ہوئی اور لگی ہوئی ہو اس کی برکت کا انکار کریں۔ تو اس قبر مبارک کی برکتوں کا اور اس کی فیض رسانیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا جس قبر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود جسد مبارک رکھا ہوا ہو، وہ جگہ قبولیت دعا کیلئے کتنی بابرکت اور پُر اثر جگہ ہوگی؟

افسوس سلفیت کے مرضیٰ کو اس مبارک جگہ پر دعا کرنا شرک و بدعت اور ضلالت نظر آتا ہے۔

اور ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں دنیوی زندگی سے زیادہ قوی تر زندگی کے ساتھ آرام فرما ہیں۔

ابن تیمیہ کا بھی عقیدہ یہی ہے کہ آپ کو قبر شریف میں حیات حاصل ہے۔ ابن تیمیہ

فرماتے ہیں :

" ہم اس کا انکار نہیں کرتے اور نہ اسکو عدم جواز کے باب میں داخل کرتے ہیں جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جماعت نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر سے یا دوسرے صالحین کی قبروں سے سلام کا جواب سنا اور حضرت سعید بن المسیب حرہ کی راتوں میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اذان کی آواز سنتے تھے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۷۳)

تو جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں تو آپ اپنی تمام فیض رسانیوں کے ساتھ زندہ ہیں تو اگر اس جگہ دعا کی جائے یا آپ کے وسیلے سے دعا کیجائے تو اس کا انکار کیوں ؟ اور اس عمل کو گمراہی اور شرک و بدعت قرار دینا کیونکر جائز ہوگا ؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے خاتمۃ المحدثین اور شیخ الاسلام تھے انکی کتاب بخاری کی شرح فتح الباری کے زمانہ تالیف سے لے کر آج تک ڈنکا بج رہا ہے، اور لوگوں کا کہنا ہے کہ جس طرح احادیث کی کتابوں میں بخاری شریف کا کوئی ثانی نہیں ہے اسی طرح بخاری شریف کی شروح میں فتح الباری کے مقابل کی کوئی دوسری شرح نہیں ہے۔ وہ حافظ ابن حجر اس حدیث کی ان الایمان لیارز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی حجرھا۔

(یعنی یقیناً ایمان سمٹ سمٹا کر مدینہ اسی طرح پہونچے گا جس طرح سانپ اپنی بل میں پہونچتا ہے)

شرح میں فرماتے ہیں

کل مومن لہ من نفسہ سائق الی المدینۃ لمحبتہا فی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فیشمل ذالک جمیع الازمنۃ لانہ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم للتعلم منہ وفی زمن الصحابۃ والتابعین وتابعیھم للاقتداء بھدیھم ومن بعد ذلک لزیارۃ

قبرہ صلے اللہ علیہ وسلم والصلاۃ فی مسجدہ والتبرک
بمشاھدۃ آثارہ وآثار اصحابہ (ص ۴۹۶ ج ۴)

یعنی ہر مومن کے قلب میں مدینہ منورہ جانے کا ایک جاذبہ ہوتا ہے اسلئے کہ اسکو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تعلق ہوتا ہے، تو یہ بات تمام زمانوں کو شامل ہوگی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے کے لئے لوگ مدینہ پہونچتے تھے اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں لوگ ان کے اسوۂ زندگی کی اتباع کے لئے مدینہ پہونچتے تھے اور اس کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کیلئے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کیلئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کیلئے مدینہ پہونچتے ہیں ۔

دیکھئے حافظ ابن حجر شارح بخاری شریف اور اپنے زمانہ کے علم حدیث کے سب سے بڑے عالم کیا فرما گئے ، فرما رہے ہیں کہ ہر صاحب ایمان کے دل میں یہ داعیہ ہوتا ہے کہ وہ مدینہ پاک اس وجہ سے جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرے اور آپ کی مسجد میں نماز ادا کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور آپ کے اصحاب کے آثار سے تبرک حاصل کرے، گویا ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن کے دل میں یہ داعیہ اور یہ شوق اور یہ جذبہ ضرور ہو، اگر اس کا دل اس شوق اور اس جاذبہ سے خالی ہے تو یہ سمجھو کہ اس کے دل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی نہیں، اور اس کا ایمان صرف نام کا ایمان ہے، ایمان کی حقیقت اسے نصیب نہیں ہے ۔

دیکھئے جو بات حافظ ابن حجر بخاری شریف کی حدیث کی روشنی میں ثابت کر رہے ہیں وہی بات آج کے سلفیوں کے نزدیک شرک ہے، گمراہی ہے، ناجائز اور حرام ہے، اور حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کیلئے اور اس سے تبرک حاصل کرنے کیلئے اور اس جگہ دعا کرنے کیلئے سفر کرنے والا عاصی اور گنہ گار ہے۔ معاذاللہ ثم معاذاللہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی سلفیت اور اس قسم کے سلفیوں سے ہر مومن کو بچائے ۔

محمد ۱ جمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

محروم من کل الخیر قسم کے لوگوں کیلئے لمحۂ عبرت

کچھ محروم من کل الخیر قسم کے لوگ حضرت امام اعظم کی شان اور ان کی با کمال شخصیت کو ہلکا سمجھتے ہیں اور ان کی شان اقدس میں نازیبا کلمات کا استعمال کرکے اپنی بدباطنی کا اظہار کرتے ہیں، یوں وہ اپنی دنیا و عاقبت کو برباد کرتے ہیں۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات تو اجماعی ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کو دیکھا ہے، اور حضرت رسول اللہ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت پر تو موافق ومخالف سب کا اتفاق ہے، اس طرح حضرت امام اعظم کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک طوبیٰ لمن رآنی ورای من رانی، اس کے لئے مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور اس کی رویت سے شرف یاب ہوا جس نے مجھے دیکھا، اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت ائمہ متبوعین سے صرف امام اعظم کو حاصل ہے، اور جب یہ امر اتفاقی ہے کہ آپ رویت کے اعتبار سے تابعی ہیں تو امام اعظم قرآن پاک کی اس بشارت عظمیٰ میں بھی داخل ہیں۔ والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اعد لھم جنٰت تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابداً ذالک الفوز العظیم (یعنی سابقین اولین مہاجرین وانصار) اور وہ لوگ جنھوں نے ان کی اتباع کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور یہی بڑی کامیابی ہے،

معلوم ہوا کہ تابعین عظام رحمہم اللہ کا امت میں صحابہ کرام کے بعد سب سے اونچا مقام ہے، حدیث پاک میں ان کے مبارک ہونے کی شہادت ہے، اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ ان سے راضی ہے اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہیں، اور قرآن پاک کی یہ بھی شہادت ہے کہ ان کا مقام اور مکان جنت ہے، اور یہ بھی گواہی ہے کہ وہ انعامات خداوندی کے مستحق ہو کر بڑی کامیابی حاصل کرنے والی جماعت ہے۔ قرآن وحدیث میں جس ذات اقدس کا یہ مقام ہو اس کی شخصیت کو ہلکا سمجھنا اور اس کے بارے میں نازیبا کلمات کا استعمال کرنا اور اس کی بزرگ ذات کو محل تفریح بنانا اور اس کا مذاق اڑانا، یہ بڑی بدقسمتی اور محروم من کل الخیر ہونے کی علامت ہے، اور ایسے لوگ اپنے ہاتھ سے اپنی دنیا وعاقبت کو برباد کرنے والے ہوتے ہیں، نہ ان کے علم میں برکت ہوتی ہے اور نہ عمل میں اور جب کبھی ان کا طغیان وتمرد حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ دنیا ہی مختلف قسم کے عوارض وابتلاءات میں مبتلا ہو کر دنیا کے لئے باعث عبرت بن جاتے ہیں، ہمارے قریبی شہر بنارس میں ایک ایسا ہی گستاخ بدزبان اور امام اعظم کے حق میں بے لگام حدیث پڑھانے والا سلفی آج کل عبرت کا مرقع بنا ہوا ہے، اور جمہور علماء الحنفیہ اور الماتریدیہ کا گستاخ پاکستانی مصنف اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا فاضل غیر مقلد وسلفی عالم شمس الدین افغانی دنیا کے لئے باعث عبرت ہو کر اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے کویت کے اسپتال میں تڑپ تڑپ کر اس نے جان دی اور مرتے وقت وہ زبان سے اپنے ان اساتذہ کا نام لے کر جن کے اشارہ پر اس نے یہ دونوں کتابیں لکھی تھیں، کہہ رہا تھا کہ قتلنی فلان، قتلنی فلان، حالت شباب میں وہ کیسی موت مرا بس اس کو وہی جانتے ہیں جنھوں نے اس کی موت کا منظر دیکھا ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ پاک کا ارشاد من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اس سے اعلان جنگ کرد یتا ہوں، یہ غیر مقلدین جن زبانوں پر رفع یدین اور آمین بالجہر والی حدیثیں قل ھو اللہ کی سورت کی پڑھی ہوتی ہیں، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا شدہ خدا کا یہ فرمان عظیم اس طرح بھولے رہتے ہیں

کہ گویا اس حدیث قدسی کا حدیث کی کتابوں میں کہیں ذکر ہی نہیں ہے، اور اس تغافل کے نتیجے میں وہ اللہ کے ولیوں سے چار چار ہاتھ کرنے کو تیار رہتے ہیں، اور ان کے بارے میں بدکلامی اور بدزبانی کا وہ مظاہرہ کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ، آدمی کے سینہ میں اگر دل مردہ نہ ہو تو تھرا جائے، کانپ جائے۔

کس کا دل دگردہ ہے کہ حجۃ الاسلام امام غزالی کے بارے میں یہ سنے۔ حجۃ الاسلام القبوریۃ والجھمیۃ والصوفیۃ فی آن واحدٍ (جمہور علماء الحنفیہ ص ۱۲ / ج ۲) غزالی قبر پرستوں، جہمیوں اور صوفیوں کا بوقت واحد حجۃ الاسلام ہے، اور آپ کی کتاب احیاء العلوم فن تصوف میں جس کی مثال دوسری کتاب نہیں، اس کے بارے میں لکھا ہے کتاب صوفی خرافی (ص ۹۹ / ج ۲) احیاء العلوم کتاب صوفیانہ ہے، قبر پرستی والی ہے اور بکواس ہے۔

اور کس کا دل دگردہ ہے جو مولانا جلال الدین رومی کے بارے میں یہ بات سنے۔ امام الصوفیۃ المولویۃ، الحنفی الصوفی الاتحادی الخرافی (ص ۸ / ج ۲) یعنی رومی طبقہ صوفیہ مولوی کا امام حنفی صوفی وحدۃ الوجود کا قائل خرافات بکنے والا۔

اور کس کا دل گردہ ہے جس کے کان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کلمات سنیں اور اس کے بدن میں کپکپی نہ پیدا ہو جائے۔ امام الصوفیۃ القبوریۃ الچشتیۃ۔ (ص ۱۱۳۱ / ج ۲) چشتی قبر پرست صوفیوں کا امام ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ غیر مقلدین نے صوفیائے کرام ائمہ عظام اور جماعت اہل حق کے بارے میں جس زبان و قلم کا استعمال کیا ہے وہ شریف انسانوں کے قلوب ہی کو نہیں بلکہ عرشِ الٰہی کو تھرا دیتا ہے، اور پھر کبھی غضب الٰہی کی برق و رعد اس طرح ان پر گرتی ہے کہ وہ دنیا والوں کے لئے باعثِ عبرت بن جاتے ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا اور ان سے بدگمانی اور

دشمنی رکھنے والوں کا اس دنیا میں ہی کیسا انجام ہوا ہے کسی حنفی کی کتاب سے نہیں بلکہ غیر مقلدین کے کبار علماء کی کتابوں سے میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے وہ شیوخ اور بھائی جن کے دلوں میں امام اعظم سے کسی طرح کی کد ہے اس سے وہ اپنا دل پاک کریں تاکہ وہ کسی غضب خداوندی کا شکار نہ ہوں۔

(۱) پہلا واقعہ ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوءظن سے آنکھ کی روشنی چلی گئی۔

اس سلسلہ میں پہلا واقعہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا خود ان کا بیان کردہ نقل کرتا ہوں، مولانا محمد ابراہیم صاحب اپنی مشہور کتاب تاریخ اہل حدیث میں تحریر فرماتے ہیں۔

فیض ربانی ۔ ہر چند کہ میں سخت گنہگار ہوں لیکن ایمان رکھتا ہوں، اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابوعبداللہ عبیداللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم محدث وزیر آبادی کی صحبت و تلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچ چکی ہے کہ بزرگان دین خصوصاً ائمہ متبوعین سے حسن عقیدت نزول برکات کا ذریعہ ہے اس لئے بسا اوقات خدائے تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے کوئی فیض اس ذرہ بے مقدار پر نازل کر دیتا ہے، اس مقام پر ایک صورت یہ ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ (ارجاء کی بحث) کے لئے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب (امام ابوحنیفہ) کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آگیا، جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت بعضہا فوق بعض کا نظارہ ہو گیا، معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ حضرت امام صاحبؒ سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اس سے استغفار کرو، میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کئے، وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کے بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا، اس وقت سے میری حضرت امام صاحبؒ حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحبؒ سے حسن عقیدت نہیں ہے

کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری شان اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسیہ آں حضرت صلعم سے خطاب کر کے فرماتا ہے افتمارونہ علی ما یریٰ میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔
ھذا واللہ ولی الھدایۃ۔

خاتم الکلام۔

اب اس مضمون کو اس کلام پر ختم کرتا ہوں، اور اپنے ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگان دین سے خصوصاً ائمہ متبوعین سے حسن ظن رکھیں اور گستاخی وشوخی وبے ادبی سے پرہیز کریں کیونکہ اس کا نتیجہ ہر دو جہاں میں موجب خسران ونقصان ہے۔

نسأل اللہ الکریم حسن الظن والتادب مع الصالحین ونعوذ باللہ العظیم من سوء الظن بھم والوقیعہ فیھم فانہ عرق الرفض والخروج وعلامۃ المارقین ولنعم ماقیل۔

از خدا خواہیم توفیق ادب!
بے ادب محروم شد از لطف رب

تاریخ اہل حدیث ص ۲۰۷
طبع الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر دہلی[۲۵]

(۲) دوسرا واقعہ:۔ امام صاحب رحمہ اللہ کی شان میں گستاخی کرنے والا مرتد ہو گیا۔

آپ نے حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ کا خود ان کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ ملاحظہ کر لیا، اب دوسرا واقعہ ایک اور اہلحدیث عالم کا سن لیں کہ ان کے درس میں امام صاحب کے بارے میں گستاخی کرنے والے ایک طالب علم کا حشر کیا ہوا۔

جماعتِ غیر مقلدین میں جن کا سلسلہ غزنویہ خاندان سے ہے یہ لوگ واقعۃً اہلحدیث کہلانے کے مستحق تھے، وہ اکابر امت کے بارے میں بہت محتاط اور ان سے حسن ظن رکھنے والے اور تصوف

کے قائل اور صوفیائے کرام سے حسن عقیدت اور رغبت رکھنے والے تھے، خاندان غزنویہ میں سے ایک معروف بزرگ حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ اپنے مدرسہ کے حال سناتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایک روز حضرت والد بزرگوار مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری میں ایک طالب علم نے کہہ دیا کہ امام ابوحنیفہ کو پندرہ حدیثیں یاد تھیں، مجھے ان سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، والد صاحب کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا، اس کو حلقہ درس سے نکال دیا اور مدرسہ سے بھی خارج کر دیا اور بعنوائے اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ، فرمایا کہ اس شخص کا خاتمہ دین حق پر نہیں ہوگا، ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ معلوم ہوا کہ وہ طالب علم مرتد ہوگیا۔ داؤد غزنویہ ترتیب وتحریر

سید ابوبکر غزنوی ص ۳۸۴

حضرت امام اعظم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی عاقبت کیسی برباد ہوتی ہے اور اس کا انجام کیسا بھیانک ہوتا ہے، آپ نے اس کا اندازہ ان دو واقعات سے لگالیا جو کسی حنفی عالم کے بیان کردہ نہیں بلکہ اس کے بیان کرنے والے غیر مقلد علمائے کرام ہیں، یہ واقعے قریبی زمانہ کے ہیں، اب ایک واقعہ زمانہ قدیم کا بھی سن لیں۔

(۳) تیسرا واقعہ :۔ نعیم ابن حماد کا قابل عبرت انجام

نعیم ابن حماد معروف محدث ہیں، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شیوخ میں سے ہیں، بخاری شریف میں ان سے روایتیں ہیں، گو کہ امام بخاری کے یہ استاد ہیں اور بخاری شریف میں ان سے روایتیں بھی ہیں، مگر ان کا حال یہ تھا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے شدید حسد و بغض رکھتے تھے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بدنام کرنے کے لئے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے جھوٹی روایتیں گڑھا کرتے تھے، اور لوگوں میں ان جھوٹی روایتوں کو پھیلایا کرتے تھے۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اپنی معروف کتاب "تاریخ اہل حدیث" میں ان کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نعیم کے متعلق علمائے حدیث میں سخت اختلاف ہے بعض کی رائیں اچھی ہیں اور بعض کی بہت سخت ہیں، حافظ ذہبی میزان میں فرماتے ہیں ۔ احد الائمۃ الاعلام علی لین فی حدیثہ یعنی ائمہ اعلام میں سے ایک ہے باوجود اس کے کہ روایت حدیث میں نرم ہے خرج لہ البخاری مقرونا لغیرہ امام بخاری نے اس کی حدیث روایت کی ہے لیکن دوسرے (ثقہ راوی) سے ملا کر، قال العباس بن مصعب فی تاریخہ نعیم بن حماد وضع کتبا فی الرد علی الحنفیۃ ، یعنی عباس بن مصعب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے نعیم بن حماد نے حنفیوں کے رد میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ . . . . . .

خیر یہ تو مذہب حنفی کے متعلق اس کی روش کا حال ہے، اب خود سیدنا حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ذات اقدس کی نسبت حافظ ذہبی کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں، ابوالفتح ازدی نے کہا کہ نعیم سنت کی تقویت میں حدیث بنا لیا کرتا تھا ۔ اور جھوٹی حکایتیں بھی، امام ابوحنیفہؒ نعمان کی عیب گوئی میں، جو سب کی سب جھوٹ ہیں ۔ میزان ص ۵۳۶ ج ۲

. . . . اور نہایۃ مصنفہ شیخ ابراہیم بن خلیل حلبی سبط ابن العجمی متوفی ۸۴۱ھ میں ہے ، کان نعیم ممن یضع الاحادیث فی تقویۃ السنۃ وحکایات مزورۃ فی ثلب نعمان کلہا کذب ، یعنی نعیم سنت کی تقویت میں اور جھوٹی حکایتیں بیان کرنے کے لئے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برائی میں ہوتی تھیں حدیثیں گھڑا کرتا تھا، جو سب کی سب جھوٹ ہوا کرتی تھیں ، امام نسائی کہتے ہیں نعیم ضعیف لیس بثقۃ ۔ یعنی نعیم ضعیف ہے ثقہ نہیں ہے ۔ (تاریخ اہل حدیث ص ۶۳)

حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی کے اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ نعیم بن حماد صاحب کس کردار کے محدث تھے، اب ذرا ان کا انجام کیا ہوا وہ بھی سن لیں، خطیب بغدادی لکھتے ہیں ۔

حکومت وقت نے اسے گرفتار کیا اور اس کو رسی میں جکڑ کر کھینچا گیا اور ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور اس طرح اس کو زندہ دفن کر دیا گیا ولم یکفن ولم یصل علیہ اور نہ اسکو کفن نصیب ہوا اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی ۔ (تاریخ بغداد ص ۳۱۴ ج ۱۳)

دیکھا آپ نے امام ابوحنیفہ کی شان میں گستاخوں کا انجام۔

حضرت امام بخاری کی شان اور ان کی احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس شخص سے قطعاً روایت نہ لیتے نہ مقروناً اور نہ اصالتہً، جو شخص حدیث کے باب میں اتنا جری ہو کہ سنت کی تقویت میں حدیثیں گڑھے اور رسول اللہ کی طرف جھوٹ ان کو منسوب کرے جس کا اخلاق ایسا ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے بارے میں جھوٹی حکایتیں گڑھ کر ان کو حدیث کا نام دے، ایسے شخص سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں جس کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے حدیثیں روایت کریں بہت زیادہ حیرت کی بات ہے، اگرچہ کہنے کو جی نہیں چاہتا مگر کہے بغیر رہا بھی نہیں جاتا کہ امام بخاری پر جو آخری وقت میں خدا کی زمین اپنی وسعت کے باوجود ایسی تنگ ہو گئی تھی کہ امام بخاری کو کہنا پڑا اللّٰھم ان ھذہ الارض قد ضاقت علی بما رحبت فاقبضنی الیک، یعنی خدایا یہ زمین باوجود اپنی وسعت کے میرے اوپر تنگ ہو گئی پس اب مجھے آپ اپنی طرف بلالیں، یہ ابتلاء اور یہ تنگی کہیں اسی عدم احتیاط کا نتیجہ نہ رہا ہو، اہل علم جانتے ہیں کہ جب امام بخاری پہلی دفعہ نیشاپور پہونچے تو بقول غیر مقلد عالم مولانا عبدالسلام مبارکپوری پورا شہر ان کی زیارت کو امڈ آیا، اہل شہر نے دو دو تین تین منزل سے جا کر ان کا استقبال کیا صرف گھوڑے سوار چار ہزار تھے، پیادہ چلنے والے گدھے سواروں اور خچر سواروں کا اندازہ نہ تھا۔ (سیرۃ امام بخاری ص ۸۲) لیکن جب نیشاپور میں اپنے استاذ امام ذہلی سے اختلاف ہونے کے نتیجہ میں جب شہر نیشاپور سے نکلے تو امام بخاری کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا، نیشاپور سے نکل کر ایک بستی جس کا نام خرتنک تھا اپنے ایک قرابتدار کے مکان پر فروکش ہوئے، عبدالقدوس بن المختار کہتے ہیں کہ خرتنک پہونچ کر ایک روز میں نے ان کو تہجد کی نماز کے بعد دعا کرتے سنا۔ خدایا تیری زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے، مجھے اپنے پاس بلالے، خدا نے یہ دعا قبول کر لی اور چند روز کے بعد ہی آپ نے وفات پائی۔ (ص ۹۹ ایضاً) کتنے لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی اور کس نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تاریخ میں اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ وفی ذلک عبرۃ لاولی الالباب۔

بقیہ ص۲۱ پر

طٰہٰ شیرازی

محمد اجمل مفتاحی

خمار سلفیت

کفر اور معصیت مترادف کلمات ہیں۔ حافظ عبداللہ محدث غازیپوری صاحب کا فتویٰ

بیٹا - ابا جی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - ابا جی آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شیخ کلو حفظ اللہ کے گھر گیا، مصیبت ٹوٹی ہے؟

باپ - بیٹا ہمیں تو کچھ پتہ نہیں ہے، کیا ان کے گھر کوئی حادثہ پیش آگیا ہے؟

بیٹا - ابا جی میں ابھی ابھی ادھر سے گذر رہا تھا دیکھا کہ ان کے گھر کے پاس ایک بڑا مجمع ہے، اور شیخ کلو کچھ اس انداز سے سینہ کوبی کر رہے ہیں کہ لکھنؤ کے محلہ حسین آباد کی محرم زدہ عورتوں کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔

باپ - بیٹا شیخ کلو حفظ اللہ صرف سینہ کوبی کر رہے تھے کہ مرثیہ بھی پڑھ رہے تھے۔

بیٹا، ابا جی، وہ مرثیہ بھی پڑھ رہے تھے مگر نظم میں نہیں نثر میں، ان کا مرثیہ تھا، ہائے میں کافر ہوں، ہائے میں کافر ہوں، میں نے ابا جی کا کہا نہیں مانا، میں کافر ہوں، میں نے اماں جی کا کہا نہیں مانا میں کافر ہوں، میں نے بچی کی شادی میں فضول خرچی کی میں کافر ہوں، میں نے شیخ ہدہد کو گالی دی، میں کافر ہوں، میں نے رمضان کا دو روزہ نہیں رکھا میں کافر ہوں، شیخ جی یہ نثری مرثیہ پڑھ رہے تھے

اور لوگ حیرت سے منہ پھاڑے ان کا منہ دیکھ رہے تھے، ہماری جماعت کے لوگوں کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا شیخ کلو حفظہ اللہ کو اس نثری مرثیہ سے کیسے روکیں، البتہ ان کی بیوی کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی اور وہ کہہ رہی تھی کہ میں اس کتاب کو آگ لگا دوں گی، اسی کے پڑھنے سے لڈو کے اباجی کا یہ حال ہوا ہے۔

باپ۔ بیٹا، لوگوں نے دیکھا نہیں کہ وہ کون سی کتاب ہے اس میں کیا لکھا ہے؟

بیٹا۔ اباجی لوگوں نے کلو حفظہ اللہ کی بیوی سے معاملہ جاننا چاہا تو اس نے بتلایا کہ شیخ جی کی طبیعت بالکل ٹھیک ٹھاک تھی مگر جب لڈو کے ابا نے اس کتاب کا صفحہ ۴۹ پڑھا تو ان کی طبیعت بگڑنے لگی اور جب اس صفحہ کی سطر ۱۸ پڑھی تو ان پر دورہ پڑ گیا اور "میں کافر ہوں" "کافر ہوں" کہتے ہوئے وہ دھاڑ مار کر رونے لگے۔

باپ۔ وہ کون سی کتاب تھی اور اس کے صفحہ ۴۹ کی اٹھارہویں سطر میں کیا لکھا تھا کہ جس کو پڑھ کر شیخ کلو کا یہ حال ہوا؟

بیٹا۔ لوگوں نے دیکھا تو اس سطر میں لکھا تھا، کفر بھی اہلحدیث کے نزدیک بدلیل احادیث صحیحہ معصیت کا مرادف ہے۔ بس اسی عبارت کا پڑھنا تھا کہ شیخ کلو حفظہ اللہ پر "میں کافر ہوں" "میں کافر ہوں" کا دورہ پڑ گیا۔

باپ۔ یہ کس کا کلام ہے بیٹا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے ہی بدفہم مولوی صاحب کی کتاب ہے؟ اگر کفر معصیت کا مرادف یعنی ہم معنی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر عاصی معاذاللہ کافر ہے، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا کافر ہے، یتیموں کا ظلماً مال کھانے والا کافر ہے، جس نے بلا عذر نماز کو مؤخر کیا وہ بھی کافر ہے، فضول خرچی کرنے والا بھی کافر ہے، کسی کو ستانے والا بھی کافر ہے، معصیت اور گناہ سے تو بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی پاک نہیں، عام مسلمانوں کی تو بات ہی الگ ہے یہ سب کافر ہوئے، قرآن میں ہے عصیٰ آدم ربہ فغویٰ معاذاللہ تم

معاذ اللہ حضرت آدم نے بھی گویا کفر کیا تھا، اللہ بچائے ایسے اہلحدیث عقلمندوں سے، آخر وہ کتاب کس بندۂ خدا کی ہے؟

بیٹا ۔ ابا جی ۔ یہ کتاب حافظ عبداللہ محدث غازی پوری کی ہے، اور کتاب کا پورا نام ہے " ابراء اهل الحديث والقرآن مما فى جامع الشواهد من التهمة والبهتان ۔

باپ ۔ بیٹا ۔ حافظ صاحب تو ہماری جماعت کے بڑے جید عالم دین اور محدث تھے ۔ حضرت میاں صاحب کے خاص شاگرد اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے استاذ تھے، ان کے قلم سے ایسا جملہ کیسے نکل گیا ۔

بیٹا ۔ ابا جی ہمارے بڑے علماء کی ایسی عقلمندی والی باتوں نے ہی تو ہمارے چھوٹے علماء کا دماغ خراب کیا ہے، اپنے علاوہ سارے مسلمانوں کو کافر بنانا اسلام سے خارج کرنا ان حضرات کا مشغلہ بنا ہوا ہے ۔

باپ ۔ جی بیٹا ۔ ہماری حرکتوں نے ہمیں بدنام کر کے رکھ دیا ہے ۔

بیٹا ۔ ابا جی اس کا احساس جماعت کے اکابر کو بھی ہے ۔

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

بدعتِ شرعی و سنت کی تعریف
اور حافظ عبداللہ محدث غازی پوری

بیٹا ۔ ابا جی ۔ رات شیخ جمن حفظہ اللہ کی تقریر کا بڑا خراب اثر ہوا، آج فجر بعد ہی سے شہر کے چائے خانوں میں انکی تقریر بحث و مباحثہ کا موضوع بنی ہوئی ہے، شیخ کلو حفظہ اللہ اور شیخ بدھو حفظہ اللہ میں تو ہاتھا پائی ہوتے ہوتے بچی ۔

باپ ۔ بیٹا کل سے میری ناک بہ رہی ہے، رات عشاء کی نماز بھی میں نے گھر ہی پر ادا کی اور جوشاندہ پی کر سو گیا، میں ان کی تقریر میں تھا ہی نہیں، شیخ کلو حفظہ اللہ کی تقریر کا موضوع کیا تھا؟

بیٹا ۔ اباجی وہ سنت اور بدعت پر تقریر کر رہے تھے، انھوں نے دورانِ تقریر سنت اور بدعت کی تعریف میں حافظ عبداللہ محدث غازی پوری کی کتاب ابراءاھل الحدیث والقرآن ص۶۹ سے یہ عبارت پڑھی۔

"ہمارے نزدیک بدعت شرعی و سنت کی تعریف یہ ہے کہ جو بات دلیل شرعی یعنی قرآن و حدیث سے ثابت ہو وہ سنت ہے اور وہی دین کی بات ہے، اور جو بات دلیل شرعی کے برخلاف ہو وہ بدعت شرعی ہے خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حادث ہوئی ہو یا بعد اس کے"

شیخ کلو کہہ رہے تھے کہ جو بات قرآن سے ثابت ہو اس کو بھی سنت کہنا پہلی دفعہ سنا جا رہا ہے، اور یہ کہنا تو بڑی جرأت کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بدعت کا وجود تھا اور جو کام خلفائے راشدین اور صحابہ کے زمانہ میں حادث ہوا وہ بھی بدعت ہے، یہ کلام تو سراسر زیغ و ضلالت والا ہے۔

باپ ۔ بیٹا، حافظ صاحب تو بڑے محدث تھے، ان کے قلم سے بدعت اور سنت کی صحیح تعریف بھی نہیں نکل سکی، بڑے تعجب کی بات ہے۔

بیٹا ۔ اباجی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کے زمانہ میں کون کون سی بدعتیں ایجاد ہوئی تھیں؟

باپ ۔ بیٹا ۔ یہ سوال شیخ جمن ہی سے کرنا چاہئے، اس سوال کا جواب دینے کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔

بیٹا ۔ اباجی، اچھا ذرا قرآن والی سنت بھی بتلا دیں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں جو بات قرآن سے ثابت ہو وہ سنت ہے۔

باپ ۔ بیٹا یہ بات اگر حافظ صاحب کے قلم سے نہ نکلی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ نہایت ہی جاہلانہ کلام ہے، اس کا علم سے دور دور کا واسطہ نہیں۔

بیٹا ۔ اباجی، جب ہمارے اکابر علماء کی فہم و سمجھ اور ان کے علم کا یہ حال ہے تو ہمارے

چھوٹے علمار کا کیا حال ہوگا، ہمارے علمار کی یہ نافہمی اور شریعت کی موٹی موٹی باتوں کا بھی صحیح علم نہ ہونا یہ عدم تقلید اور مجتہد بننے کا شوق کا نتیجہ تو نہیں ہے ؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا -

تقلید شخصی بلا دلیل ہے
حافظ عبداللہ محدث غازیپوریؒ

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا

بیٹا - اباجی - مقلدین تقلید شخصی کے قائل ہیں۔ اس کی دلیل ان کے پاس کیا ہے ؟

باپ - تقلید شخصی قطعاً ضلالت وگمراہی ہے۔ ہمارے تمام اکابر کا اس پر اتفاق ہے، کتاب وسنت سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، دیکھو ہمارے بڑے محدث حافظ عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ابرار اہل الحدیث والقرآن میں لکھتے ہیں۔
" واضح ہو کہ تقلید شخصی واجب ہونے کا مسئلہ بلا دلیل ہے، نہ خدا نے کہیں فرمایا نہ رسول نے نہ اصحاب وخلفار نے نہ ائمہ مجتہدین نے " صـ۳۵

بیٹا - اباجی، جب تقلید شخصی بلا دلیل ہے، اور وہ خدا اور رسول کے فرمان کے خلاف ہے تو شیخ کلو حفظہ اللہ کو ہمارے اس عقیدہ میں اشکال کیوں ہے، وہ تو فرماتے ہیں ہماری جماعت نے تقلید شخصی کے بارے میں جو عقیدہ بنایا ہے وہ محل نظر ہے۔

باپ - بیٹا شیخ کلو حفظہ اللہ نے حضرت حافظ صاحب محدث غازی پوری کا یہ رسالہ نہیں پڑھا ہوگا۔

بیٹا - اباجی، ان کے پاس یہ رسالہ موجود ہے، اور آجکل تو صبح وشام اسی رسالہ کے مطالعہ میں ان کا وقت گذرتا ہے، انھوں نے اس رسالہ میں تقلید کی بحث ایک ایک سطر پڑھی ہے۔

باپ - پھر بھی انکو اشکال ہے ؟

بیٹا ۔ جی اباجی، ان کو اس پر اشکال کئی طرح ہے، پہلے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم حافظ صاحب کی اس بات کو تسلیم کر لیں تو یہ حافظ صاحب کی تقلید ہوگی، اور حافظ صاحب جماعت یا گروہ کثیر تو ہیں نہیں، وہ تو فرد واحد ہیں، تو یہ تقلید شخصی ہوگی، اور حافظ صاحب تقلید شخصی کو قرآن وحدیث کے خلاف بتلاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حافظ صاحب کا یہ کہنا کہ تقلید شخصی بلا دلیل ہے اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے ان کی تو بات خود بہت بودی ہے، تقلید شخصی اور اس کا وجوب تو اس حدیث سے ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اس سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرنا واجب اور ضروری ہے، اور ایک زمانہ میں ایک ہی خلیفۂ راشد تھا نہ کہ کئی، حضرت ابوبکر کے زمانہ میں صرف وہی خلیفۂ راشد تھے، حضرت عمر کے زمانہ میں صرف وہی خلیفہ راشد تھے، حضرت عثمان کے زمانہ میں صرف وہی خلیفہ راشد تھے، اور ان کی سنت کو اختیار کرنا از روئے فرمان رسول واجب ہے، تو تقلید شخصی کو ضلالت اور گمراہی بتلانا خود بہت بڑی گمراہی ہے۔

باپ ۔ بیٹا شیخ کلو حفظہ اللہ کا اشکال تو کافی وزن دار معلوم ہوتا ہے، تقلید شخصی اور اس کا وجوب، تو صاف صاف اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

بیٹا ۔ اباجی اتنی موٹی موٹی بات سے بھی ہمارے علماء کیوں ناواقف رہتے ہیں، کہیں یہ خود مجتہد بننے کے شوق کا تو کرشمہ نہیں ہے؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

محمد اجمل مفتاحی

تحفۃ الالمعی شرح ترمذی

حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کی تقریر ترمذی شریف

حضرت مولانا مفتی سعید پالنپوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وصدرالمدرسین علمی دنیا میں معروف ومشہور ومحبوب شخصیت سے متعارف ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی چار جلدوں میں انکی اردو شرح رحمۃ اللہ الواسعۃ نے حضرت مفتی صاحب کو بلند علمی مقام عطا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا مدظلہ کو تحریر وتقریر کا منفرد اسلوب عطا کیا ہے، مشکل مسائل کو اپنی سادہ زبان میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ دقیق سے دقیق مسئلہ بھی عام فہم ہوجاتا ہے۔ یہ وہ کمال ہے جس میں حضرت مفتی صاحب منفرد ہیں۔

ادھر کچھ ہی روز پہلے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا ایک تازہ علمی شاہکار ترمذی شریف کی درسی تقریر بنام تحفۃ الالمعی کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، یہ کتاب اب تک پانچ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، جن کے صفحات کی تعداد تقریباً تین ہزار پہونچتی ہے اور ابھی غالباً اس کی دو جلدیں اور آئیں گی۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ذمہ عرصہ کئی سال سے ترمذی شریف کا درس متعلق تھا، ان کی درسی تقریر کو ٹیپ کیا گیا اور پھر کیسٹوں کی مدد سے ان کے لائق وفائق فرزند مولانا حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے کاغذ پر منتقل کیا اور پھر مفتی صاحب نے اس پر

نظرثانی کی، نظرثانی بڑی گہرائی وگیرائی سے کی گئی اسلئے مفہوم ومعنی میں شاید وباید ہی کچھ خلل نظر آتا ہے، طباعتی غلطیاں بھی نہ ہونے کے برابر ہیں، اتنی ضخیم کتاب میں طباعت کی غلطیوں کا نہ ہونا مفتی صاحب دامت برکاتہم کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔

ہماری نظر سے اردو میں متعدد درسی تقریریں مختلف کتب حدیث کی گذری ہیں مگر یہ پہلی درسی تقریر ہے جس کو فی الحقیقت درسی تقریر کہا جاسکتا ہے، اور تقریروں میں تحریر کا رنگ نظر آتا ہے مگر یہ درسی تقریر واقعی درسی تقریر معلوم ہوتی ہے، پڑھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم درس میں بیٹھے ہیں اور مفتی صاحب اپنے منفرد انداز کلام میں ہم سے مخاطب ہیں، نرم لہجہ، تقریر جامع، ہر حدیث کی شرح ضرورت کے مطابق، نہ بہت زیادہ طویل اور نہ حد درجہ مختصر، احادیث پر محدثانہ کلام فقہی مسائل میں دقت نظر اور وسعت نظر کے ساتھ منصفانہ گفتگو اور ان مسائل کی تشریح وتنقیح، اعتدال وتوازن کے ساتھ مذہب حنفی کی دلائل کی روشنی میں ترجیح، تمام محدثین وفقہاء کرام کا ادب واحترام، گمراہ فرقوں کا تعاقب اور ان کا بلیغ انداز میں رد اور ساتھ ساتھ طلبہ کو پند ونصائح اور ان کی زندگی کو سنوارنے والی باتیں، جگہ جگہ پر مزاح گفتگو کا انداز اور اس طرح کی بہت سی چیزیں ہیں جس نے اس شرح کو دوسری شرحوں اور درسی تقاریر سے ممتاز کردیا ہے۔

ہمارے لئے خوشی کی یہ بات ہے کہ اس شرح کے مکمل ہوجانے کے بعد پوری ترمذی شریف کا ترجمہ بھی اہل علم اور طلبہ کے ہاتھ میں ہوگا، اب تک کسی حدیث کی کتاب کا مکمل اردو ترجمہ کسی حنفی اہل قلم کے ہاتھ سے میری نظر سے نہیں گذرا ہے۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی حیات میں برکت دے، آج کے دور قحط الرجال میں انکی شخصیت ہم جیسے طلبہ کیلئے باعث عبرت ہے، حضرت مفتی صاحب نے تھوڑے عرصہ میں پورے ایک ادارہ کا کام کیا ہے، اور کرتے جارہے ہیں، انکی عمر اگر ڈھل رہی ہے تو ان کے قلم کی جوانی اور اس کی رعنائی بڑھتی جارہی ہے، اور یہ سب اللہ کی توفیق ونصرت کے بعد برکت ہے کہ مفتی صاحب کو بلاوجہ کی مجلس جمانے سے مطلب نہیں ہے، کثرت اختلاط

سے انکو اجتناب ہے، انکو اپنے وقت کی قدر وقیمت کا اندازہ ہے، مکمل یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، سیاست سے مولانا کا دور کا واسطہ نہیں ہے، علمی کام میں لگے رہنا اور مست رہنا یہی ان کا مزاج اور یہی انکی طبیعت ہے، اور جب آدمی کام کرتا ہے تو اس کی طبیعت باغ وبہار رہتی ہے، مفتی صاحب باغ وبہار والی اسی طبیعت کے مالک ہیں، نہ زاہد خشک ہیں نہ عالم انا پرست، تواضع اور خوش طبعی کے مالک ہیں، مفتی صاحب پالنپوری دامت برکاتہم، ان کی اس کتاب میں انکی زندگی کی ان جھلکیوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔

بارك الله فى حياته ومتعه بنصرته وتائيداته ووفقنا لمزيد خدمات دينه وعلوم دينه، وادام ظله مع صحته وسلامته وعافيته وجزاه بما عنده للمحسنين من الخيرات وقبول الحسنات والعفو عن السيئات انه مجيب للدعوات۔

اب آخر میں ایک ہلکا سا ملاحظہ، مفتی صاحب نے اپنی اس کتاب میں "وضو" کو ہر جگہ مؤنث استعمال کیا ہے، وضو ٹوٹ گئی، وضو نہیں ٹوٹی، انکی وضو جاتی رہی وغیرہ ہمارے کانوں کو ان کا مؤنث استعمال عجیب سا لگا، میں نے سوچا شاید اس کا مؤنث استعمال بھی ہوتا ہو، تو لغت کی طرف مراجعت کی، میرے پاس اردو لغت میں صرف فیروز اللغات تھی، اسی کی طرف رجوع کیا تو لفظ وضو کے بارے میں کوئی صراحت تو نہیں ملی مگر دوسرے استعمالات سے اس لفظ کا مذکر ہی ہونا معلوم ہوا، مثلاً لکھا ہے: (وضو تازہ کرنا) (وضو ٹوٹنا) وضو ٹھنڈے ہونا) وضو ڈھیلے ہونا۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے ہم شکر گذار ہیں کہ انکی کرم فرمائی سے ہمیں اس عظیم اور ضخیم اور بے حد وقیع کتاب کی پانچوں مطبوعہ جلدیں بطور ہدیہ دستیاب ہوئیں اور ہم ان سے مستفید ہو رہے ہیں ——— اس کتاب کو نہایت آب وتاب کیساتھ سہ رنگی جلد اور گراں کاغذ اور نفیس کمپیوٹرائز کتابت کیساتھ انکے مکتبہ، مکتبہ حجاز، دیوبند نے چھاپا ہے، کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

محمد احمد مصباحی

حکایات وواقعات

ایک ولی کی قبر پر دس ہزار قرآن ختم

ابوجعفر ہاشمی پانچویں صدی کے ایک حنبلی المسلک بزرگ ہیں۔ ان کا تعلق سادات گھرانہ سے تھا، نہایت عابد وزاہد، پرہیزگار اور علم شریعت میں کامل دستگاہ رکھنے والے بزرگ تھے، تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ کوئی مشتبہ لقمہ ان کے پیٹ میں نہیں گیا۔ اہل بدعت کے سخت مخالف تھے، ان کا رعب ودبدبہ خلیفہ تک محسوس کرتا تھا، ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے برکت حاصل کرتا تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو خلقت کا ہجوم اندازہ سے باہر تھا، حضرت امام احمد بن حنبل کے پہلو میں ان کو دفنایا گیا، اور ایک مدت تک لوگ ان کے قبر کے پاس جمے رہے، لکھا ہے کہ ان کی قبر پر دس ہزار مرتبہ قرآن ختم ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۶۱)

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونیوالا دو ماہی دینی و علمی مجلہ

ذیقعدہ ، ذی الحجہ
۱۴۲۹ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر
محمد ابو بکر غازی پوری

سالانہ چندہ ---- ۷۰/ روپے
پاکستان کیلئے
پاکستانی ایک سو پچاس روپے سالانہ
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ
غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل واڑہ سید غازی پور یوپی

موبائیل نمبر: 9453497685
پن کوڈ 233001

محمد اجمل مفتاحی

فہرست مضامین

اداریہ

محمد اجمل مفتاحی

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اس وقت مسلمانوں کو دیکھا جائے تو ان کیلئے ملک کے حالات نہایت خطرناک ہیں، ہندو فرقہ پرست تنظیموں نے پورے ملک میں مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کے نام پر نہایت خطرناک کھیل کھیلنے کا پروگرام بنایا ہے، ان تنظیموں کا براہ راست تعلق اسرائیل اور اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد سے ہے، اور اسرائیل ہی کے اشارے پر مسلمانوں کے خلاف ان تنظیموں کی ساری کاروائیاں ہو رہی ہیں، اور مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا گیا ہے۔

اس وقت پورے ملک میں مسلمان نوجوانوں کی دہشت گردی کے عنوان سے گرفتاری ہو رہی ہے، کہیں بھی بم دھماکہ ہوا، مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو جاری ہے، ملک کا انتظامیہ اس کی ضرورت قطعاً محسوس نہیں کرتا کہ ان دھماکوں کے پیچھے کن خفیہ طاقتوں کا ہاتھ ہے اس کا پتہ لگائے، سیدھے اس کی نگاہ مسلمان نوجوانوں پر جاتی ہے، اور چاہے وہ ملزم ہوں یا نہ ہوں مجرموں جیسا ان کے ساتھ سلوک ہونے لگتا ہے۔

کانگریس گورنمنٹ ہو یا بھاجپا سرکار یا مایاوتی سرکار ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ معاملہ یکساں ہے، بھاجپا سے تو ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے کہ اس کے وجود ہی میں فرقہ پرستی اور مسلمان دشمنی داخل ہے، مگر کانگریس جو سیکولر ہونے کا دم بھرا کرتی ہے اس کا حال بھی بھاجپا کی سرکاروں سے کچھ اچھا نہیں ہے، بلکہ اس وقت دیکھا جائے تو مسلمانوں کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے اس میں کانگریس گورنمنٹ پوری طرح شریک ہے۔

مایاوتی کی سرکار جب مشترک رہا کرتی تھی تو مایاوتی حکومت کچھ کنٹرول میں رہا کرتی تھی، اب جب کہ یوپی میں مایاوتی کی تنہا سرکار ہے تو اس وقت یوپی کا حال بہت برا ہے

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوپی بھی باپا وتی سرکار کے دور میں مسلمانوں کے لئے گجرات بن جائے گا ۔

اس وقت ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ملک کیلئے نہایت خطرناک مستقبل کی پیشین گوئی ہے ، اگر اس وقت جن کے ہاتھ میں زمام حکومت ہے ہوش اور خردمندی سے کام نہیں لیا اور حالات پر کنٹرول نہیں کیا تو نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ اس ملک کا نقشہ کیا ہوگا ، اور امن وسلامتی کا گہوارہ رہنے والا یہ ملک فساد و قتال کی آگ میں جل کر اپنی سابقہ تاریخ کو کھو بیٹھے گا ۔

کانگریس حکومت کا حال پہلے بھی برا تھا اور اب اس وقت ملک کے جو حالات ہیں اندیشہ ہے کہ اگر اس پر مرکزی حکومت نے کنٹرول نہیں کیا تو کہیں کانگریس پارٹی یاد ماضی بن کر نہ رہ جائے ۔

موجودہ پرائم منسٹر سے یہ امید تھی کہ وہ فرقہ پرست تنظیموں کے کھیل کو سمجھیں گے اور کم سے کم جہاں کانگریس کی سرکار ہے اس جگہ ان فرقہ پرست تنظیموں پر پابندی لگے گی ، یاان کو اس کا موقع فراہم نہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی جان و مال سے کھیلیں مگر آج تک کے حالات بتلا رہے ہیں کہ ہمارے وزیراعظم صاحب کو امریکہ سے پیار ، ہندوستان کے رہنے والے باشندوں سے زیادہ ہے ۔ ملک میں کیا ہو رہا ہے ، خون کی ہولی کہاں کہاں کھیلی جارہی ہے فرقہ پرستی کا شیطان کہاں کہاں ننگا ناچ ناچ رہا ہے ، بے گناہوں پر ظلم وستم کے پہاڑ کس طرح توڑے جارہے ہیں ، مہنگائی نے غریبوں کا کیا حال کر رکھا ہے ، وزیراعظم اور ان کی حکومت کو اس کی پرواہ نہیں ہے ، امریکہ کی خوشنودی کس طرح سے حاصل کی جا سکتی ہے ، اس وقت وزیراعظم صاحب کو اسی کی تگ ودو میں سرگرداں دیکھا جا سکتا ہے ۔

جلد ہی ہندوستان میں الکشن ہونے والا ہے ، اگر ملک کے حالات یہی رہے تو کانگریس حکومت کا خاتمہ سمجھئے ، کانگریس اپنی ڈوبتا ہوئی نیا کو بچالے بہت

مشکل ہے۔

اس سے پہلے والے شمارہ میں یہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ زمزم اس وقت قرض میں گرفتار ہے، اور خسارہ میں مسلسل چل رہا ہے، اگر قارئین زمزم نے توجہ نہیں فرمائی تو زمزم کا اب جاری رکھنا مشکل معلوم ہوتا ہے، قارئین زمزم سے گذارش کی گئی تھی کہ آپ اگر صرف اپنی بقایا رقم بھی ادا کر دیں تو کم از کم نصف قرض کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بہت کم حضرات نے اس پر توجہ کی، اب پھر گذارش کی جارہی ہے کہ جن کے ذمہ زمزم کی رقمیں باقی ہیں براہ کرم اس کو جلد ادا کر دیں۔

یہ شمارہ اس سال کا آخری شمارہ ہے، اب اس کے بعد نیا شمارہ ہوگا جن کا اس شمارہ پر چندہ ختم ہو گیا ہے وہ جلد از جلد مبلغ -/۸۰ روپیہ بھیج کر اپنی خریداری کی تجدید کرالیں، یاد رکھیں زمزم کا اب سالانہ چندہ ہندوستان میں -/۸۰ ہے اور پاکستان میں -/۲۰۰ روپیہ ہے۔

ص ۳۱ کا بقیہ :-

رکعت نماز پڑھتے تھے۔

مصعب بن عثمان اور خالد بن وضاح فرماتے ہیں کہ مصعب بن ثابت صوم دہر رکھا کرتے تھے اور دن ورات میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

ان کا انتقال ۱۵۷ھ میں تہتر سال کی عمر میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۲۸۸ ج ۶)

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں کا جو کوئی کھانا کھائے تو اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ پونچھے جب تک کہ اس کو چاٹ نہ لے۔ (مسلم)

یہ کھانا کھانے کے آداب میں سے ہے، جن کو ہم چھوٹی اور معمولی بات سمجھتے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان کی طرف بھی ہوتی تھی، کھانا کھاتے وقت انگلیوں میں سالن اور چاول یا کوئی اور چیز جس کو کھانا کھانے والا کھاتا ہے لگی رہتی ہے، اگر اس کو چاٹ کر کے صاف نہ کر لیا جائے تو کھانے کا کچھ حصہ ہاتھ صاف کرتے وقت زمین پر گرے گا اور خدا کی نعمت کی ناقدری ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں انگلیوں کو چاٹ کر صاف کرنے کی تعلیم دے کر خدا کی نعمت کی ناقدری سے بچانا چاہتے ہیں، نیز بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے کچھ اجزاء میں برکت ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ برکت اسی حصہ میں ہو جو انگلیوں میں لگا رہتا ہے، اس لئے اس برکت والے حصہ کو حاصل کرنے کے لئے انگلیوں کو منہ سے چاٹ لینا چاہئے، اس کے علاوہ ایک نہایت لطیف نکتہ اس میں یہ ہے کہ انگلیوں کو چاٹ کر صاف کرنے میں بندہ کی حرص اور احتیاج کا پتہ چلتا ہے کہ بندہ

اللہ کی نعمت کا حریص اور محتاج ہے، بندہ کی یہ حرص اللہ کو محبوب ہے اور احتیاج کا خدا کے سامنے ظاہر کرنا اونچے درجہ کی عبادت اور اللہ کو راضی کرنے والی بات ہے، نیز یہ عمل وہی کرے گا جس میں تواضع ہوگا، اور تواضع اللہ کو بہت محبوب ہے، حدیث میں آتا ہے جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

دیکھو حضورؐ کی پاکیزہ تعلیمات میں کیسے کیسے نکتے ہوتے ہیں، افسوس ہے ان لوگوں پر جو نئی تہذیب کے دلدادہ ہیں اور اس طرح کی باتوں پر ہنسا کرتے ہیں، آج کا فیشن یہی بن گیا ہے کہ ہوٹلوں میں کھانا کھاؤ تو برتن میں کچھ بچا ہوا ضرور چھوڑ دو، اور انگلیوں کو چاٹ کر صاف کرنا تو ان فیشن کے ماروں کے نزدیک نہایت بُری حرکت ہے۔

(۲) حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے اور ہاتھ صاف کرنے سے پہلے اس کو چاٹ لیا کرتے تھے۔ (مسلم)

کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ لقمہ چھوٹا ہو، آدمی بڑا بڑا لقمہ نہ کھائے، تین انگلیوں سے کھانے میں یہی مصلحت ہے کہ کھانے کا لقمہ چھوٹا ہوگا۔ چھوٹے لقمہ میں مصلحت یہ ہے کہ آدمی اس کو مزہ لے کر اور چبا کر کھائے گا، نیز حلق وغیرہ میں پھنسنے کا بھی اندیشہ نہ ہوگا، کبھی گوشت وغیرہ کا بڑا ٹکڑا حلق میں پھنس جاتا ہے، جس سے کھایا پیا سب بیکار ہو جاتا ہے، اس سے حفاظت کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم تھی کہ کھانے کا لقمہ چھوٹا ہو۔

نیز بڑا لقمہ اٹھانا اور پانچوں انگلیوں سے کھانا دیکھنے میں بھی بُرا معلوم ہوتا ہے اور وہ معدہ میں پہونچ کر ثقل معدہ کا باعث ہوتا ہے جس سے کھانا کے ہضم ہونے میں دشواری ہوتی ہے، اور کبھی کبھار بدہضمی کی شکایت ہو جاتی ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں کن کن چیزوں کا لحاظ ہوتا ہے، ذرا آپ اندازہ لگائیں۔

۳ ـ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے (کھانے والوں) کو انگلیوں اور پلیٹ کے صاف کرنے کا حکم دیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ

تم نہیں جانتے کہ کس میں برکت ہے۔ (مسلم)

پلیٹ صاف کرنے میں وہی حکمت اور مصلحت ہے جس کا بیان پہلی حدیث میں ہو چکا ہے۔

پلیٹ کا صاف کرنا اسی وقت ممکن ہوگا جب آدمی اپنی پلیٹ میں ضرورت بھر کھانا نکالے، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے، اور دعوت وغیرہ میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اپنی پلیٹوں کو کھانا سے بھر لیتے ہیں اور آدھا کھاتے ہیں اور آدھا پلیٹ ہی میں چھوڑ کر اٹھ جاتے ہیں، اس سے جہاں کھانے کا نقصان ہوتا ہے وہیں آدمی کے غیر مہذب ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان بدتمیزیوں سے بچا جائے۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ شیطان ہر چیز کے وقت تمہارے پاس حاضر رہتا ہے، اگر کھانا کھاتے وقت لقمہ گر جائے تو اس کی گندگی صاف کر کے کھا لو، اس کو شیطان کیلئے مت چھوڑو، اسلئے کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے اس کا ہمیں پتہ نہیں ہے۔ (مسلم شریف)

کبھی کھانا کھاتے وقت کوئی لقمہ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر جاتا ہے اور اس میں دھول لگ جاتی ہے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہ ہے کہ اس کو اٹھا کر صاف کیا جائے اور پھر کھا لیا جائے، اگر آدمی اس کو نہیں کھائے گا تو شیطان اس کو کھائے گا، اور کھانے میں اللہ نے جو برکت رکھی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ برکت اس گرے ہوئے حصہ میں ہو، اس کو زمین سے نہ اٹھانے اور نہ کھانے کی شکل میں کھانے والا کھانے کی برکت سے محروم رہے گا۔

زمین پر گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھانے میں اللہ کی نعمت کی انتہائی قدردانی ہے اور بندہ کے انتہائی درجہ متواضع ہونے کی علامت ہے، بندہ کی یہ صفت تواضع اللہ کو کتنی پیاری ہے اور اس پر اللہ کی طرف سے کتنے اور کیا کیا انعامات کی توقع ہے اسے بس اللہ ہی جانتا ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری قسط ۱۷

مقام صحابہؓ کتاب و سنّت کی روشنی میں
اور
مولانا مودودی

پھر کیا ہوا ؟ رشوتوں کا سلسلہ شروع ہوا ۔ مولانا لکھتے ہیں :

" یہ بات کر کے حضرت مغیرہؓ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو بیس ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لئے ان سے کہیں ۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کر دیا ۔

بعد میں حضرت معاویہؓ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے ۔ انھوں نے کہا تیس ہزار درہم میں ، حضرت معاویہؓ نے کہا تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے " (ص ۱۴۹)

رشوتوں کا سلسلہ ابھی جاری ہے ۔ مولانا لکھتے ہیں :

" زیاد کی وفات (۵۳ھ) کے بعد حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر لیا اور بااثر لوگوں کی رائے ہموار کرنے کی کوشش شروع

کردی، اس سلسلہ میں انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور یزید کی بیعت کے لئے راضی کرنا چاہا۔ (صفحہ ۱۵۰)

اسی سلسلہ میں مولانا لکھتے ہیں :

"اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کئے اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ جواب میں لوگ خوشامدانہ تقریر کرتے رہے" (صفحہ ۱۵۱)

لیکن اس زمانہ میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے حضرت معاویہؓ کی اس تجویز کی مخالفت کی تو ان کو ڈرانے دھمکانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت مولانا لکھتے ہیں :

"اور اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا "اب تک میں تم لوگوں سے درگذر کرتا رہا ہوں، اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی۔ تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے"۔ (ص ۱۵۲)

اس کے بعد اللہ کے گھر مسجد جیسی مقدس جگہ میں یزید کی ولی عہدی کا یہ کام نہایت شاندار جھوٹ بول کر انجام دیا گیا۔ حضرت مولانا لکھتے ہیں :

"اس کے بعد وہ انھیں لئے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ یہ مسلمانوں کے سردار ہیں اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں، اور انھوں نے بیعت کر لی لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا، اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی" صفحہ ۱۵۲

اور بقول مولانا مودودی ۔ جو تحریک ایک بزرگ نے (حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ) اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ (حضرت معاویہؓ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کرکے جنم دیا تھا وہ امر واقعہ بن گئی اور اس طرح

۔ خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہوگیا۔ (ص۱۵۳)

مولانا مودودی نے یزید کی ولی عہدی کا جو نقشہ پیش کیا وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے آپ شروع سے لے کر آخیر تک کے بیان پر ایک دفعہ مزید نظر ڈال کر خود اپنے سے سوال کرلیں کہ کیا یہی تصویر خیر القرون کی اور صحابہ کرام کی زندگی کی ہوسکتی ہے، اگر یہی ہے تو پھر تسلیم کرلینا چاہئے کہ خیر القرون سے بدتر کوئی زمانہ اور صحابہ سے بدتر کوئی جماعت معاذ اللہ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں پیدا نہیں ہوئی اور کتاب وسنت کے سارے بیانات صحابہ کرام اور اس زمانہ کے بارے میں محض افسانہ اور جھوٹ ہیں، جہاں رشوتیں عام ہوں، جہاں بیبیوں کی خاطر دین فروشی ہو، جہاں ذاتی مفادات کی خاطر قومی مفادات کو پس پشت ڈالدیا جاتا ہو، جہاں تلوار کے زور پر اپنی بات منوائی جاتی ہو، جہاں مسجد میں بیٹھ کر سفید جھوٹ بلا تکلف بولا جاتا ہو، جہاں کے لوگ اتنے بے غیرت اور بزدل ہوں کہ سب دیکھتے ہوئے بھی اپنی زبان سے کلمہ حق کے اظہار و اعلان کی جرأت نہ کرسکیں اس زمانہ کو خیر القرون کہنا اور ان لوگوں کو خیر امت اور امت وسط کہنا ان کی تاریخ اور ان کے عہد کو اسلامی تاریخ کا سب سے روشن عہد کہنا اور اس تاریخ پر فخر کرنا سب غلط باطل اور جھوٹ ہے اور مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا تاریخی ولی سرمایہ نہیں ہے جس پر وہ فخر کرسکیں۔

خدارا آپ بتلائیے کہ اس سے بھی گندی شکل میں کوئی دشمن اسلام، اسلام کی تاریخ اور صحابہ کرام کی زندگی کا نقشہ پیش کرسکتا ہے؟ اور لطف یہ ہے یہ سب اسلام کے نام پر دین کی خدمت کے نام پر اور اسلامی نسل کی حفاظت کے نام پر کیا جارہا ہے۔

یہاں مجھے مولانا مودودی کی ایک عبارت یاد آئی۔ انھوں نے ایک حق گو صاحب کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا (اس کو میں محض ناظرین کی عبرت کیلئے نقل کر رہا ہوں)

جس طرح عداوتوں میں سب سے زیادہ خطرناک وہ عداوت ہے جو دوستی کے پیرایہ میں کی جائے، اسی طرح گمراہیوں میں سب سے خطرناک وہ گمراہی ہے جو ہدایت کے لباس میں جلوہ گر ہو۔" (تفہیمات صـ۲۴۶/۲)

اور۔

"باطل کی طرف دعوت دینے والوں کا یہ عام قاعدہ ہے کہ وہ اپنی دعوت ضلالت کے تمام مقاصد بیک وقت بے نقاب نہیں کرتے بلکہ سب سے پہلے دین کے مسلمات و یقینیات میں سے کسی ایک چیز پر حملہ کر کے اپنی پوری قوت صرف اسی کو متزلزل کرنے میں صرف کر ڈالتے ہیں یہ گہری نفسیاتی چال ہے، اگر وہ سب کچھ ابتدا ہی میں کھول دیں تو شاید کوئی مسلمان بھی ان کے جال میں نہ پھنسے اسلئے وہ اپنے کام کی ابتدا شکوک و شبہات کی تخم ریزی سے اور کسی ایک یقین کی بنیاد ڈھانے سے کرتے ہیں۔"

(ایضاً ص ۲۵۵)

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کو احساس ہوا کہ وہ حضرت معاویہؓ پر سنگین الزام لگا رہے ہیں اسلئے اس کا اثر کم کرنے کیلئے انھوں نے حضرت معاویہؓ سے کچھ اپنے "تعلق خاطر" کا بھی اظہار کیا، چنانچہ اس باب کا خاتمۂ کلام یہ ہے۔

"حضرت معاویہؓ کے محامد و مناقب اپنی جگہ ہیں، ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے، ان کی یہ خدمت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انھوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیائے اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے وسیع کر دیا ان پر جو شخص لعن و طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں" (ص ۱۵۳)

گویا ہمیں مولانا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کے شرف صحابیت
کا پورا لحاظ رکھا ہے اور انھوں نے ان کے خلاف کوئی لعن طعن نہیں کیا ہے انھوں نے
تو صرف اتنا کیا ہے کہ اپنے معیارِ صحیح و غلط کی حفاظت کی خاطر ان کے غلط کام کو غلط کہدیا ہے
اندازہ لگائیے کہ مولانا مودودی اپنے ناظرین کو کس درجہ سادہ لوح خیال فرماتے
ہیں اور گویا دنیا میں وہی ایک واحد انسان ہیں جن کے دماغ میں عقل ہے۔
مولانا مودودی کی حضرت معاویہؓ کے خلاف تبرا نوازیوں کا سلسلہ یہیں نہیں ختم
ہوجاتا ہے، یہ سلسلہ بڑا دراز ہے آنے والے باب "خلافت و ملوکیت کا فرق" میں مسلسل
حضرت معاویہؓ کو موردِ طعن بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی دوسرے اصحابِ رسول کی شخصیتوں کو
بھی تنقید کے خراد پر چڑھایا گیا ہے اور کہیں کہیں مولانا کا اسلوب تو حد درجہ عامیانہ بلکہ یوں
کہئے کہ گستاخانہ ہو گیا ہے، ہم اختصار کے ساتھ اس باب کی بھی چند عبارتیں قارئین کے
ملاحظہ کیلئے پیش کرتے ہیں۔

ص ۱۵۸ پر لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے
سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ
نہ بنتے وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انھوں نے لڑکر خلافت حاصل
کی مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہیں تھا، لوگوں نے
ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور جب خلیفہ بن گئے
تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا"

یعنی خلافت جیسے اہم عہدے پر ایک شخص زبردستی جا بیٹھا اور صحابہ اس قدر
بزدل تھے کہ اس سے ڈر کر ناچاری کی حالت میں بیعت کر لی۔

ص ۱۶۰ پر "خلفاء کے طرز زندگی میں تبدیلی" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"دوسری نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ دورِ ملوکیت کے آغاز ہی سے بادشاہ قسم کے

خلفاء نے قیصر و کسریٰ کا سا طرز زندگی اختیار کر لیا اور اس طریقہ کو چھوڑ دیا
جس پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفاء راشدین زندگی بسر کرتے تھے "

اور

" اس تبدیلی کی ابتدا حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ہو چکی تھی۔ (ص ۱۱۶)

حضرت معاویہؓ کے زمانے سے جو یہ دور ملوکیت آیا تو اسلامی ریاستوں کا نقشہ کیا بنا
اس کا بیان مولانا مودودی سے سنیئے، ذہن میں یہ رہے کہ یہ مسلمانوں کے عہد زریں کے وقت
کی بات ہے جب ابھی آنحضورؐ کی وفات پر نصف قرن بھی نہیں گذرا تھا اور صحابہ کرام کی
بڑی جماعت موجود تھی، مولانا " بیت المال کی حیثیت میں تبدیلی " کے زیر عنوان لکھتے ہیں :

" دور ملوکیت میں بیت المال کا یہ تصور (یعنی جو عہد خلفاء میں تھا) اس
تصور سے بدل گیا کہ خزانہ بادشاہ اور شاہی خاندان کی ملک ہے، رعیت
بادشاہ کی محض باجگذار ہے اور کسی کو حکومت سے حساب پوچھنے کا حق
نہیں ہے " (ص ۱۶۱)

اور مولانا نے " آزادی اظہار رائے کا خاتمہ " کے عنوان کے تحت اس دور کا جو نقشہ
پیش کیا ہے وہ یہ ہے۔

" لیکن دور ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور زبانیں بند کر دی
گئیں، اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کیلئے ورنہ چپ رہو، اور اگر
تمہارا ضمیر ایسا ہی زوردار ہے کہ حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید و
قتل اور کوڑوں کی مار کیلئے تیار ہو جاؤ چنانچہ جو لوگ بھی اس دور میں حق
بولتے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں
تاکہ قوم دہشت زدہ ہو جائے " (۱۶۳)

اور

" اس نئی پالیسی کی ابتدا حضرت معاویہؓ کے زمانے میں حضرت حجر بن عدی

کے قتل سنہ ۵۱ھ سے ہوئی۔" (ص ۱۶۴)

حضرت حجر بن عدی کا قتل کیوں ہوا؟ مولانا رقمطراز ہیں:

"حضرت معاویہؓ کے زمانے میں جب منبروں پر خطبہ میں علانیہ حضرت علیؓ پر لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں حجر بن عدی سے صبر نہ ہو سکا اور انھوں نے جواب میں حضرت علیؓ کی تعریف اور حضرت معاویہؓ کی مذمت شروع کر دی" (ص ۱۶۴)

یہاں دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، معلوم نہیں مولانا نے اس کی طرف توجہ کیوں نہیں فرمائی۔ وہ یہ کہ جب منبروں پر ان خطبوں میں علانیہ حضرت علی پر لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ شروع ہوا جس سے عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ زخمی ہو رہے تھے تو کیا پورے بلاد اسلامیہ میں حضرت حجر بن عدی ہی وہ تنہا مرد حق تھے کہ حضرت علیؓ کو گالی دینے کے خلاف وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بقیہ سارے بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب بلکہ سارے مسلمانوں میں کوئی ایک فرد بھی اس امر حرام کے ارتکاب پر خصوصاً جب کہ وہ مسجد میں اور منبر پر ہوتا ہو آواز بلند کرنے والا نہیں تھا۔ اگر واقعہ یہی ہے تب تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ عرب سے زیادہ بے غیرت اور بے حمیت اور مسلمان سے زیادہ بزدل قوم پوری اسلام کی تاریخ میں پائی نہیں گئی ورنہ میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ زمانہ تو خیر القرون کا زمانہ تھا اور صحابۂ کرام کا مقدس عہد تھا جب لوگ خلفاء اور امراء کا گریبان پکڑ لیا کرتے تھے، اگر آج بھی اس گئے گذرے زمانہ میں بھی اور بے دینی اور الحاد کے اس دور میں بھی اگر کوئی حضرت علیؓ کی ذات گرامی تو بڑی بات ہے اگر کسی معمولی انسان کے خلاف مسجد میں اور منبر پر چڑھ کر سب و شتم کرے گا تو کتنے مسلمان صرف اسی ایک مسجد میں نکل پڑیں گے جو محض خون کا گھونٹ پی کر رہ نہیں جائیں گے بلکہ اس گالی دینے والے کا ہاتھ پکڑ کر اسے منبر سے نیچے کر دیں گے خواہ وہ کتنا ہی بڑا انسان کیوں نہ ہو، اتنی دینی غیرت تو مسلمانوں میں بحمد اللہ آج بھی ہے۔

اصل میں تو مولانا کا مقصد حضرت معاویہ کے دور کو خالص جاہلی دور دکھلانا ہے اور بتلانا یہ ہے کہ اس دور میں جاہلیت قدیمہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ پھر ابھر آئی تھی اسلئے مولانا کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی ہے کہ اس طرح کی تحریر کے عواقب اور انجام کیا ہوں گے اور مسلمانوں کے ذہنوں میں اپنے اسلاف واکابر اور اپنے ماضی کی جو تصویر ابھرے گی وہ کیسی ہوگی یعنی معاملہ بغضك الشئ یعمی ویصم کا ہے ۔

میں نے جو کہا کہ مولانا کا مقصد حضرت معاویہ کے دور کو خالص جاہلی دور دکھلانا ہے وہ محض خرص اور گمان اور سوء ظن کی سی چیز نہیں ہے بلکہ خود مولانا کی تحریر اس پر شاہد ہے ۔ چنانچہ مولانا ص ۱۶۹ پر "نسلی اور قومی عصبیتوں کا ظہور" عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں ،

> "ایک اور عظیم تغیر جو اس دور ملوکیت میں رونما ہوا وہ یہ تھا کہ اس میں قوم نسل ، وطن اور قبیلہ کی وہ تمام جاہل عصبیتیں پھر سے لوٹ آئیں جنھیں اسلام نے ختم کرکے خدا کا دین قبول کرنے والے تمام انسانوں کو یکساں حقوق کے ساتھ ایک امت بنادیا تھا" (ص ۱۶۹)

یعنی آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی پورے چالیس سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ اسلامی نظام نے جس کو سربلند کرنے کے لئے اور قیامت تک باقی رکھنے کے لئے آنحضور تشریف لائے تھے جاہلیت قدیمہ کے سامنے سپر اندازی اختیار کرلی اور جاہلی نظام اور جاہلی عصبیتیں جس کو اسلام نے آکر بالکلیہ ختم کردیا تھا اور "والف بین قلوبھم واصبحتم بنعمتہ اخوانا" کا مژدہ سنایا تھا پھر جوں کی توں اپنی اصلی شکل میں عود کر آئیں ۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری

سطِ نمبر ۱۳

بریلوی مذہب پر ایک نظر

نورِ محمدی اللہ کی ذات سے پیدا ہوا، نورِ محمدی نورِ خداوندی ہے

علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رقم طراز ہیں:
اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہوا، اور آئینہ محمدی نورِ ذاتِ احمدی سے اس طرح منور ہوا کہ نورِ محمدی کو نورِ خدا سے قرار دینا صحیح ہوا۔ (عید میلاد النبی ص ۲۰)

فائدہ :- چلئے اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور خدا کا نور جب ایک ہی ہوا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی خدائی ثابت ہوگئی، بریلوی مذہب کے دو خدا ہوئے ایک احد دوسرا احمد۔

حضورؐ کی روح بھی نور اور جسم بھی نور

احمد سعید صاحب کاظمی لکھتے ہیں:
اس مقام پر یہ کہنا کہ صرف روح پاک نور ہے جسم اقدس نور نہیں ہے بے خبری پر مبنی ہے۔ (ایضاً ص ۲۲)

فائدہ :- یقیناً بے خبری پر مبنی ہے اسلئے کہ آنحضور آپ کے یہاں آدم کی اولاد اور انسان تو ہیں نہیں کہ آپ کا جسم خاکی ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد حضرت عبداللہ سے لیکر آدم علیہ السلام تک سب مومن تھے

کاظمی صاحب لکھتے ہیں۔

لیکن متاخرین جمہور اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین سے لے کر آدم و حوا علیہما السلام تک کل آباء و امہات مومن موحد ہیں۔ (الغفاص ۲۱)

فائدہ :۔ اس بڑے دعویٰ کے لئے دلیل چاہئے کاظمی صاحب نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

غیر مسلم کے خواب سے مسائل کا استنباط ہو سکتا ہے

کاظمی صاحب لکھتے ہیں :

ان خوابوں کا حجت شرعیہ نہ ہونا مسلم ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ ان سے کسی حقیقتِ واقعیہ پر کوئی روشنی نہ پڑ سکے اور کسی امر میں کم از کم استنباط کا فائدہ بھی متصور نہ ہو۔ (الغفاص ۶۹)

فائدہ :۔ غیر مسلم کا خواب حجت شرعیہ ہو کہ نہ ہو بہر حال اتنا تو معلوم ہے کہ بریلوی مسلک میں ان خوابوں کا اعتبار ہے، بریلوی مذہب کی ہائے رے بیچارگی کہ اب غیر مسلموں کے خوابوں کی بھی ضرورت پڑ گئی۔

محفل میلاد کا خاصہ ہے کہ جس سال یہ محفل منعقد ہو وہ سال امن و امان سے گزرتا ہے

کاظمی صاحب لکھتے ہیں :۔

محفل میلاد کے خواص سے یہ مجرب خاصہ ہے کہ جس سال میں محافلِ میلاد منعقد

کی جائیں وہ تمام سال امن وامان سے گزرتا ہے۔ (ایقاص ۳،)

فائدہ ۔ کاظمی صاحب پاکستانی ہیں ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں محافل میلاد کے اس خاصہ و تاثیر کا انھیں تجربہ ہو وہ سچے ہیں کہ جھوٹے اس کی گواہی تو پاکستان ہی کے لوگ دیں گے البتہ ہندوستان میں تو تجربہ بالکل اس کے برخلاف ہے یہاں میلادی جلسے جلوس بہت ہوتے ہیں مگر آفات وبلیات سے چھٹکارا نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر مصائب و فتن کی کالی گھٹائیں انھیں بدعتوں اور کتاب و سنت سے دوری کے اثر سے اٹھا کرتی ہیں۔

قیام کی ابتدا تقی الدین سبکی سے ہوئی

کاظمی صاحب نے سیرت حلبیہ سے قیام کی ابتدا کا ثبوت تقی الدین سبکی سے بتلایا ہے، چنانچہ سیرت حلبیہ کی عبارت یہ ہے جس کو کاظمی صاحب نے خود نقل کیا ہے۔

وقد وجد القیام عند ذکر اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم من عالم الامۃ ومقتدی الائمۃ دنیا و دینا التقی الدین السبکی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ذکر کے وقت قیام کا وجود امت کے عالم اور ائمہ کے مقتدیٰ تقی الدین سبکی سے ہے۔

یہ قیام کس طرح وجود میں آیا، سیرت حلبیہ کا مصنف لکھتا ہے

فقد حکی بعضھم ان الامام السبکی اجتمع عندہ جمع کثیر من علماء عصرہ فانشد منشد قول الصرصری ...... فعند ذالک قام الامام السبکی رحمہ اللہ وجمیع من فی المجلس۔

بعض لوگوں نے بیان کیا کہ امام سبکی کے پاس علماء عصر کا ایک بڑا مجمع تھا کسی گانے والے نے صرصری رحمۃ اللہ علیہ کا اشعار گائے اس وقت امام سبکی اور مجلس کے سب حاضرین کھڑے ہو گئے۔

. . . .

اس کے بعد کاظمی صاحب لکھتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ مسئلہ قیام میلاد میں امام سبکی اور ان کے ہمعصر مشائخ علماء کی اقتدا کافی ہے۔ (ص ۷۷)

فائدہ :۔ جی ہاں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ قیام میلاد نہ صحابہ کے زمانہ میں تھا نہ تابعین کے نہ تبع تابعین کے نہ چاروں ائمہ میں سے کسی نے کیا نہ امام بخاری و مسلم کے زمانہ میں تھا، اور نہ یہ کسی حنفی کی ایجاد ہے بلکہ ساتویں صدی ہجری کے ایک شافعی عالم کی ایجاد ہے۔ اور آپ لوگ اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ سیرت حلبیہ کا مصنف اسی وجہ سے لکھتا ہے۔ وھذا القیام بدعۃ لا اصل لھا یعنی یہ قیام بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ نماز کے بعد بار بار دعا کرنی نہ چاہیئے تو یہ کہنے والا کافر و مرتد ہوجاتا ہے

محبوب علی خانصاحب لکھتے ہیں :

اور معترض کا یہ قول کہ بار بار دعا کرنے کی ضرورت نہیں اگر ناواقفی کی بناپر تو سخت محرومی کا باعث ہے۔ قائل کو جلد از جلد توبہ کرنا چاہیئے اور اگر کوئی جان بوجھ کر کوئی وہابی، دیوبندی، ندوی، مودودی کہتا ہے تو وہ قرآن عظیم کا کھلا ہوا منکر اور انکار قرآن سے کافر و مرتد ہے اور بغیر توبہ مرگیا تو مستحق نار ابد ہے۔ (توضیح اجل الدلائل ص ۳۲)

فائدہ :۔ نماز کے بعد بار بار دعا نہ کرنا یہ باعث کفر ہے، محبوب خاں کے فتویٰ سے یہ معلوم ہوا لیکن دلچسپ بات تو اس فتویٰ میں یہ ہے کہ وہابی، دیوبندی، ندوی، مودودی اس انکار کی وجہ سے کافر و مرتد ہوتے ہیں، اگر اس کا انکار نہ کریں تو نہ کافر ہیں اور نہ مرتد، حالانکہ یہ بات بریلوی مسلک کے خلاف ہے، یہ حضرات تو ان کے یہاں پہلے ہی سے کافر و مرتد ہیں تو اب دوبارہ کیا کافر و مرتد ہوں گے، ذرا خاں صاحب یہ بھی فرمائیں کہ قرآن کی کسی آیت میں یہ ہے کہ نماز کے بعد بار بار دعا کرنی چاہیئے تاکہ اس کا انکار کرنے والا قرآن کا منکر ہو۔ اگر اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے تو قرآن کی طرف ایسی بات کا منسوب کرنا جو قرآن

میں نہیں ہے یہ قرآن اور اللہ پر افترا ہے ۔ خود خاں صاحب کا ایمان جا رہا ہے۔ خاں صاحب غور کریں ۔

بدعتی کی صحبت کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے

تجانب اہل سنت کا مصنف محمد طیب شیخ فرید کی اس فارسی عبارت کا ترجمہ کرتا ہے۔

اجتناب از صحبت مبتدع لازم است وضرر صحبت مبتدع فوق ضرر کافر است یعنی مسلمان کہلانے والے بدمذہب کی صحبت سے پرہیز کرنا لازم ہے اور جو بدمذہب مسلمان کہلاتا ہے اس کی صحبت کا ضرر کافر کی صحبت سے بڑھ کر ہے ۔ (ص ۲۵۷)

فائدہ :۔ اگرچہ محمد طیب قادری کا یہ ترجمہ غلط ہے لیکن اتنا تو بہرحال معلوم ہوا کہ بدعتی بدمذہب ہوتا ہے اور اس کی صحبت کھلے کافر کی صحبت سے بڑھ کر ہے۔ بریلوی حضرات بدعت کی لعنت میں گرفتار ہیں اسلئے ان کی صحبت سے پرہیز کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

ڈاکٹر علامہ اقبال زندیق

تجانب اہلسنت کا مصنف لکھتا ہے۔

لیکن ڈاکٹر صاحب کو معلوم نہیں کہ جس طرح یورپ کے فرنگیوں نے انکو زندیق بنا دیا۔

(ص ۲۴۶)

یہی مصنف لکھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ کی حقیقت صوفی و ملا پر پھبتیاں، اڑانا اللہ عزوجل کو کھری کھری بے نقط سنانا ۔ (ص ۲۴۳)

ایک جگہ یہی مصنف لکھتا ہے ۔

ڈاکٹر صاحب کے قلب میں ابلیس کی بھی بہت عزت وعظمت معلوم ہوتی ہے ۔ ص ۲۲۹

یہی مصنف علامہ اقبال کے بارے میں لکھتا ہے ۔

جو شخص سائنس کے وسوسات کاذبہ اور وسوسات عاطلہ پر آنکھ بند کر کے ایمان لائے

اوران پر بھروسہ کرکے ارشاداتِ الٰہیہ کو جھٹلائے وہ بحکم شریعتِ مطہرہ یقیناً بے ایمان
وبے دین ہے ۔ (ص ۲۳۴)

ایک جگہ یہ مصنف لکھتا ہے ۔

شاعر مشرق صاحب اللہ عزوجل کی جناب میں گستاخیاں ضرور کرتے ہیں۔ (ص ۲۳۱)

فائدہ :۔ ان ارشادات عالیہ کا جو حاصل ہے وہ ظاہر ہے، بریلوی
مسلک میں رضاخانیوں کے سوا مسلمان اور ہے بھی کون ؟ ۔

شبلی وحالی بھی گمراہ وبے دین

تجانب اہلسنت کا مصنف لکھتا ہے ۔

مگر شبلی وحالی دونوں کے اقوال سے اتنا ضرور ثابت ہوگیا کہ ان دونوں کو گمراہ
وبے دین بنانے والی ان دونوں کے دین وایمان کو مٹانے والی وہی سرسید احمد خان علی گڑھ
کی کافرانہ وساحرانہ نگاہ تھی ۔ (ص ۲۹۸)

فائدہ :۔ کاش ان بریلوی لوگوں کو ایمان کا وہ حصہ بھی ملا ہوتا جو شبلی وحالی
کو حاصل تھا ۔ تو ان کے نجات کے لئے کافی تھا ۔

مسٹر جناح کافر

تجانب اہلسنت کا مصنف لکھتا ہے ۔

۔۔ اس وقت مسٹر جینا کے واضح کفریات کو واضح تر کرنے کیلئے ہم صرف دو ہی آیت
کریمہ کی تلاوت کرتے ہیں ۔ ص ۱۲۰

نیز یہی مصنف لکھتا ہے :

مسٹر جینا اپنے عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے
اور جو شخص اس کے ان کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانتے یا اسے کافر نہ مانے

یا اس کے کافر اور مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر و مرتد شر اللئام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت عزیز علام۔ (ص ۱۲۴)

فائدہ:۔ بریلوی مذہب کے جتنے لیگی ہیں سب کافر ہوئے اسلئے کہ انہوں نے مسٹر جناح کو اپنا راہبر اور راہنما مانا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کو تقدیر بدل دینے کی قوت تھی

تجانب اہلسنت کا مصنف لکھتا ہے:

یعنی حضور پر نور سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعض رسالوں میں تحریر فرمایا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی شخص کو کچھ بدل دینے کی مجال نہیں مگر مجھ کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت بخشی ہے کہ وہ قضا جو لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی طرح لکھی ہوئی ہے اور لوح محفوظ میں نہ تو کسی امر پر معلق ہے نہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے، صرف علم الٰہی میں اس کی تعلیق ہے اگر میں چاہوں تو اس قسم کی قضائے مبرم میں تغیر و تبدیل کر دوں۔ (ص ۳۰۰)

فائدہ:۔ دیکھا آپ نے سیدنا غوث کی طاقت و قوت کہ اگر وہ چاہیں تو اٹل تقدیر بھی بدل سکتے ہیں۔ اور یہ قدرت صرف ان کو حاصل ہے نہ صدیق اکبرؓ کو نہ فاروق اعظمؓ کو نہ عثمان غنیؓ کو نہ علی مرتضیٰؓ کو نہ حضرت حسنین کو نہ کسی پیغمبر اور رسول کو نہ نبی کو نہ ولی کو یہ قدرت مخصوص ہے۔ حضرت غوث اعظم کے ساتھ یقیناً غوث اعظم میں خدائی حلول کئے ہوئے ہے ورنہ تقدیر کا بدلنا تو صرف اللہ کا کام ہے۔

محمد احمد مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

اعیان العباد
یعنی
اللہ والے

مسروق بن الاجدع الکوفی الہمدانی

مسروق بن الاجدع مشہور تابعی فقیہ ہیں، بچپن میں ان کو چرا لیا گیا تھا، اس وجہ سے ان کا لقب "مسروق" یعنی چرایا ہوا پڑ گیا، اپنے زمانہ میں چوٹی کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے، اجلاء صحابہ کرام سے علم حاصل کیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انکو خصوصی تعلق تھا، حضرت عائشہ نے انکو اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔

بعض صحابہ کرام جن سے مسروق نے علم حاصل کیا یہ حضرات ہیں۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت عمر، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ام رومان، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

ان کے شاگردوں میں امام شعبی، امام نخعی، عبداللہ بن مرہ، عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود، امام مکحول اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت مسروق حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کے

بھانجے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان سے ان کا نام پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میرا نام مسروق بن الاجدع ہے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ۔ اجدع ، شیطان کو کہا جاتا ہے، تمہارا نام مسروق بن عبدالرحمٰن ہوگا ۔ اور پھر خلیفہ کے رجسٹر میں ان کا یہی نام لکھا گیا ۔

حضرت مسروقؒ نے طلب علم میں بہت سفر کئے اور جہاں جہاں سے ہو سکا دبستان علم سے خوشہ چینی کی ۔

حضرت عائشہؓ کے یہ محبوب تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں اے مسروق تم میری اولاد ہو اور تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو ۔

عبیداللہ بن زیاد جب کوفہ کا حاکم بن کر آیا تو اس نے پوچھا کہ اس شہر میں سب سے افضل صاحب علم کون ہے ؟ تو لوگوں نے بتلایا کہ مسروق بن اجدع ، ابن مدینی کہتے تھے کہ میں مسروق پر کسی کو فضیلت نہیں دے سکتا یہ وہ شخص ہیں جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ۔

علم وفقہ میں بلند وبالا مقام حاصل کرتے ہوئے حضرت مسروق زہد وتقویٰ اور عبادت گذاری میں امتیازی شان کے مالک تھے، دنیا سے بے رغبتی کا حال یہ تھا کہ وہ قضا کے عہدہ پر رہے مگر اس عہدہ سے ایک پیسہ بھی حاصل نہیں کیا، للہ یہ کام کرتے تھے ایک دفعہ ان کو ، سلسلہ ،، نامی ایک شہر کا حاکم بنا کر کے بھیجا گیا دو سال تک وہ واپس نہیں آئے، جب دو سال کے بعد گھر واپس لوٹے تو ان کے ہاتھ میں صرف ایک کلہاڑی تھی، گھر والوں نے کہا کہ آپ کے پاس صرف ایک کلہاڑی ہے، اور آپ دو سال کے بعد گھر آرہے ہیں تو یہ افسوس سے کہنے لگے کہ یہ کلہاڑی میری نہیں ہے دوسرے کی ہے میں نے اس سے عاریۃً لی تھی اس کو لوٹانا بھول گیا ۔

حضرت مسروق فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی چیز کا مجھے افسوس ہوتا ہے تو صرف یہ کہ ہم سے اللہ کیلئے زیادہ سجدہ نہیں ہو سکا ، اور فرماتے کہ اگر کوئی خواہش ہے تو یہی ہے کہ ہم اللہ کے سامنے جھک کر اپنی پیشانی گردآلود کریں ۔

حضرت مسروق کی بیوی فرماتی ہیں کہ مسروق نماز میں اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ ان کا قدم سوج جاتا، بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ انکی حالت دیکھ کر میں ان کے پاس بیٹھ کر رویا کرتی تھی، حضرت امام شعبی فرماتے ہیں کہ سخت گرمی میں حضرت مسروق روزہ سے تھے، اور گرمی کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہوجایا کرتے تھے، انکی ایک بیٹی عائشہ نام کی تھی جس کی بات کو مسروق عام طور پر ٹالا نہیں کرتے تھے، مسروق کی یہ حالت دیکھ کر وہ آئی اور اس نے ان سے کہا کہ ابا جان روزہ توڑ دیجئے اور پانی پی لیجئے تو مسروق نے اس سے کہا کہ بیٹی میں اس دن کے آرام کی خاطر روزہ رکھ رہا ہوں جس کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

حضرت مسروق فرماتے تھے کہ آدمی کے عالم ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، اور اس کے جاہل ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے عمل پر فخر کرے۔

(سیر اعلام النبلا رص ۲۳ ج ۵)

ابوبکر داؤد بن ابی ہند

ابوبکر داؤد بن ہند کا نام دینار بن عذافر ہے، یہ اصلاً خراسان کے تھے پھر بصرہ میں آباد ہوئے اور بصری کہلائے "حدیث" کے بلند پایہ امام ہیں، امام ذہبی نے انکو الامام الحافظ الثقہ سے یاد کیا ہے۔

سعید بن مسیب، ابوعثمان نہدی، امام شعبی، محمد بن سیرین وغیرہ سے روایت کی ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

ان کے شاگردوں میں سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، یحیٰی قطان یزید بن ہارون وغیرہ اجلائے محدثین ہیں۔

حماد بن زید نے ان کے فقہ کی بڑی تعریف کی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے داؤد جیسا آدمی نہیں دیکھا وہ علم کو بہت ٹھونک بجا کر لیا کرتے تھے۔

یزید بن زریع کہتے ہیں کہ ابوبکر داؤد اہل بصرہ کے مفتی تھے، پیشہ کے اعتبار سے دیکھو تو ابوداؤد درزی تھے۔

داؤد بن ابی ہند کو بچپن ہی سے عبادت کا ذوق وشوق تھا، انکے بارے میں محمد بن ابی عدی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ داؤد نے ہم لوگوں سے کہا کہ، جوانوں میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، شاید تم میں سے کوئی اس سے فائدہ اٹھائے، پھر فرمایا کہ جب میں چھوٹا تھا تو بازار آتا جاتا تھا، جب بازار سے گھر لوٹتا تو اپنے ذمہ یہ لازم کرلیتا کہ فلاں جگہ پہنچتے پہنچتے میں اللہ کا ذکر میں اتنی بار کروں گا، اس جگہ پہنچ کر پھر اپنے جی میں کہتا کہ اب فلاں جگہ پہونچ کر اتنی بار اللہ کا ذکر کروں گا، اسی طرح کرتے کرتے میں اپنے گھر پہنچتا تھا۔

ابن عدی ہی کا بیان ہے کہ چالیس سال تک داؤد نے روزہ اس طرح رکھا کہ اس کا پتہ ان کے گھر والوں کو بھی نہیں چلا، گھر سے جب اپنی دکان جاتے تو دوپہر کا کھانا لے کر جاتے اور راستہ میں اس کو صدقہ کر دیتے، اس طرح سے گھر والوں کو بھی اپنے روزہ کا پتہ نہیں ہونے دیا۔

ابوداؤد کا انتقال ۱۳۹ھ یا ۱۴۰ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵)

یونس بن عبید بن دینار بصری

یونس بن عبید بن دینار العبد البصری کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے، انکی پیدائش بصرہ میں طاعون جارف سے پہلے ہوئی تھی[1]، اپنے زمانہ میں تقویٰ پرہیزگاری علم وفضل میں یگانہ تھے، حضرت انس کو دیکھا تھا اور حضرت حسن بصری، ابن سیرین،

---

(۱) بصرہ میں یہ طاعون پھوٹا تھا جس میں دو لاکھ انسان ختم ہوگئے تھے۔

عطا، عکرمہ، نافع مولی ابن عمر اوران کے علاوہ متعدد تابعین سے روایت کرتے ہیں۔

شاگردوں میں امام شعبہ، امام سفیان ثوری، حماد بن سلمہ، ہیشم، حماد بن زید معتمر بن سلیمان اوران کے علاوہ ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے، جن میں اجلاء علم کی ایک جماعت کا نام لیا جاتا ہے، حدیث میں ان کی ثقاہت وعدالت کی گواہی بڑے بڑے ائمہ حدیث نے دی ہے، جتنی حدیثیں بھی سنی تھیں سب کو اس طرح محفوظ رکھا تھا کہ ایک لفظ کی بھی غلطی نہیں ہوتی۔

سلمہ بن علقمہ کہتے ہیں کہ میں ان کی مجلس میں عرصہ تک رہا اور ایک لفظ کی غلطی بھی میں نہیں پکڑ سکا، حافظہ بھی ان کا قوی تھا، فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کچھ لکھا نہیں، یعنی حدیث کو سن کر اپنے حافظہ میں محفوظ کرلیا کرتے تھے۔

لوگوں نے لکھا ہے کہ یہ بہت زیادہ عبادت گذار نہیں تھے مگر نیکی و پرہیزگاری امانت داری میں اپنی نظیر آپ تھے، کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اور ایک سچے امانتدار تاجر کا نمونہ پیش کرتے تھے، ایک دفعہ یہ اپنی دوکان پر تھے کہ ایک شامی ایک چادر خریدنے آیا، اوران سے پوچھا کہ کوئی چادر۔۔ چارسو درہم تک کی ہے، انھوں نے کہا کہ میرے پاس دوسو درہم کی چادر ہے، اتنے میں اذان ہوگئی اور وہ اٹھ کر مسجد نماز پڑھنے چلے گئے، جب واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان کے بھتیجہ نے دوسو درہم والی چادر کو چارسو میں بیچ دیا ہے، خریدنے والا ابھی دوکان سے گیا نہیں تھا، انھوں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ چادر دوسو کی ہے، اگر لینا ہو تو اس دام میں لو ورنہ جا سکتے ہو، انکی اس امانت داری سے وہ شامی خریدار بہت متاثر ہوا، اوران سے پوچھا آپ کون ہیں؟ تو یونس نے کہا۔ انا رجل من المسلمین میں ایک مسلمان آدمی ہوں، تو اس شامی نے قسم دیکر ان کا نام پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میرا نام یونس بن عبید ہے، تو اس شامی نے نے کہا کہ خدا کی قسم ہم لوگ جہاد کرتے ہوئے دشمن کے بیچ میں ہوتے ہیں اور جب ہم سخت پریشانی میں پڑجاتے ہیں تو ہم لوگ اللہ سے آپ کا واسطہ دیکر اس پریشانی سے نکلنے کی

دعا کرتے ہیں، اس پر امام یونس نے صرف اتنا کہا۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ

ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ ایک باندی ریشم کا ایک جبہ لے کر بیچنے کیلئے ان کے پاس آئی کہ آپ اسے خرید لیں، پوچھا، اس جبہ کو کتنے میں فروخت کروگی، تو اس نے کہا پانچسو درہم میں، ابن یونس نے کہا کہ اس کا دام اس سے زیادہ ہے تو اس نے کہا کہ چھ سو میں آپ لے لیں، تو انھوں نے کہا کہ اس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے، پھر آپ نے اس باندی سے اس جبہ کو جس کا دام اس نے شروع میں پانچ سو بتلایا تھا، ایک ہزار درہم میں خریدا۔

اسی طرح کا ایک قصہ ہے کہ ایک عورت ریشم کی چادر لے کر ان کو بیچنے آئی اور اس نے اس کا دام ساٹھ درہم بتلایا، تو یونس نے اپنے پڑوسی تاجر کو اس چادر کو دکھلایا اور اس سے پوچھا اس کی قیمت کیا ہوگی، تو اس نے کہا کہ ایک سو بیس درہم، تو انھوں نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ عورت نے کہا گھر والوں نے ساٹھ درہم ہی اس کا دام بتلایا ہے، تو آپ نے کہا کہ واپس جاؤ اور گھر والوں سے پوچھ کر آؤ۔

ابن یونس جب کسی کو کوئی سامان بیچتے تو اگر سامان میں عیب ہوتا تو اس کا ایک ایک عیب گنا دیتے پھر اسکو بیچتے۔ اصمعی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ یونس ہمارے پاس ایک بکری لے کر آئے کہ اسکو فروخت کردو، اور کہا کہ جس کو بیچو اس کو بتلا دینا کہ یہ جب چارہ کھاتی ہے تو برتن الٹ دیتی ہے، اور کھونٹا میں بندھی ہوتی ہے، تو وہ اس کو اکھاڑ دیتی ہے۔

سلام بن مطیع یا کسی اور سے یہ بات منقول ہے کہ یونس بہت زیادہ نماز روزہ والے نہیں تھے مگر اللہ کا حق ادا کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے پاس لکھا کہ ذرا اپنا حال ہمیں لکھ کر بھیجدیں، تو انھوں نے لکھا کہ تم نے اپنے خط میں میرے حال کے بارے میں پوچھا ہے تو میں تم کو بتلاتا ہوں کہ میں نے اپنے نفس سے کہا تو اپنے لئے جو پسند کرتا ہے وہی دوسروں کیلئے پسند کر، اور جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے وہ دوسرے کیلئے ناپسند کر، تو میں نے دیکھا کہ وہ اس سے

بہت دور ہے، پھر میں نے اس سے کہا کہ دوسرے دن کا ذکر صرف خیر سے کر تو میں نے دیکھا کہ اس کیلئے سخت گرمی میں روزہ رکھنا اس کیلئے اس کام سے آسان ہے۔ میرا حال تو یہی ہے۔ والسّلام

اللہ کے راستہ میں جان قربان کر دینے اور دین کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے راہ خدا میں جہاد کرنے کی انکو بڑی تمنا تھی مگر اس کا موقع انکو نہیں مل سکا تھا تو آخر زمانہ میں اپنا پاؤں دیکھ کر رویا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ قدمایا کل لم تغبر فی سبیل اللہ میرے دونوں پاؤں اللہ کے راستہ میں گرد آلود نہیں ہوئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے اپنی تنگ حالی کی شکایت کی تو اس نے کہا کہ کیا تم کو یہ پسند ہے کہ ایک لاکھ کے عوض اپنی آنکھ کسی کو دو؟ تو اس نے کہا کہ نہیں، پھر پوچھا اچھا اتنی ہی قیمت میں اپنا کان کسی کو دو گے؟ تو اس نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہوگا اس طرح وہ اللہ کی نعمتوں کو اس کے سامنے شمار کرتے رہے، پھر کہا کہ تیرے پاس اللہ کی نعمتیں لاکھوں لاکھ کی ہیں اور تو فقر و فاقہ کی شکایت کرتا ہے؟

یونس تجارت کے معاملہ میں انتہائی درجہ احتیاط برتنے کے باوجود یہ کہتے کہ میرا خیال ہے کہ میرے مال میں ایک درہم حلال کا نہیں ہے۔

یونس کا انتقال ۱۴۰ھ میں ہوا — سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۲۸۴

کہمس ابن الحسن الحنفی البصری العابد

کہمس عابد و زاہد مرتاض بزرگ تھے، حسن بصری ابو الطفیل و عبداللہ بن شقیق وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، عبداللہ بن مبارک، معتمر، یحییٰ بن سعید القطان امام وکیع جیسے اساطین علم حدیث کے شیخ تھے۔ کثرت عبادت میں ممتاز تھے، کثرت عبادت ہی کی وجہ سے ان کا لقب "العابد" پڑ گیا تھا، کہا جاتا ہے کہ دن و رات میں ایک ہزار رکعتیں نفل پڑھنا ان کا معمول تھا، شبہات سے حد درجہ کنارہ کش رہتے، ایک دفعہ

ان سے ایک دینار گر گیا، جب تلاش کیا تو وہ ملا، مگر اس ڈر سے اس کو زمین سے نہیں اٹھایا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ان کا نہ ہو کسی دوسرے کا ہو، اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک میں معروف تھے، کہا جاتا ہے کہ ایک بچھو نکلا انھوں نے اس کو مارنا چاہا تو وہ ایک سوراخ میں گھس گیا تو انھوں نے اس سوراخ پر اپنی انگلی رکھ لی، بچھو نے انگلی پر ڈنک مار دیا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو فرمایا مجھے ڈر ہوا کہ وہ باہر نکل کر میری والدہ کو نہ ڈس لے۔

یحییٰ بن کثیر ان کی کرامت کا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک درہم کا انھوں نے آٹا خریدا بہت دنوں تک وہ اس میں سے کھاتے رہے اور وہ ختم نہیں ہوتا تھا، جب ایک لمبی مدت گذر گئی تو اس کو نکال کر ناپا تو وہ پہلے دن کی طرح جوں کا توں تھا، مکہ مکرمہ میں انکا انتقال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۴۰۲)

مصعب بن ثابت

مصعب بن ثابت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے، علم و فضل میں باکمال تھے، امام ذہبی نے ان کو الامام القدوۃ سے یاد کیا ہے۔

انھوں نے اپنے والد ثابت کے سوا عطا بن ابی رباح، نافع عمری، اور محمد بن منکدر وغیرہ سے حدیث روایت کی ہے، ان سے روایت کرنے والوں میں محمد بن عمر واقدی، عبدالرزاق صاحب مصنف عبدالعزیز دراوردی اور انکے علاوہ ایک جماعت ہے۔

علم حدیث میں ان کا کوئی خاص مقام نہیں تھا، لوگوں نے ان پر بڑی سخت جرحیں بھی کی ہیں، مگر عبادت، تقویٰ، فکر آخرت میں اپنے زمانہ میں فرد تھے، یحییٰ بن مسکین فرماتے ہیں کہ میں نے مصعب بن ثابت سے زیادہ عبادت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، ہر روز دن و رات میں وہ ایک ہزار رکعتیں نماز ادا کرتے تھے اور صوم دہر رکھا کرتے تھے۔

مصعب کی صاحبزادی اسماء فرماتی ہیں کہ میرے والد دن و رات میں ایک ہزار

بقیہ ص ۵ پر

محمد ابوبکر غازی پوری

ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمائیے

صلوٰۃ الرسول کتاب اور اس کے بارے میں دو محققین کا اظہار خیال

علمائے غیر مقلدین کے احوال کا آپ مطالعہ کریں تو آپ انکشافات کے ایک عجیب و غریب عالم میں ہوں گے، اور دانتوں تلے انگلی دبا کر آپ سوچیں گے یہ لوگ کس دنیا کی مخلوق ہیں، فریب، مکر، دھوکہ دہی، تلبیس خود اپنے علماء کی کتابوں میں الٹ پھیر کے اتنے نمونے آپ کو ملیں گے کہ آپ محلوں محلوں میں تماشہ دکھانے والے مداریوں کے کرتب بھول جائیں گے۔

آج کی اس فرصت میں ہم آپ کو دنیائے غیر مقلدیت کے ایک مشہور سلفی عالم کا انہیں احوال کی روشنی میں مطالعہ کرانے کا شرف حاصل کریں گے۔ ممدوح عالم کا جانا پہچانا نام "ڈاکٹر محمد لقمان سلفی ہے" اور ان کا قیام عرصہ دراز سے مملکت سعودیہ کے شہر ریاض میں ہے۔

اہل علم کو جیسا کہ معلوم ہے مشہور غیر مقلد عالم حکیم صادق سیالکوٹی کی نماز کے موضوع پر مشہور کتاب "صلوٰۃ الرسول" کے نام سے ہے جس کو غیر مقلدین کے ادارے ہندو پاک کے علاوہ سعودیہ سے بھی شائع کر رہے ہیں، اور یہ وہ کتاب ہے کہ بقول لقمان سلفی صاحب "جس نے بھی یہ کتاب پڑھی اس کے دل کی دنیا میں ایک تلاطم پیدا ہو گیا اور انکی نمازوں کے ساتھ انکے عقائد کی بھی اصلاح ہو گئی۔

اس کتاب کا دو محقق ایڈیشن اس وقت میرے سامنے ہے، ایک کے محقق صاحب

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے پاکستانی عالم ہیں، ان کا پورا نام عبدالروف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو ہے، اور دوسرے ایڈیشن کے محقق و معلق بھی ہمارے ڈاکٹر لقمان سلفی صاحب ہیں جو ہندوستان کے اصلاً باشندہ ہیں اور اب سعودی ہیں۔
پہلے ایڈیشن کا سال طبع جولائی ۱۹۹۷ء ہے اور دوسرے ایڈیشن کا سال طبع ۲ر ذوالقعدہ ۱۴۲۳ ہجری ہے

پہلے ایڈیشن کا محقق بھی غیر مقلد عالم ہے اور دوسرے کا بھی محقق غیر مقلد ہے اسے ذرا ناظرین دونوں ایڈیشنوں کا فرق ملاحظہ فرمائیں اور صلوٰۃ الرسول کتاب کی حقیقت سے واقف ہوں، اور ڈاکٹر لقمان سلفی صاحب کی دیانت وامانتداری کا اندازہ لگائیں اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اپنے علماء کے عیوب کی پردہ پوشی کیلئے غیر مقلدین علماء خدا سے خوف کھائے بغیر کس طرح انکی کتابوں میں تصرف کرتے ہیں۔

(۱) مولانا صادق صاحب نے اپنی اس کتاب کے آغاز میں جو خطبہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ، امابعد، الخ

اس خطبہ میں نؤمن بہ ونتوکل علیہ کا لفظ ناظرین ملاحظہ فرمارہے ہیں، اسی طرح ونشھد کا بھی لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ آپ کی نگاہ کے سامنے ہے، مگر آپ ڈاکٹر لقمان سلفی کی تحقیق والا ایڈیشن ملاحظہ فرمائینگے تو اس میں نؤمن بہ ونتوکل علیہ کا لفظ غائب ملے گا، اسی طرح ونشھد کا لفظ دونوں تشہد میں اشھد واحد کے صیغہ میں بدلتا نظر آئے گا۔

کسی بھی انصاف پسند عالم سے پوچھو کہ کسی مصنف کی اصل کتاب میں اس طرح کا تصرف جائز ہے؟ دیانت دار محققین کو اگر اصل مصنف کی عبارت سے اختلاف ہوتا ہے تو وہ اس کا ذکر اپنی تعلیق اور حاشیہ میں کرتے ہیں نہ کہ مصنف کی اصل عبارت ہی کو بدل دیتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر لقمان سلفی نے یہ حرکت کیوں کی، اور اس ہاتھ کی صفائی سے ان کا مقصد کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطبہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے احادیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہے مگر کسی کتاب میں یہ دونوں کلمے یعنی نومن بہ ونتوکل علیہ مروی نہیں ہے۔ پاکستانی محقق لکھتا ہے:

مؤلف علیہ الرحمہ نے یہاں نومن ونتوکل علیہ کے الفاظ ذکر کئے ہیں جو نہ تو حدیث ابن عباس اور نہ ہی حدیث ابن مسعود کے کسی طریق میں پائے جاتے ہیں ۴۵

اسی طرح یہ پاکستانی محقق نشہد کے بارے میں لکھتا ہے۔

"اسی طرح مؤلف نے نشہد جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے جبکہ دونوں احادیث میں (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں) اشہد" لفظ واحد کے ساتھ ہے" (ایضًا)

اور جب ڈاکٹر لقمان سلفی نے ایک جگہ اصل الفاظ ہی اڑا دیئے اور ایک جگہ جمع کو واحد بنا دیا تو ان کو خطبہ کے ترجمہ میں بھی تصرف کرنا پڑا، مصنف کا ترجمہ کچھ ہے اور ڈاکٹر لقمان سلفی کا ترجمہ کچھ۔

ڈاکٹر لقمان نے مصنف کے خطبہ میں یہ تصرف کیوں کیا؟ انھوں نے یہ تصرف اسلئے کیا کہ مصنف کا اصل خطبہ یہ بتلا رہا تھا کہ جو حکیم صاحب رسول اللہ کی نماز سکھلانے کا حوصلہ پیدا کئے ہوئے ہیں انکو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول اس اصل خطبہ کی عبارت کا ہی پتہ نہیں ہے جس سے وہ اپنی کتاب کا آغاز کرنے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر لقمان نے مصنف کی اسی جہالت پر پردہ ڈالنے کیلئے اس کی عبارت میں یہ الٹ پھیر کیا ہے۔

(۲) حکیم صادق نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے۔ "بے قاعدہ نماز نہیں ہوتی ہے" اور اس کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشکوٰۃ سے بحوالہ بخاری و مسلم ایک روایت ذکر کی ہے جس کے آخر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

"ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالساً"

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے والے کو سکھلایا کہ پھر تم اطمینان سے سجدہ کرو پھر سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر دوسرا سجدہ اطمینان سے کرو۔ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔

اب بخاری و مسلم میں اس روایت کو دیکھئے دوسرے سجدہ کے بعد اطمینان سے بیٹھنے کا آپ کو ذکر نہیں ملے گا۔ اسلئے صلوٰۃ الرسول کا پاکستانی محقق کہتا ہے کہ

"واضح رہے کہ اس حدیث میں جلسہ استراحت (یعنی دوسرے سجدہ کے بعد اطمینان سے بیٹھنے) کا ذکر شاذ ہے۔" (ص ۲۹)

مگر لقمان سلفی نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا نہ یہ بتلایا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں دوسرے سجدہ کے بعد اطمینان سے بیٹھنے کا ذکر نہیں ہے، لقمان سلفی صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مقلدین کی نماز بخاری و مسلم کی حدیث کے خلاف اسی شاذ والے ٹکڑے کے مطابق ہوتی ہے۔

(۳) حکیم صادق سیالکوٹی نے صلوٰۃ الرسول میں ایک عنوان قائم کیا ہے۔ "بے قاعدہ نماز منہ پہ ماری جاتی ہے" اور اسکے ثبوت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع حدیث ذکر کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"جس شخص نے نماز کو اس کے وقت سے ٹال کر عمداً اخیر وقت میں پڑھا اور اس کا وضو بھی سنوار کر نہیں کیا اور دل کو بھی حاضر نہیں رکھا اور رکوع و سجدہ کو (مع قومہ و جلسہ) خوب تسلی و اطمینان سے پورا نہ کیا تو جب وہ نماز رخصت ہوتی ہے تو کالی بھجنگ ہوتی ہے پھر وہ نماز اس نمازی کو کہتی ہے۔ جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے اللہ تعالےٰ اسی طرح تجھے برباد کرے۔ یہاں تک کہ جب تھوڑی سی اونچی ہوتی ہے جس قدر اللہ پاک کو منظور ہو پھر اس نماز کو چیتھڑے میں لپیٹ کر اس نمازی کے منہ پہ فرشتے مار دیتے ہیں"۔[1]

یہ حدیث ضعیف ہے، پاکستانی محقق اور ڈاکٹر لقمان سلفی دونوں اس حدیث کو ضعیف بتلا رہے ہیں، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ ڈاکٹر لقمان سلفی صرف "ضعیف" کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں، جب کہ پاکستانی محقق کہتا ہے کہ اس میں ایک ایسا راوی ہے (عباد بن کثیر) جس کے ضعف پر سب کا اجماع ہے۔ دیکھئے دونوں محققین کی تحقیق کا فرق، ایک اس حدیث کو صرف ضعیف کہتا ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق و بالاجماع ضعیف ہے۔

اب کوئی غیر مقلدین سے پوچھے کہ آپ کی اس نماز والی کتاب میں ایسی حدیث سے بھی استدلال کیا جا رہا ہے جو اجماعاً ضعیف ہے، تو اگر کوئی دوسرا ضعیف حدیث سے استدلال کرتا ہے تو آپ حضرات آسمان سر پر کیوں اٹھا لیتے ہیں، کیا ضعیف حدیث سے استدلال دوسروں ہی کیلئے حرام ہے اور آپ کے لئے جائز و سائغ ہے۔

(۴) صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے پانی کے احکام کو بتلانے کیلئے یہ حدیث ذکر کی ہے ان الماء طھور لا ینجسہ شیٔ الا ما غلب علیہ ریحہ وطعمہ ولونہ یعنی بے شک پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی لیکن اگر نجاست

---

(۱) واضح ہو کہ ہم احادیث کا ترجمہ مصنف کی عبارت میں کر رہے ہیں۔

پڑنے سے) پانی سے بدبو آنے لگے یا اس کا مزہ بگڑ جائے یا رنگ تبدیل ہو جائے۔ (یعنی
تینوں وصف پانی میں اکھٹے پائے جائیں تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

لقمان سلفی صاحب نے اس حدیث کو صرف ضعیف بتلایا ہے اور پاکستانی
محقق فرماتے ہیں۔ "نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے[۹۵]

یعنی یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے۔ ضعیف ہے اور بالاتفاق ضعیف ہے
دونوں کے مفہوم میں کتنا فرق ہے ناظرین سمجھ سکتے ہیں۔

(لطیفہ) صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے پاخانہ سے نکلتے وقت کی دو دعائیں
ذکر کی ہیں، ایک دعا صحیح حدیث سے ثابت ہے اور ایک کی حدیث ضعیف ہے،
پھر حکیم صادق فرماتے ہیں۔

"ملاحظہ: ناظرین دونوں دعاؤں میں سے جونسی چاہیں پڑھ لیا کریں یا
دونوں پڑھیں"

سوال یہ ہے کہ جب ایک دعا کی حدیث صحیح ہے اور ایک کی ضعیف تو دونوں
کا درجہ برابر قرار دینا اور یہ کہنا ناظرین دونوں میں سے جونسی دعا چاہیں پڑھ لیا کریں،
کس محدث یا فقیہ کا فتویٰ ہے؟

تعجب ہے کہ اس کتاب کے دونوں محققین نے حکیم صادق صاحب کے اس
شاہانہ فتویٰ کے بارے میں کچھ نہیں کہا، اور خاموشی اختیار کر لی۔

غیر مقلدین کا مذہب بھی عجیب نرالا ہے۔ نہ اس کے سر کا پتہ نہ پیر کا۔

(۵) مصنف نے صلوٰۃ الرسول میں بول و براز کے مسائل کے بیان کے ذیل میں
یہ حدیث ذکر کی ہے، حضور نے تین پتھروں سے استنجا کا حکم دیا۔ اور حوالہ دیا ہے دارمی
کا، جبکہ یہ حدیث ابوداؤد و نسائی میں بھی ہے۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے:

"مؤلف نے حدیث نقل کرتے وقت صرف دارمی کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے،

ایسا درست نہیں جبکہ صاحب مشکوٰۃ سے بھی یہاں تقصیر ہوئی ہے، کیونکہ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ صہ

اقرب مأخذ کے ہوتے ہوئے البعد کا حوالہ دینا اور اقرب کو نظر انداز کر دینا علمی انداز نہیں ہے۔

لقمان سلفی صاحب نے مصنف کی اس کوتاہی کو چھپایا ہے، اور صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے ہیں کہ حسن صحیح۔

(۶) مؤلف حکیم صادق نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بروایت حضرت عائشہ یہ حدیث مرفوعًا ذکر کی ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد کا محل ختنہ عورت کے محل ختنہ میں تجاوز کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے، اور حوالہ دیا ہے ترمذی وابن ماجہ کا۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے حدیث عائشہ کو ترمذی وابن ماجہ کے حوالہ سے مرفوع ذکر کرکے غلطی کی ہے، کیونکہ ابن ماجہ میں یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔ صہ ۸۴

مگر ڈاکٹر لقمان سلفی صاحب نے مؤلف کی اس غلطی پر کوئی تنبیہ نہیں کی تاکہ حکیم صاحب کا علمی بھرم قائم رہے، اور کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ مؤلف صلوٰۃ الرسول کا علمی سرمایہ صرف مشکوٰۃ تک ہے۔

(۷) حکیم صادق نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث نقل کرکے حوالہ دیا ہے صرف مسلم کا، جب کہ وہ حدیث بخاری میں بھی ہے، بخاری کو نظر انداز کرکے صرف مسلم کا حوالہ دینا اصولی طور پر غلط ہے، اس پر پاکستانی محقق حکیم صاحب کی گرفت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"مؤلف نے اس حدیث کو فقط مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ بخاری میں بھی ہے"۔ صہ ۸۵

مگر ڈاکٹر لقمان سلفی صاحب نے مصنف کی اس غلطی کو چھپایا اور صرف اتنا کہا کہ
" یہ حدیث بخاری میں بھی ہے "

دیکھئے دونوں محققین کی عبارت میں کتنا فرق ہے، پہلے محقق کا انداز مصنف کی کوتاہی کو بیان کرنا ہے جب کہ دوسرا محقق اس پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے اور صرف اپنی معلومات ظاہر کر رہا ہے۔

(۹) حکیم صادق نے بلوغ المرام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔
اخراج مذی پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف وضو کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے۔
اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔
" وضو کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے " حدیث کے الفاظ نہیں ہیں، حدیث میں صرف وضو کا ذکر ہے۔ ص ۹۶

یعنی حکیم صادق صاحب نے اپنی طرف سے الفاظ گڑھ کر اس کو حضورؐ کی طرف منسوب کر دیا، اور حدیث کا مفہوم کچھ سے کچھ کر دیا۔

اس شدید چوک یا غلطی پر لقمان سلفی صاحب نے کوئی تنبیہ نہیں کی اور چپکے سے یہ کہہ کر گذر گئے کہ یہ حدیث بخاری میں ہے، لقمان صاحب شاید بھول گئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جو شخص وہ بات میری طرف منسوب کرے جس کو میں نے نہیں کہا ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

(۱۰) مؤلف صلوٰۃ الرسول نے اپنی کتاب میں ایک عنوان یہ قائم کیا ہے۔
" حائضہ کو قرآن پڑھنے کی ممانعت "
اور اس ممانعت کو بتلانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ترمذی شریف سے یہ ارشاد نقل کیا ہے۔
" ابن عمر سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیض والی عورت اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھے "

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے،

پھر لکھتا ہے:

حاصلِ کلام حالتِ جنابت وحیض میں قرأت کی تحریم کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، مگر قرأت ان حالتوں میں مکروہ ضرور ہے۔ ص۹۸

اور لقمان سلفی صاحب لکھتے ہیں

جنبی کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ حفظ سے بھی قرآن کی تلاوت نہ کرے، حرمت کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے، لیکن حیض ونفاس والی عورت کیلئے حفظ سے قرآن کی تلاوت جائز ہے اسلئے کہ ممانعت کی کوئی صحیح دلیل وارد نہیں اور حدیثِ مذکور ضعیف ہے بنابریں قابلِ حجت نہیں، ص۳۴

حدیث پاک کے مقابلہ میں لقمان سلفی صاحب اپنی رائے سے حیض والی اور نفاس والی عورت کیلئے قرآن کی تلاوت کو جائز قرار دے رہے ہیں اور اپنی رائے سے جنبی کیلئے قرآن کی تلاوت کو ممنوع قرار دے رہے ہیں۔

اور پاکستانی محقق صاحب اپنی رائے سے جنبی اور حائضہ دونوں کیلئے قرآن کی تلاوت کو مکروہ قرار دے رہے ہیں، اور صلوٰۃ الرسول کے مصنف صاحب ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ان دونوں کیلئے قرآن کی تلاوت کو ممنوع قرار دے رہے ہیں اور یہ سب ہی حضرات ماشاءاللہ ہوتے ہوئے مصطفٰے کی گفتار، مت دیکھ کسی کا قول وقرار والے گلزارِ محمدی کے بلبلانِ نالاں ہیں۔

(ملاحظہ) ناظرین سے گذارش ہے کہ اس مضمون کو پڑھتے وقت، اسکو بھی ذہن میں رکھیں کہ صلوٰۃ الرسول کا مصنف کس طرح بلا دھڑک اور بلا بتلائے ہوئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، ضعیف احادیث سے جگہ جگہ استدلال کر رہا ہے۔

ناظرین کے علم میں یہ بات ہونی چاہئے کہ ضعیف حدیث ذکر کر کے اسکے ضعف کو نہ بتلانا یہ علمی خیانت ہے اور کارِ جرم ہے صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے پچاسوں ضعیف حدیث اس کتاب میں ذکر کی ہے مگر کہیں اشارہ تک نہیں کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

خط اور اس کا جواب

محمد ابوبکر غازی پوری

اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر کی قسم کیوں کھائی ہے؟

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری صاحب دام مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا! زمزم کے ذریعہ سے سلفیت اور غیر مقلدیت کے بارے میں خوب نئی باتیں معلوم ہوتی رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بطور خاص اس کی توفیق عنایت فرمائی ہے، ہم سب آپ کی درازی عمر کے لئے دعا کرتے ہیں۔

اس خط کے ذریعہ یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب شریعت میں قسم کھانا ناجائز ہے تو خود خداتعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ اپنے غیر کی قسم کیوں کھائی ہے۔ برائے کرم چند سطور میں اس کا جواب دیں۔

والسلام۔ نیاز احمد انصاری گورکھپور

زمزم! جواباً عرض ہے کہ بہت سی چیزیں اللہ کے لئے جائز ہوتی ہیں اور بندوں کیلئے ناجائز ہوتی ہیں، جائز اور ناجائز کا تعلق بندوں سے ہے خدا سے نہیں۔ بندہ شریعت کا مکلف ہے، خدا کسی چیز کا مکلف نہیں ہے، شریعت نے جس چیز کو جائز رکھا ہے وہ بندہ کیلئے جائز ہے اور جس چیز کو ناجائز کیا ہے بندہ کو اس سے رکنا واجب ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من حلف بغیر اللہ فقد اشرک یعنی جس نے اللہ کے سوا کی قسم کھائی اس نے شرک کا کام کیا، تو اب بندوں کو بلا چون و چرا اس حکم پر عمل کرنا ہے بندہ وہی ہے جو مالک کے حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کرلے، حکم کی علت اور اس کا سبب معلوم کرنے کے درپے نہ ہو، شریعت کا کوئی حکم حکمتِ خداوندی سے خالی نہیں ہوتا ہے،

وہ حکمت کبھی بندوں کو سمجھ میں آتی ہے اور کبھی نہیں آتی ہے، اس وجہ سے اس حکمت کا جاننا ضروری نہیں ہے بلکہ شریعت کا حکم ماننا ضروری ہے، اگر حکمت کے جاننے ہی پر احکام شریعت پر عمل کا دارومدار ہو تو خدا کے بہت سے احکام پر (جن کی حکمتوں کی دریافت بندہ کے عقل سے باہر ہے) بندہ عمل نہیں کر سکے گا۔

یہ تو شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا عام قاعدہ ہے، ہر مسلمان کیلئے خواہ عالم خواہ جاہل، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا عمل اسی عام قاعدہ پر تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا اور سیکھا اس پر عمل کیا، ان کی پاک زندگی میں شریعت کے احکام پر عمل کرنے کے بارے میں چون و چرا نہیں تھا۔

اس کے بعد اپنے سوال کا جواب بھی مختصراً سن لیں، علماء نے غیر اللہ کی قسم کی حرمت کی جو وجہ بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ بندہ جس کی قسم کھاتا ہے اس کی عظمت اس کے دل میں ہوتی ہے یعنی وہ معظم شئی کی قسم کھاتا ہے، اور عظمت حقیقی صرف خدا کیلئے ہے غیر اللہ کے لئے نہیں ہے، قرآن کا ارشاد ہے دللہ العزۃ جمیعًا تمام عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ ولہ الکبریاء فی السمٰوات والارض، یعنی بڑائی آسمان اور زمین میں صرف اللہ کیلئے ہے۔

اب اگر کوئی غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اللہ کی عظمت وبڑائی اور کبریائی میں وہ غیر اللہ کو بھی شریک کرتا ہے، اور یہی شرک ہے کہ جو صفت خدا کے ساتھ مخصوص ہو اس صفت کو غیر اللہ میں بھی تسلیم کیا جائے، بلکہ غیر اللہ کی قسم کھانے میں اس کا بھی ابہام ہے کہ اس قسم کھانے والے کے نزدیک غیر اللہ کی عظمت وبڑائی اللہ سے بھی زیادہ ہے جبھی تو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس غیر کی قسم کھا رہا ہے، یہ تو بہت بڑا شرک ہے، اس وجہ سے بندوں کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جو اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے تو وہاں غیر کی بڑائی کا تصور ہی نہیں ہوتا ہے۔ اللہ سے بڑا اور اس کی ذات سے زیادہ عظیم دنیا کی کون سی مخلوق ہے کہ اللہ اس کی عظمت

وبڑائی کا لحاظ کر کے اس کی قسم کھائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جہاں جہاں قسم کھائی ہے اس کی عام طور پر دو حکمتیں ہیں کبھی تو اللہ تعالیٰ غیر اللہ کی قسم کھا کر اپنے کلام کو مؤکد کرنا چاہتا ہے اور اس حکم کی اہمیت اور اس کی تاکید خدا کے پیش نظر ہوتی ہے جس حکم کا بیان مقصود ہے تاکہ بندہ کے ذہن میں اس حکم کی اہمیت جم جائے اور اس کو اپنے ذہن میں راسخ کرلے اگر اس حکم کا تعلق عقیدہ سے ہے تو اس پر اس کا عقیدہ مضبوط ہو، اور اگر اس حکم کا تعلق عمل سے ہے تو اس پر عمل کرنے کے لئے بندہ کوشاں ہو اور اگر اس کا تعلق اخلاق سے ہے تو اس اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہ تو پہلی حکمت کا بیان ہوا۔

اللہ تعالیٰ جو اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اس کی دوسری حکمت یہ ہے کہ کبھی اس قسم سے مقصود اس حکم کی تاکید کے سوا اس شے کی اہمیت اور حرمت اور عظمت کو بھی بتلانا ہوتا ہے جس کی اللہ قسم کھا رہا ہے جیسے اللہ نے قسم کھائی ہے لا اقسم بھذا البلد یعنی اس شہر مکہ کی قسم کھاتا ہوں تو اب اس طرح کے مواقع پر غیر اللہ کی قسم کھانے میں اللہ تعالیٰ کی دو حکمتیں جمع ہو جاتی ہیں ایک تو اصل حکم کی تاکید اور دوسرے اس شئی کی اہمیت و عظمت کا بیان جس کی اللہ نے قسم کھائی ہے۔

یہاں اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب غیر کی مثلاً لا اقسم بھذا البلد میں مکہ مکرمہ کی عظمت کو بتلانا بھی اس قسم سے مقصود ہے، تو پھر وہی بات ہوئی کہ غیر اللہ کی عظمت کے پیش نظر اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور اس کو ابھی حرام اور ناجائز بتلایا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوقات میں جتنی چیزیں آپ کو عظیم نظر آتی ہیں یا جس کو شریعت نے عظیم بتلایا ہے تو وہ عظمت ان میں خدا ہی کی پیدا کردہ ہیں وہ ان کی ذاتی عظمت نہیں ہے تو اب حقیقی عظمت کا مصدر اللہ کی ذات ہوئی نہ کہ وہ چیزیں جو غیر اللہ ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی حاکم اپنے چپراسی یا اپنے کسی ملازم کو اپنے ساتھ لے کر کہیں جائے تو اس چپراسی یا اس ملازم کا بھی لوگ احترام اور اس کی تعظیم کرتے ہیں، اس وجہ سے اس چپراسی اور اس

ملازم کا تعلق اس حاکم سے ہے، تو عظمت و عزت کا مصدر تو حاکم ہے اور ملازم اور چپراسی میں جو عظمت پیدا ہوئی ہے وہ اس حاکم کی وجہ سے ہوئی نہ کہ خود ملازم یا چپراسی اپنی ذات سے باعظمت ہیں، پس اسی طرح سے یہ سمجھنا چاہئے کہ عظمت کا حقیقی مصدر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جس چیز میں بھی عظمت پیدا ہوئی ہے وہ خدا کی عطا کردہ ہے۔

ص۵۳ کا بقیہ :-

میں نے مزید دیا ہے، اور تیسرا درہم تمہارے کاغذات کا ہے، پس اب واپس ہوجاؤ، تم لوگوں نے مالِ غنیمت حاصل کرلیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۸)

محض ایک تمنا نے بندہ کو بخشش کا پروانہ دلوادیا

عمر بن اللیث صفار معتضد باللہ کے زمانہ میں خراسان کا بادشاہ تھا، نہایت مدبر خلیق اور عادل، جب اس کی وفات ہوئی تو کسی نے اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو اس نے کہا کہ ایک روز میں نے پہاڑ کی چوٹی پر سے اپنے لشکر کو دیکھا تو ان کی کثرت کی وجہ سے مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے تمنا کی کہ کاش میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا تو میں اپنے لشکر کے ساتھ آپ کی مدد کرتا۔ پس یہ تمنا کام کرگئی اور اللہ نے اس کی قدر کی اور میری بخشش ہوگئی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۱۴۸)

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابو یحییٰ غازی پوری

مختلف سوالات کے مختصر جوابات

شیعوں میں تین قرآن میں تحریف واقع ہونے کے قائل نہیں

(۱) سوال :- براہ کرم مطلع فرمائیں کہ شیعوں میں سے کچھ ایسے اہل علم بھی گذرے ہیں جو قرآن میں کسی طرح کی تبدیلی و تحریف کے قائل نہ ہوں ؟

زمزم ! آپ کا سوال آنے کے بعد میں اس کی تلاش میں تھا کہ اسی دوران علامہ ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء کا مطالعہ کر رہا تھا، اس کی تیرہویں جلد میں شریف مرتضیٰ کے حالات میں یہ لکھا ہوا ملا ۔

قال ابن حزم : الامامية كلهم على ان القرآن مبدل فيه زيادة و نقص سوى المرتضىٰ فانه كفر من قال ذالك وكذالك صاحباه ابو يعلى الطوسي وابو القاسم الرازي ۔

(ص ۲۳۱ ج ۱۳ سیر اعلام النبلاء)

یعنی ابن حزم کا بیان ہے کہ امامیہ فرقہ کے سبھی لوگ قرآن میں تبدیلی اور اس میں کمی بیشی ہونے کے قائل ہیں سوائے تین آدمیوں کے، ایک ان میں شریف مرتضیٰ ہیں اور دو ان کے دو شاگرد ابو یعلیٰ طوسی اور ابو القاسم رازی یہ تینوں حضرات ان کی تکفیر کرتے ہیں جو قرآن میں تبدیلی یا کمی بیشی کے

واقع ہونے کے قائل ہیں۔

کیا قرآن وحدیث میں تاویل کرنا صرف اشاعرہ اور ماتریدیہ کا مذہب ہے؟

(۲) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تاویل جائز نہیں ہے، بلکہ قرآن وحدیث کے جو الفاظ ہیں ان کو اپنے اصل معنی میں لینا واجب ہے، تاویل کرنا اشاعرہ اور ماتریدیہ فرقہ کا طریقہ ہے اور یہ دونوں فرقے سلف کے طریقہ پر نہیں ہیں۔

براہ کرم مختصر میں اس کا جواب دے دیں۔

ن حزم ! اگر غیر مقلدین کی یہ بات صحیح ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ سلف کے طریقہ پر نہیں ہیں تو غیر مقلدین کے علاوہ کوئی بھی سلف کے طریقہ پر نہ ہوگا، تمام شوافع، تمام حنابلہ، تمام موالک اور تمام احناف سلف کے طریقہ سے خارج ہو جائیں گے، اور اگر قرآن وحدیث کے بعض الفاظ کو ظاہری معنی پر لینا اور ان کی تاویل کرنا گمراہی ہے اور سلف کے طریقہ کے خلاف ہے تو غیر مقلدین کے تمام بڑے علماء بھی گمراہ ہوں گے، اسلئے کہ قرآن وحدیث کے بعض الفاظ کی تاویل کرنے سے ان کے علماء کو بھی چارہ نہیں رہا ہے، اگر ان الفاظ کی تاویل نہ کی جائے تو قرآن وحدیث کا صحیح مطلب ہی واضح نہیں ہوگا۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پوتے جن کا نام سلیمان بن عبداللہ ہے نے اپنے دادا کی کتاب "کتاب التوحید" کی شرح تیسیر العزیز کے نام سے لکھی ہے، اس میں وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سورہ واقعہ میں جو آیت ہے لایمسہ الا المطہرون (کہ قرآن کو صرف پاک ہی لوگ چھوتے ہیں) کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔

قال البخاری فی صحیحہ فی ھذہ الآیۃ لایجد طعمہ الا من آمن بہ۔ (ص ۴۰۷) یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا مزہ انھیں کو ملتا ہے جو قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ تاویل نہیں ہے تو کیا ہے، اب غیر مقلدین امام بخاری کے بارے میں فیصلہ فرمائیں کہ وہ سلف کے طریقہ پر تھے یا نہیں ؟

۲ - اور اسی کتاب میں اس حدیث کا مطلب " و زوی لی الارض " یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا گیا) وہ یہ فرماتے ہیں۔

وظاهر هذا اللفظ يقتضى ان الله تعالى قوى ادراك بصره و رفع عنه الموانع المعتادة ص ۳۲۲

یعنی اس لفظ کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کے ادراک کو قوی کر دیا تھا، جو چیز عام طور پر دیکھنے سے مانع بنتی ہے اس کو اٹھا دیا تھا (یہ مطلب ہے اس حدیث کا)

فرمایا جائے کہ یہ حدیث پاک کی تاویل ہے کہ نہیں، اب غیر مقلدین شیخ محمد ابن عبدالوہاب کے پوتے کے بارے میں فیصلہ کریں کہ وہ اہل حق میں سے تھے کہ اہل باطل میں سے، ان کا طریقہ سلف کا تھا یا اشاعرہ اور ماتریدیہ کا طریقہ تھا۔

۳ - حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد کرلے وہ جنت میں جائے گا۔

اس کی تفسیر میں شیخ ابن عبدالوہاب کے پوتا صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں

والمعنى ان له اسماء متعددة، و هذا كقولك لفلان الف شاة اعدها للاضياف فلا يدل على انه لا يملك غيرها - ص ۹۷۵

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کئی نام ہیں، (یہ نہیں کہ بس ننانوے ہی نام ہیں) یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کے پاس ایک ہزار بکری ہے اس نے ان کو مہمانوں کے لئے رکھا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اس کے پاس بکریاں نہیں ہیں۔

ننانوے کا عدد تو خاص ہے، یعنی ننانوے اس عدد کو کہتے ہیں جو اٹھانوے

سے ایک اوپر سو اور سو سے ایک نیچے ۹۹ اس خاص عدد میں بھی تاویل کی جارہی ہے، اب غیر مقلدین شیخ ابن عبد الوہاب کے ان پوتے صاحب کے بارے میں فتویٰ دیں کہ وہ سلف کے طریقہ پر تھے یا نہیں، وہ اشعری یا ماتریدی تو نہیں تھے؟

کتاب وسنت میں سیکڑوں جگہ ایسی ہیں کہ وہاں تاویل کے بغیر اس کا معنی مکمل ہی نہیں سکتا، اگر ان کے الفاظ کو ان کے اصل معنی میں استعمال کیا جائے تو مراد خداوندی واضح نہیں ہو سکتی، اور کلام خداوندی بے معنیٰ ہو کر رہ جائے۔

۴ — مثلاً قرآن میں ہے ید اللہ فوق ایدیھم یعنی اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے یعنی مومنین کے اوپر ہے، اب اگر اس کو بالکل ظاہری معنی پر محمول کریں گے تو اس کا کچھ مطلب سمجھ میں نہیں آتا، اسلئے اس کی تاویل کرنی ضروری ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ کی مراد واضح ہو، اس کی تفسیر غیر مقلدوں کے قرآن میں جو سعودیہ سے شائع ہوا ہے یہ لکھا ہے۔

۔ یعنی اللہ ان کے ساتھ حاضر ہے، ان کی باتیں اور ان کی جگہ دیکھ رہا ہے، اور ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ سورہ فتح آیت نمبر ۱ حاشیہ نمبر ۸

۵ - یوم ندعو کل اناس بامامھم میں امام کی تفسیر شوکانی نے جو غیر مقلدین کے بڑے پیشوا ہیں، نامہ اعمال سے کی ہے۔ (دیکھو غیر مقلدین کا قرآن، سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱، حاشیہ نمبر ۶)

ان پانچ مثالوں سے واضح ہو گیا کہ خود غیر مقلدین کے اکابر کتاب وسنت میں تاویل کیا کرتے تھے۔ تو اب یا تو یہ اکابر سلف کے طریقہ پر نہیں تھے، ان میں کا کوئی ماتریدی تھا کوئی اشعری، یا پھر موجودہ غیر مقلدین ہی سلف کے طریقہ پر نہیں ہیں، فیصلہ اب خود غیر مقلدین ہی کرلیں۔

آپ نے کہا تھا کہ جواب مختصر ہو، انتہائی اختصار کے باوجود بھی کچھ طویل ہو گیا۔

دم حیض اور دم استحاضہ کا فرق

(۳) آپ سے ایک سوال یہ ہے کہ دم حیض کو گندگی فرمایا گیا ہے، عورت سے صحبت کرنا

ایام حیض میں حرام ہے تو دم استحاضہ بھی دم ہے اور وہ بھی گندگی ہے، اس حال میں عورت سے ہم بستری کیوں حرام نہیں ہے ؟

زمزم ! برادرم زمزم اس طرح کے سوال کے لئے نہیں ہے، یہ تو آپ کسی مدرسہ کے دارالافتا سے سوال کرتے، اگر ہم اس طرح کے سوالوں کا جواب دینے لگیں تو اولاً ہمیں اس کی صلاحیت نہیں، دوم پھر زمزم اسی طرح کے سوالوں اور جوابوں کا ہو کر رہ جائے گا۔

بہر حال آپ کے سوال کا جواب دیا جا رہا ہے، مگر آئندہ اس طرح کا سوال نہ کریں۔

دم حیض اور دم استحاضہ میں فرق ہے، دم حیض فاسد ہے، اس کا منبع یعنی اسکے نکلنے کی جگہ وہ فضلات ہیں جو عورتوں میں طبعًا پیدا ہوتے ہیں، جیسے پیشاب، پیخانہ وغیرہ، اگر پیشاب پیخانہ کو روک دیا جائے تو عورت بیمار ہو جائے گی، اسی طرح دم حیض اگر خارج نہ ہو تو عورت مریض ہو جائے، اس وجہ سے اس کو اذی یعنی گندگی فرمایا گیا ہے۔ اور مردوں کو ان ایام میں عورتوں کے پاس جانا حرام قرار پایا ہے۔

اور دم استحاضہ دم صالح ہے، دم فاسد نہیں اس کا منبع عورت کے رحم کے عمق میں جو رگیں ہیں، وہ ہے، یعنی دم استحاضہ کا تعلق فضلات سے نہیں ہے اسلئے استحاضہ کی حالت میں صحبت کرنا ممنوع نہیں ہوا، البتہ چونکہ دم استحاضہ عورت کی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس حال میں خون زیادہ نکلنے کی وجہ سے عورت کمزور ہو جاتی ہے، اس وجہ سے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جب عورت اس حال میں ہو تو اس کے ساتھ مجامعت کرنے سے بچا جائے۔ اگر آپ عربی جانتے ہوں تو تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر دیکھ لیں۔

(۴) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اور قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں الرحمٰن علی العرش استویٰ اور اس میں کسی طرح کی تاویل کو جائز نہیں رکھتے، اور جو تاویل کرتا ہے اس کو گمراہ کہتے ہیں ؟

زمزم :- غیر مقلدین کا یہ مسئلہ گھسا پٹا بہت پرانا ہے، اور دوسروں کو گمراہ

گندا یہ ان کا کھانا پینا ہے، ان کا پیٹ اسی سے بھرتا ہے، آپ ان غیر مقلدوں سے یہ پوچھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا یہی مطلب ہے کہ عرش اللہ کا مکان ہے جس میں معاذ اللہ اللہ سمایا ہوا ہے، تو ہر مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے، اگر مکان چھوٹا ہو اور مکین بڑا ہو تو مکین اس میں سما نہیں سکتا۔ جیسے ایک کیلو دودھ والے برتن میں دو کیلو دودھ نہیں سما سکتا۔

اب غیر مقلدین کتاب وسنت سے صرف یہ ثابت کر دیں کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ عرش سے چھوٹا ہے اور عرش اللہ سے بڑا ہے تاکہ عرش اللہ کی جگہ بن سکے اور اللہ تعالیٰ اس میں سما جائے، اور جب وہ کتاب وسنت سے یہ ثابت کر دیں کہ اللہ تعالیٰ عرش سے چھوٹا ہے اور عرش اللہ سے بڑا ہے تو پھر آپ ان سے یہ کہیں کہ اب تم اپنی نمازوں میں اللہ اکبر کی جگہ "العرش اکبر" کہا کرو، اسلئے کہ اللہ اکبر کا تو یہ مطلب ہے کہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ہر چیز سے بڑا ہے، اور اب معلوم ہوا کہ نہیں اللہ سے بڑی بھی ایک چیز ہے اور وہ غیر مقلدوں والا عرش ہے جس پر اللہ تعالیٰ جما ہے۔

اگر آپ غیر مقلدوں کے چکر میں رہیں گے تو یہ آپ کو کہیں کا نہیں رکھیں گے، ان کی صحبت سے پرہیز کیجئے، تمام اہلسنت کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے مکان، ہر طرح کی جہت ہر طرح کے جسم اور ہر طرح کی احتیاج سے پاک اور منزہ ہے۔

(۵) دم کئے ہوئے پانی میں پانی ملانا

عام طور پر ہمارے بزرگوں کا یہ معمول ہے کہ وہ کسی مریض کیلئے پانی پر دم کرتے ہیں پھر یہ کہتے ہیں کہ پانی کم ہو جائے تو اس میں پانی ملا کر بڑھالو، اس کی کوئی اصل ہے یا بزرگوں کا اپنا معمول ہے؟ -

ناظم ! اہل حق اور مستند بزرگوں کا جو معمول ہوا کرتا ہے تو اس کی کوئی اصل ضرور ہوا کرتی ہے، کم از کم اتنا ضرور ہوتا ہے کہ یہ معمولات عام طور پر مشائخ میں رائج ہوتے ہیں اور اس پر کوئی نکیر کسی متدین عالم اور اللہ والے کی طرف سے نہیں

ہوتی ہے، اور اگر کسی رائج عمل پر کسی مستند اور پابند شریعت کی طرف سے نکیر نہ ہو تو وہ خود ایک دلیل ہے کہ وہ عمل مباح اور حسن ہے، حدیث پاک میں ہے کہ مسلمان جس عمل کو اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے، مسلمان سے یہاں مراد ہر زمانہ کے پابند شریعت علماء ہیں، ہر زید و عمرو بکر نہیں مراد ہیں۔

خاص اس مسئلہ کے بارے میں جو آپ کا سوال ہے غالباً بزرگانِ دین نے اس واقعہ کو اپنے پیش نظر رکھا ہے۔

قیس بن طلق اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم چھ لوگ جن میں پانچ بنی حنیفہ کے تھے اور ایک بنی ضبیعۃ کا تھا، وفد کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ہم نے آپ کو بتلایا کہ ہم جہاں رہتے ہیں وہاں ایک گرجا گھر ہے، رخصت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور وضو کیا، اور جو پانی بچا تھا اس میں کلی کی، پھر ایک برتن میں اس پانی کو رکھ کر ہمیں دیا اور فرمایا اس پانی کو تم لوگ لیجاؤ اور وطن پہونچ کر اس گرجا کو توڑ دو اور اسکی جگہ پر اس پانی سے چھڑک دو اور اس جگہ ایک مسجد بناؤ، تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا شہر بہت دور ہے، پانی راستہ میں خشک ہو کر کم ہو جائے گا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فامدوہ من الماء فانہ لا یزیدہ الاطیبا یعنی جب پانی کم ہوتا محسوس ہو تو اس میں اور پانی ملا دیا کرو اس سے اس کی پاکیزگی و مراد برکت ہے، اضافہ ہی ہوگا۔

خط کشیدہ عبارت مشائخ کے عمل کی صریح دلیل ہے۔ یہ حدیث صحیح سند سے صحیح ابن حبان جلد ثالث ص۴۰۹ و ص۴۱۰ پر آپ کو مل جائے گی۔

اس کتاب پر حاشیہ نگار لکھتا ہے کہ یہ حدیث سنن نسائی اور طبرانی میں بھی ہے۔

محمد ابو بکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

حکایات و واقعات

چالیس بچوں کو ایک ساتھ جنم دینے والی ایک عورت

بکر بن منیر بن خالد فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن الہشیم البجلی کو یہ فرماتے سنا کہ بغداد میں خلیفہ متوکل کا ایک فوجی جرنیل تھا، اس کی بیوی کو ہر پیدائش کے موقع پر بچی پیدا ہوتی تھی، جب وہ ایک بار اور امید سے ہوئی تو اس جرنیل نے قسم کھائی کہ اگر اب کی دفعہ بچی پیدا ہوئی تو بیوی کو قتل کر دے گا۔

جب ولادت کا وقت ہوا تو اس عورت کے پیٹ سے ایک جھولی جیسی چیز پیدائش کے راستہ سے نکلی، جب دایہ نے اس کو زمین پر رکھا تو اس میں حرکت پیدا ہو رہی تھی، لوگوں نے اس کو جب پھاڑا تو اس میں سے چالیس بچے برآمد ہوئے اور سب کے سب زندہ رہے۔

محمد بن الہشیم البجلی فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں ان لڑکوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے باپ کے پیچھے سوار ہو کر چل رہے تھے، اس کے باپ نے ہر لڑکے کیلئے ایک دایہ خرید اتھا جس کے ذریعہ ان بچوں کی پرورش ہوئی۔

بکر بن منیر فرماتے ہیں کہ میں نے بجلی سے سنا ہوا یہ واقعہ امام بخاری کی مجلس میں جب بیان کیا تو انھوں نے فرمایا۔ بجلی بہت سچ بولنے والے محدث تھے، مگر نمایاں نہیں ہوئے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ بجکر ثقہ محدث ہیں، پھر اس حیرت انگیز واقعہ پر تبصرہ فرماتے ہوئے امام ذہبی فرماتے ہیں۔ فسبحان القادر علی کل شئی۔ (یعنی پاک ہے وہ ذات جو ہر چیز پر قادر ہے) (سیر اعلام النبلاء ص ۴۲ ج ۱۰)

حیرت انگیز قوتِ حافظہ

احمد بن اسرائیل انباری خلیفہ معتز باللہ کا وزیر تھا، معتز باللہ کے یہاں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی، ذکاوت، ذہانت اور قوت حفظ میں نادر المثال تھا، لوگ ذہانت و ذکاوت میں بطور مثال اس کا نام پیش کرتے تھے، اس کے حافظہ کا عالم یہ تھا کہ بقول امام ذہبی لا یسمع شیئا الا حفظہ، یعنی وہ جو سنتا اس کا حافظہ اس کو محفوظ کر لیتا تھا۔ وہ کتابوں کو نقل کرتا تھا اس وجہ سے اس کا لقب کاتب پڑ گیا تھا، خود اس کا بیان ہے کہ کنت انسخ الکتاب فلا افرغ منہ حتی احفظہ حرفاً حرفاً۔ یعنی میں کتاب نقل کیا کرتا تھا اور جب اس کی نقل سے فارغ ہوتا تھا تو اس کتاب کا ایک ایک حرف مجھے یاد ہو جاتا تھا، وہ کہتا ہے کہ فعلت ذلک مرات کثیرۃ۔ یہ واقعہ بہت سی مرتبہ پیش آیا۔ (ص ۴۲ ج ۱۰ سیر اعلام النبلاء)

شاعروں کی قدر افزائی

ابن یزداد ابو صالح خلیفہ مستعین باللہ کا وزیر رہا ہے، ایک دفعہ شاعروں کی ایک جماعت نے اس کی تعریف میں اشعار کہے اور وزیر کی خدمت میں ان کو پیش کیا تو وزیر نے ان کو تین درہم عنایت کئے، اور یہ شعر لکھ بھیجا۔

قیمۃ اشعارکم درھم عندی وقد زدتکم درھما
وثالثا قیمۃ ادراکم فانصرفوا قد نلتم مغنما

(ترجمہ) تمہارے اشعار کی قیمت میرے نزدیک ایک درہم ہے، اور ایک درہم

بقیہ ص ۶۴ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

ضعیف حدیث کا انکار کرنیوالوں کیلئے لمحۂ عبرت

غیر مقلدین اور نام کے سلفی لوگوں کی زبان پر یہ ہوتا ہے کہ فلاں حدیث ضعیف ہے، اسلئے وہ نا قابلِ عمل ہے، اس طرح وہ احادیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے ذخیرہ کو نا قابلِ اعتبار گردانتے ہوئے مردود قرار دیتے ہیں، اور ضعیف احادیث کا تذکرہ ان کی زبانوں پر استہزائی انداز کا اور نہایت تحقیر کا ہوتا ہے، اور یہ اللہ کے بندے یہ سوچنے کی ذرا بھی زحمت نہیں کرتے کہ اگر ہر ضعیف حدیث متروک، ناقابلِ عمل و نا قابلِ استدلال اور مردود ہوتی تو محدثین کرام ان کو اپنی کتابوں میں کیوں ذکر کرتے اوروں کو تو چھوڑیئے، امام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الادب المفرد کے مطالعہ کا شرف جن کو ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کتابوں میں ضعیف احادیث کا کتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے، شیخ البانی نے تو الادب المفرد پر ایسا تیشہ چلایا کہ اس کے دو حصے کر دیئے، ایک کا نام صحیح رکھا اور دوسرے کا ضعیف، ضعیف والے حصہ کو مردود اور نا قابلِ عمل قرار دیا۔ گویا البانی صاحب امام بخاری سے بھی زیادہ عاشق حدیث ہوئے، اور کون سی حدیث نا قابل عمل ہے اور کون سی مردود و نا قابلِ عمل اس کا علم اور اس کی معرفت البانی کو امام بخاری سے بھی زیادہ رہی ہے، اور طبقہ غیر مقلدین البانی

کی روش پر چلتا ہوا احادیث کے رد و قبول کے معاملہ میں یہی راستہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ اور اس کے نزدیک البانی کا درجہ معرفتِ احادیث میں امام بخاری اور امام اہلسنت حضرت احمد بن حنبل سے بھی کئی گنا زیادہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایسے گمراہوں کیلئے درج ذیل واقعہ جو حضرت امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی کی زبان سے نقل کیا جا رہا ہے، باعث عبرت ہے، بلکہ ایسے تمام لوگوں کیلئے باعث عبرت ہے جو ہر طرح کی ضعیف حدیث کا انکار کرتے ہیں اور ضعیف حدیث کا ذکر انکی زبانوں پر حقارت آمیز لب ولہجہ میں ہوتا ہے۔

معلوم ہے کہ محدثین کے نزدیک مرسل روایات کا شمار انکی اصطلاح میں ضعیف احادیث میں ہوتا ہے، اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی مرسلات تو فنی نقطۂ نظر سے اور بھی کم درجہ کی ہیں۔ انھیں امام زہری سے ایک مرسل روایت اس طرح آتی ہے — قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احتجم فی یوم السبت او الاربعاء فاصابہ وضح فلا یلومن الا نفسہ۔ یعنی جو شخص سنیچر یا بدھ کے روز فصد کھلوائے اور اسے برص کا مرض پیدا ہوجائے تو خود ہی کو ملامت کرے۔

اس حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سنیچر کے اور بدھ کے روز فصد کھلوانے اور پچھنا لگوانے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے برص (سفید داغ) کا مرض پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

اب سنئے کہ حضرت امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی کیا فرماتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

لیس ینبغی لاحد ان یکذب بالحدیث اذا جاءہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان کان مرسلا۔ فان جماعۃ کانوا یدفعون حدیث الزہری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احتجم فی یوم السبت او الاربعاء فاصابہ وضح فلا یلومن الا نفسہ۔ فکانوا

يفعلونه فبلوا، منهم عثمان البتي فاصابه الوضح ومنهم عبد الوارث (يعني ابن سعيد التنوري) فاصابه الوضح ومنهم ابوداؤد فاصابه الوضح ومنهم عبد الرحمٰن فاصابه بلاء شديد[1]۔

یعنی کسی کیلئے روا نہیں ہے کہ جب اس کے پاس کوئی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو کر کے آئے تو وہ اسکو جھٹلائے اگرچہ وہ حدیث مرسل ہی کیوں نہ ہو (یعنی خواہ وہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں ضعیف ہی کیوں نہ ہو جیسے مرسل احادیث) اس لئے کہ ایک جماعت نے حضرت امام زہری کی اس مرسل حدیث کو مردود قرار دیا۔ من احتجم فی یوم السبت الخ اور یہ لوگ ان دونوں میں فصد کھلواتے تھے تو ان لوگوں کو برص کا مرض لاحق ہوا، انھیں لوگوں میں عثمان بتی تھے تو ان کو برص کا مرض پیدا ہو گیا، اور انھیں میں سے عبدالوارث ابن سعید تنوری تھے تو ان کو بھی برص کا مرض لاحق ہوا اور اس مرسل حدیث کو رد کرنیوالے عبدالرحمٰن تھے تو ان کو بڑی مصیبت پیش آئی۔

یہ بیان ابن مدینی کا ہے جو حضرت امام بخاری کے سب سے بڑے استاذ تھے، ان کے بارے میں امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے اپنے کو سب سے کمتر ابن مدینی کے سامنے پایا۔

یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت ابن مدینی نے مرسل حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرار دیا، جبکہ البانی اور ان کے جامد مقلدین کے نزدیک ضعیف حدیث کو حضور کی حدیث ہی کہنا غلط ہے اور معاذ اللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر افتراء ہے، اگر البانی اور ان کے مقلدین کی اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اور کتابوں کو تو جانے دیجئے خود صحاح ستہ کے مصنفین معاذ اللہ اس جرم کے مرتکب پائے جائیں گے، اسلئے کہ صحاح ستہ

---

(۱) معرفۃ الرجال لابن محرز (۲/نص ۲۲۸) از التعریف باوھام من قسم السنن الی صحیح وضعیف ـ بقلم محمود سعید ممدوح ص ۱۷۷/۱۷

میں سے ایک کتاب بھی اصولِ محدثین اور اصطلاح محدثین کے اعتبار سے ضعیف احادیث سے خالی نہیں ہے ۔

ضعیف احادیث کے بارے میں محدثین کا حقیقی موقف کیا رہا ہے ، اس کو جاننے کیلئے میرا رسالہ حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار رد وقبول اور میری کتاب ارمغان جلد دوم میں ۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں ضعیف احادیث کیوں ذکر کی ہیں " والا مضمون ضرور مطالعہ کرلینا چاہیئے ۔ انشاء اللہ اس بارے میں غیر مقلدین کی پھیلائی ہوئی ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اور ضعیف احادیث کے بارے میں محدثین کا حقیقی موقف کیا رہا ہے اس بارے میں صحیح معلومات فراہم ہوں گی ۔

محمد ۱۰ جمل مفتاحی

طٰا شیرازی

خمارِ سلفیت

ضعیف حدیث اور "صلوٰۃ الرسول" کتاب "
شیخ کلو حفظہ اللہ نے صلوٰۃ الرسول پڑھنے سے توبہ کی۔

بیٹا۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ کل شیخ جمن حفظہ اللہ کا گلاب والی جامع مسجد میں تقریر کا اعلان تھا۔

باپ ۔ جی بیٹا میں نے بھی یہ سنا تھا، کئی روز سے لاؤڈ اسپیکر پر اس کا اعلان ہو رہا تھا، تو کیا ہوا، ان کی تقریر ہوئی یا نہیں ؟

بیٹا ۔ اباجی، ان کی تقریر ہوئی، مجمع بھی بہت تھا، مگر جب ان کی تقریر شباب پر تھی تو عجیب حادثہ پیش آگیا۔

باپ ۔ کیا حادثہ پیش آگیا بیٹا، کیا کسی نے خودکش حملہ کر دیا، آج کل خودکش حملے جگہ جگہ ہو رہے ہیں۔

بیٹا۔ نہیں اباجی، خودکش حملہ کا حادثہ نہیں تھا، اس سے بھی زبردست حادثہ

باپ ۔ تو بتلاؤ نا، تم تو حادثہ حادثہ کہے جا رہے ہو، حادثہ کیا پیش آیا یہ بتلا نہیں

رہے ہو۔

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن حفظہ اللہ کی تقریر کا موضوع تھا، ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں، ضعیف حدیث پر عمل کرنا حرام ہے، جو لوگ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ حرام کام کرتے ہیں، صحیح حدیث پر عمل کرنے کا شرف صرف طائفہ منصورہ یعنی جماعت اہلحدیث کو حاصل ہے۔

باپ۔ موضوع تو شیخ حفظہ اللہ نے بڑا زبردست چنا تھا، مگر حادثہ کیا پیش آیا حادثہ تو تم بتلا نہیں رہے ہو۔

بیٹا۔ اباجی، جب شیخ جمن حفظہ اللہ کی تقریر شباب پر تھی اور پورے مجمع پر وجد طاری تھا اور ہر طرف سے نعرۂ تکبیر، زندہ باد، جماعت اہلحدیث زندہ باد ضعیف حدیث مردہ باد، ضعیف حدیث پر عمل کرنے والے مردہ باد کا شور اٹھ رہا تھا، تو حادثہ پیش آ گیا۔

باپ۔ تم صرف حادثہ حادثہ کی رٹ لگائے ہوئے ہو وہ حادثہ کیا پیش آیا، بتلا کیوں نہیں رہے ہو؟

بیٹا۔ اباجی اس مجمع میں شیخ ہدہد حفظہ اللہ بھی تھے، میں نے دیکھا کہ شیخ جمن کی تقریر جب شباب پر تھی تو وہ چپکے سے اپنے گھر گئے اور کوئی کتاب لیکر کے آئے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہم لوگوں کی نماز والی مشہور کتاب صلوٰۃ الرسول تھی۔

باپ۔ تو اس میں حادثہ کی کیا بات ہوئی، تم تو کہہ رہے تھے کہ حادثہ پیش آ گیا۔

بیٹا۔ اباجی، جب مجمع نعرہ لگا کر خاموش ہو گیا، تو شیخ ہدہد حفظہ اللہ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے بڑی زور کی آواز میں کہا کہ اگر ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے تو اس کتاب کو اسی مجمع میں آگ لگا دینا چاہئے اسلئے کہ یہ کتاب ضعیف احادیث سے بھری ہے، ان کا یہ کہنا تھا کہ مجمع پر سناٹا چھا گیا۔

باپ ۔ پھر کیا ہوا بیٹا، شیخ جمن حفظہ اللہ نے تقریر جاری رکھی یا بند کر دی ۔
بیٹا ۔ شیخ جمن حفظہ اللہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے مجمع سے کہا کہ شیخ بدہا اگر اس کتاب میں سے ایک ضعیف حدیث بھی مؤلف کی صراحت کے ساتھ دکھلا دیں تو میں اس کتاب کو آگ لگانے کو تیار ہوں، اس پر مجمع نے پھر بڑے زور کا نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور لوگ جماعتِ اہلحدیث زندہ باد کے نعرے لگانے لگے، تو ایک نوجوان مولوی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اس کتاب کے مؤلف حکیم صادق سیالکوٹی نے اس کتاب میں بے ایمانی اور بد دیانتی کی انتہا کر دی ہے، مؤلف ضعیف حدیثیں نقل کرتا ہے اور کہیں ظاہر نہیں کرتا کہ یہ حدیثیں ضعیف ہیں، اس کتاب میں پچاسوں ضعیف احادیث ہیں ۔

اس پر شیخ کلو حفظہ اللہ کو طیش آگیا، اس نے اس نوجوان کا گلا دبا کر کہا کہ اگر اس کتاب کی ایک حدیث کو بھی تم نے ضعیف ثابت کر دیا تو میں غیر مقلدیت سے توبہ کر لوں گا ۔

باپ ۔ تب تو بیٹا اس نوجوان کی حالت خراب ہو گئی ہو گی، اسلئے کہ یہی کتاب تو ہم لوگوں کی نماز والی اصل کتاب ہے، اس میں صرف صحیح احادیث کا ذکر مؤلف علیہ الرحمہ نے کیا ہے ۔

بیٹا ۔ نہیں ابا جی، اس نوجوان کی حالت خراب نہیں ہوئی شیخ کلو اور شیخ جمن حفظہما اللہ کی حالت خراب ہو گئی، اس نوجوان نے کہا کہ اس کتاب میں ویسے تو پچاسوں ضعیف حدیث ہیں، مگر میں نمونہ کے طور پر آپ حضرات کو صرف تین حدیثیں دکھلاتا ہوں اور یہ بھی بتلاؤں گا کہ ان کے ضعیف ہونے کا اعتراف آپ کے علماء کو بھی ہے ۔

پھر اس نوجوان نے اس کتاب سے یہ تین حدیثیں ذکر کیں جن کو ہمارے ڈاکٹر لقمان سلفی صاحب اور پاکستانی عالم عبدالرؤف فاضل مدینہ یونیورسٹی نے

ضعیف بتلایا ہے، اس نوجوان نے کہا کہ

(۱) اس کتاب میں حکیم صاحب نے یہ حدیث ذکر کی ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے فتنہ و فساد کے وقت جس شخص نے میری سنت کو مضبوط پکڑا اس کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

پاکستان کا محقق جس نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے لکھتا ہے

"سخت ضعیف حدیث ہے" صـ۵۸

اور اس کتاب کی تحقیق کرنے والا ہندوستان کا محقق ڈاکٹر لقمان سلفی بھی لکھتے ہیں: "سخت ضعیف حدیث ہے" صـ۱۶

(۲) حکیم صادق صاحب نے اپنی کتاب میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے دوست رکھا سنت میری کو پس اس نے دوست بنایا مجھ کو اور جس نے دوست بنایا مجھ کو وہ بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث کو دونوں محققین ضعیف کہتے ہیں، اور البانی سے بھی اس کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے۔

(۳) حکیم صاحب نے اپنی کتاب میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

ابن عمر سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیض والی عورت اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔

پاکستانی محقق لکھتا ہے۔ "ضعیف حدیث ہے" صـ۹۷ اور ڈاکٹر لقمان سلفی بھی اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور البانی نے بھی اس کو ارواء الغلیل میں ضعیف بتلایا ہے۔ صـ۳۴

باپ - بیٹا تعجب ہے کہ اتنی اہم اور مشہور اور مقبول کتاب میں ضعیف احادیث ہیں؟

بیٹا ۔ اباجی، اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ حکیم صاحب جیسے مشہور عالم نے کسی ضعیف حدیث کا ضعیف ہونا ظاہر نہیں کیا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا، جب اس نوجوان نے ان احادیث کو ذکر کیا تو پھر شیخ کلو اور شیخ جمن کا کیا حال رہا؟

بیٹا ۔ اباجی شیخ جمن تو چپکے سے گھر واپس ہو گئے اور شیخ کلو نے اس کتاب سے اظہار بیزاری کیا، اور اس نوجوان کے سامنے اس کتاب کو پڑھنے سے توبہ کی ۔

باپ ۔ بیٹا وہ نوجوان کون تھا ؟

بیٹا ۔ اباجی وہ مولانا غازی پوری کا چیلا نورالدین نوراللہ اعظمی تھا جس نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی ہے ۔

باپ ۔ اس غازی پوری نے ہمارا بڑا ناس کیا ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی، غازی پوری نے ہمارا ناس کیا ہے یا ہمارے حکیم صادق سیالکوٹی صاحب نے جماعت اہلحدیث کی پگڑی اچھلوائی ہے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول کا حال زار اور شیخ جمن حفظہ اللہ کا اپنے بیٹے کو مشورہ

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی کچھ آپ نے سنا ہے ۔

باپ ۔ کیا بات ہے بیٹا ۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ جمن حفظہ اللہ کا بیٹا جگنو نے روزانہ بعد عصر تبلیغی جماعت والوں

کی طرح "صلوٰۃ الرسول" کا درس دینے کا پروگرام بنایا ہے اور وہ آج متولی صاحب سے بات کر رہا تھا، میں نے بھی اس کی تائید کی ہے، تاکہ مسجد میں تبلیغی جماعت والوں کی کتاب فضائل اعمال کا درس بند ہو جائے۔

باپ۔ فضائل اعمال کا درس کیوں بند کرا رہے ہو، وہ تو بڑی مفید کتاب ہے اس کتاب سے کتنے لوگوں کی زندگی بن گئی، اور ان کے اعمال درست ہو گئے۔ لوگ نمازی بنے، مسجدیں آباد ہوئیں۔

بیٹا۔ ابا جی یہ سب صحیح ہے، مگر اس کتاب میں ضعیف احادیث ہیں، اور ضعیف احادیث کا پڑھنا پڑھانا بڑے گناہ کی بات ہے۔

باپ۔ بیٹا۔ اگر فضائل اعمال کا درس اور اس کی تعلیم بند کرانے کی یہی وجہ ہے تو "صلوٰۃ الرسول" کا درس اور اس کی تعلیم کیوں؟

بیٹا۔ ابا جی، یہ نماز کی بڑی معتبر کتاب ہے، میں نے اس کو اول سے آخر تک پڑھا ہے، اس میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں ہے، حکیم صاحب نے سب کی سب صحیح حدیثیں ذکر کی ہیں۔

باپ۔ یہ تو تمہاری بھول ہے بیٹا اور اس کتاب کی حقیقت سے ناواقفیت ہے۔

بیٹا۔ ابا جی کیا اس کتاب میں بھی ضعیف حدیثیں ہیں؟

باپ۔ بیٹا، ایک دو نہیں پچاسوں حدیثیں ضعیف ہیں، دیکھو یہ اس کتاب کا محقق ایڈیشن ہے، کل ہی شیخ بدبد حفظہ اللہ نے اسے خریدا ہے، اور مجھے مطالعہ کیلئے دیا ہے، اسکی تحقیق کرنیوالے ہماری جماعت کے ایک پاکستانی عالم ہیں جو مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔ انھوں نے دیکھو یہ نقشہ اس نقشہ میں پوراسی ضعیف حدیث کی نشاندہی کی ہے اور اسکے علاوہ مسئلے مسائل کی بھی غلطیاں نکالی ہیں۔

بیٹا۔ ابا جی، مگر حکیم صاحب نے تو کسی ایک حدیث کے بارے میں بھی صراحت نہیں کی ہے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔

باپ - بس اللہ حکیم صاحب پر رحم کرے، میرا مشورہ ہے کہ فضائل اعمال کی تعلیم جاری رہنے دو، وہ بڑی بابرکت کتاب ہے، کتنے بچے لفنگے اسکی بدولت سچے پکے نمازی اور دیندار بن گئے۔

بیٹا - ابا جی، مگر حکیم صاحب نے ضعیف احادیث کو ذکر کر کے ان کے ضعف کو چھپایا کیوں؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

رافضیوں اور غیر مقلدین کے مذہب میں مشابہت

(۱) قیاس ورائے کے منکر رافضی ہیں ۔ غیر مقلدین بھی اس کے منکر ہیں

(۲) مذاہب اربعہ کے منکر رافضی ہیں ۔ غیر مقلدین بھی ان کے منکر ہیں

(۳) خلفائے راشدین اور صحابہ کے عمل کو سنت رافضی نہیں مانتے۔
غیر مقلدین بھی نہیں مانتے۔

(۴) اجماع کے منکر رافضی ہیں ۔ غیر مقلدین بھی اجماع کے منکر ہیں

(۵) اول من قاس ابلیس سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا، رافضی کہتے ہیں۔
اور یہی غیر مقلدین بھی کہتے ہیں۔

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری کی تصانیف

مسائل غیر مقلدین
غیر مقلدین کی ڈائری
آئینہ غیر مقلدیت
ارمغان حق ۲ جلدیں
غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ
سبیل الرسول پر ایک نظر
کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ
مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں
حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار رد قبول
صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر
صلوۃ الرسول پر ایک نظر
کیا ابن تیمیہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟
صور تنطق (عربی)
وقفه مع معارضی شیخ الاسلام (عربی)
وقفه مع لا مذهبیه
هل الشیخ ابن تیمیة من اهل السنة والجماعة؟
(صوت الاسلام عربی) سه ماهی رساله
(زمزم اردو ۲ ماہی رسالہ)

اسٹاکسٹ: ربانی بک ڈپو دہلی۔
فون:۔ 9811504821, 9873875484